سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ

عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے آفاق میں اور خود ان کی اپنی جانوں میں یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے کہ یہ قرآن برحق ہے (القرآن)

قرآن

سائنس اور تہذیب و تمدن

ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری

دارالاشاعت

اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی ۱، پاکستان 021-2631861

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ

ہم عنقریب انکو اپنی نشانیاں دکھائیں گے آفاق میں اور خود انکی اپنی ہستیوں میں تاکہ ان پر یہ واضح ہو جائے کہ یہ قرآن برحق ہے (القرآن)

قرآن

سائنس اور تہذیب و تمدّن

ڈاکٹر حافظ حقّانی میاں قادری

دار الاشاعت

اردو بازار ٥ ایم اے جناح روڈ

کراچی ١، پاکستان ٢٦٣١٨٦١-٠٢١

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
اشاعت : ۱۹۹۹ء
کمپوزنگ : عبدالماجد پراچہ
ناشر : دارالاشاعت کراچی
ضخامت : ۵۲۵

ملنے کے پتے!

دارالاشاعت اردو بازار کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
ادارۃ القرآن گارڈن ایسٹ لسبیلہ کراچی نمبر ۵
ادارۃ المعارف کورنگی کراچی نمبر ۱۴
مکتبہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
ادارہ اسلامیات ۱۹۰، انار کلی لاہور

عرضِ ناشر

زیرِ نظر کتاب قرآن سائنس اور تہذیب و تمدن طبع کر کے پیش خدمت کرنے پر ہم اللہ رب العزت کے حضور سربسجود ہیں۔ اس کتاب کے مصنف نے پاکستان کے معروف ادارے سے درسِ نظامی کی سند حاصل کر رکھی ہے اسکے علاوہ ڈاکٹریٹ بھی کیا ہے۔ امریکہ میں مقیم ہیں۔

کتاب میں قرآن کریم کی حقانیت، اور قرآن کریم میں سائنسی علوم کے اشارے اور اسلامی تہذیب و تمدن کا ثبوت آیات سے ثابت کیا ہے اور جہاں علمائے حق کی تفاسیر و کتب کے حوالے دیئے ہیں وہیں غیر مسلم مستشرقین نے اپنی تصانیف میں جہاں مذکورہ موضوعات کے تحت مجبوراً انکو اعترافات کرنا پڑے ہیں مصنف موصوف نے یہ کوشش کی کہ انکی کتب سے ان حوالہ جات کو لیکر کتاب کا حصہ بنادیں۔ بحیثیت مسلمان ہمیں انکے اعترافات کی چنداں ضرورت نہیں۔

لیکن ہمارے معاشرے میں مغربی تقلید کی جو لہر چل رہی ہے ضرورت تھی کہ اس نظریہ سے بھی تصانیف وجود میں آئیں اور اپنے ان احباب کو آگاہ کریں کہ خود مستشرقین و مفکرین نے قرآن سے کس طرح استفادہ کیا اور اعتراف حق پر مجبور ہوئے۔

اللہ تعالیٰ مصنف محترم اور ہمارے لیئے اسے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین

خلیل اشرف عثمانی

فہرستِ مضامین

عرضِ مؤلف

قرآن مجید فرقان جمید حکمت و دانائی اور لازوال صداقتوں سے بھرپور کائنات کی عظیم ترین کتاب ہونے کے باوجود ایک مظلوم تر کتاب بھی ہے۔ وہ کتابِ علم و حکمت جو تمام ادوار میں مسلمانوں کو زندگی کے حقائق سمجھانے کے لئے نازل کی گئی تھی۔ اس کو ہم نے ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر طاقوں کی زینت بنادیا اور اغیار سے نظریات کی بھیک مانگنے لگے۔

قرآن مجید کے افکار و نظریات اور اس کی تعلیمات سے مغربی دنیا کے نہ صرف اسکالرز، مصنفین و محققین نے رہنمائی حاصل کی بلکہ مغربی دنیا کے فرماں رواؤں اور شہنشاہوں نے بھی اس کا گہرا مطالعہ کیا۔ اس کی تعلیمات سے رہنمائی حاصل کی۔ کیوں کہ قرآن مجید کی تعلیمات جامع، مکمل، منظم اور اتنی فطری ہیں کہ وہ اس کو باوجود غیر مسلم ہونے کے نظر انداز نہ کر سکے۔

قرآن مجید آج بھی روئے زمین پر سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مغربی دنیا کے حکمران، کلیسا سے متعلق افراد، محققین و مصنفین قرآن مجید عربی زبان و ادب اور اسلامی ثقافت کا اتنا عمیق اور گہرا مطالعہ کرنے اور اس کی تعلیمات کو اپنانے کے بعد بھی غیر مسلم ہو کر ہی کیوں مرے۔ تو اس کا سیدھا سادھا جواب تو یہ ہے کہ!

مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ O

دراصل ہدایت اللہ تبارک و تعالیٰ کے بیش بہا خزانوں میں سے ایک اہم اور سب سے قیمتی خزانہ ہے اور ہدایت کی دولت اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!......

اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ
مَنْ یَّشَاءُ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ O قصص ۲۸/آیت ۵۶

اِن مستشرقین حضرات نے قرآن مجید، عربی زبان و ادب، اسلامی تہذیب و تمدن، اسلامی ثقافت اور اسلامی سائنسز کا مطالعہ کیا اور اس کی حقانیت کو تسلیم بھی کیا۔

والفضل ماشھدت بہ الا عداء

جن مستشرقین نے اپنی کتابوں، مقالات، مضامین اور لیکچرز میں قرآن مجید کی حقانیت، برتری اور کتابِ الٰہی ہونے اور سائنس کے شعبے میں مسلمانوں کی ایجادات اور ان کے برتر ہونے اور اسلامی ثقافت اور اسلامی تہذیب و تمدن کا تذکرہ کیا ہے۔ ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں۔

پروفیسر ڈینس سورا، پادری زویمر، ڈاکٹر کنیتھ ل اسمتھ، جوبرڈی،

الیاک، اوجودی ساتناڈی کوئل، ایڈیلارڈ، پطرس، یوحنا، رابرٹ، ہرمان، ڈنیل مورلے، میکائیل اسکاٹ، لیونارڈ، تھامس، ڈی اکوین، راجر بیکن، ریمنڈلیو، جی پوسٹل، بی ویٹیر، ٹی۔ڈی بربیلو، انطونھا گالان، پادری ریناورڈو، پادری بار تیلمی، جی فلوگل، ہملٹن، ایڈورڈ دریہاسنک، مسٹر ہیوز، تھامس کارلائل، ولیم ہوک مارلے، ایڈورڈ مہلر، ایل اسمٹ، پادری ڈروم، پادری فاکاری، لازینون، بلاشیر، نالینو، نولڈیکے، بروکلمان، پروفیسر سخاؤ، تھامس آرنلڈ، مسٹر جیکس، منٹگمری واٹ، پروفیسر گویام، لی اسٹونچ، مسٹر لیمپ، مسٹر انڈوسن، پروفیسر ایس ڈی مارگولیتھ، ڈینی راس، مسٹر اولیری، مسٹر اوکارٹ، مسٹر براؤن، سر ہملٹن گب، لنڈاؤ، مسٹر لوئیس، پادری الیانو، پادری مارٹن، پادری ایوجی، پادری ٹژی کوپر، پادری ریلو، پادری بلن، پادری کوش، پادری جولیان، پادری بروبر، پادری میکارتھی، پادری بولو موائے، پادری زیموفین، پادری ڈیورنڈ، پادری مالون، پادری لامنس، پادری کولنجیٹ، پادری لاپیرے، پادری مونٹوڈے، پادری ہنری چارلس، پادری فلپس، ای ڈرمنگھم، جارج برناڈشا، اے گیلیوم، ایس۔پی اسکاٹ، لین پول، لامارتین، جی۔ڈبلیو لائٹز، آرنلڈ ٹوائن بی، ولیم میکنیل، ڈبلیو ڈبلیو کیش، جوزف شاخت، ایم۔ڈی رائٹ، ایچ جی ویلز، ایف ایم والٹیر، آر لینڈاؤ، ای بلائیڈن، برٹرینڈ رسل، فان گرونے بام، ای شاساؤ، آر ینامیڈمکس، ایل وی واگلیری، شواک، گستاؤلی بان، جان ییگٹ، میخائیل ایچ ہارٹ، کاؤنٹ ٹالسٹائے، آر۔وی۔سی باڈلے، گونسٹن ویرژیل گیورگیو، ریڈورڈ جی براؤن، ایڈورڈ مونٹٹ، مسز اینی بیسنٹ، اے جے آربری، نپولین

بوناپارٹ، ڈاکٹر ڈیرکس، الفونس الامارتین، لیوورش، موسیو گاسٹن کار، گاڑ فری ہیگنس، جین ملیا، جے ڈبلیو گراف، پروفیسر قیروان، میجر آرتھر گلائن لیونارڈ، پروفیسر جان اوکانر، بیختر بوتھ، گوئٹے، پادری کینتھ ایچ کارڈنل، ڈین اسٹینلے، چارلس مورسن، مسٹر ہولڈرسن، ڈاکٹر کلارک، موسیو لیون راس، ایس ٹی اسکاٹ، جوالیم ڈی بولف، سی ایف اینڈ ریوز، ای بلائیڈن، پروفیسر ایڈوائر مونتے، جارج سیل، مسٹر ڈریپر، آرلینڈاؤ، پادری والٹرمسین ڈی ڈی، پروفیسر جان فرینک، کیپٹن رابرٹ گارڈن، فن لے، میرے کروبائنس این، ایل کوسٹین، ڈاکٹر ایس اسپرنگر، ایڈورڈ ولیم لین، اے جے ونسنک، جی ٹی اسٹرنج، اے آر نکلس، ڈبلیو سی اسمتھ وغیرہ وغیرہ اگرچہ قرآن مجید اور اسلامی تہذیب و تمدن مستشرقین کی گواہی کے محتاج نہیں ہیں مگر بعض مستشرقین اور مغربی مفکرین و محققین نے قرآنی علوم، عربی زبان و ادب، اسلامی تہذیب و تمدن اور اسلامی سائنسز کے مطالعہ میں اپنی استعداد کا بھرپور استعمال کیا۔ مگر بعض مستشرقین و مؤرخین نے قرآن و اسلامی علوم کا مطالعہ اسلامی تہذیب و تمدن اور ثقافتِ اسلامیہ کو کمزور کرنے کی غرض سے کیا۔ مگر اب مغربی دنیا اپنے اِن مؤرخین کی گمراہ کُن تحریرات پر کان نہیں دھرتی۔ اس کا اندازہ مجھے خود بعض یورپی ممالک میں مختلف سیمیناروں، مذاکروں اور کانفرنسوں میں شرکت اور اپنے قیام امریکہ کے دوران ہوا۔

میں نے مغربی دنیا کے مختلف مقامات پر یونیورسٹی کے طالب علموں، محققین اور ریسرچ اسکالرز حضرات کو قرآن مجید کے تراجم، معانی و مفاہیم اور تفسیرات اور اسلامی علوم و فنون میں دلچسپی لیتے ہوئے دیکھا

ہے۔ وہ قرآن مجید کے پیغام کو جاننا اور سمجھنا چاہتے ہیں۔ بالفاظ دیگر قرآن مجید آج بھی مغربی دنیا پر اپنے اثرات مرتب کر رہا ہے۔

یہ بات ہمیں دعوتِ فکر دیتی ہے کہ ہم بحیثیت مسلمان قرآن مجید، اس کے فلسفہ اور پیغام کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں یہی موجودہ پستی سے نکلنے کا واحد ذریعہ ہے۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

اس کتاب کی تیاری میں جناب محترم محمد کریم صاحب کے مقالہ سے خصوصی طور پر استفادہ کیا گیا۔ برادرم جناب ڈاکٹر حافظ محمد ثانی صاحب نے قدم قدم پر رہنمائی کی اور مفید مشورے دیے، جناب علامہ سعید احمد یوسف زئی نے نہایت محنت اور عرق ریزی سے پروف ریڈنگ اور تصحیح کا کام سرانجام دیا۔ میری اہلیہ میرے لکھنے پڑھنے کے دوران خصوصیت سے پُرسکون ماحول فراہم کرتی ہیں اور میرے حصہ کی گھریلو ذمہ داریوں کو بھی اپنے کاندھوں پر اٹھاتی ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان تمام کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین!)

(ڈاکٹر) حافظ حقانی میاں قادری
نیویارک، امریکہ

ڈاکٹر حافظ محمد ثانی
فاضل علوم اسلامی
ایم اے، ایل ایل ایم، ایم فل، پی ایچ ڈی

مقدمہ

علامہ جلال الدین سیوطی ابو بکر ابن العربی کی کتاب ''قانون التاویل'' کے حوالہ سے لکھتے ہیں!

''قرآن حکیم ستتر ہزار چار سو پچاس (۷۷۴۵۰) علوم پر مشتمل ہے، یہ عدد قرآنی کلمات کو چار سے ضرب دینے سے حاصل ہوتا ہے، اس لئے کہ قرآن کریم کے ہر کلمہ کی چار حالتیں ہیں۔ ایک اس کا ظاہر و باطن ہے اور ایک حدّ و مطلع، یہ اس حالت میں ہے کہ جب کلماتِ قرآن کو انفرادی اعتبار سے بدونِ ترکیب دیکھا جائے۔ اگر کتاب کے باہمی اختلاط و ترکیب پر نگاہ ڈالی جائے تو ان کی تعداد حدّ و حساب سے باہر ہو جاتی ہے۔'' (السیوطی ، الاتقان فی علوم القرآن ۱۳۸/۲، مصطفی البابی الحلبی القاھرہ، ۱۳۲۹ھ)

مندرجہ بالا بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ سیوطی لکھتے ہیں!......

> ''میں کہتا ہوں کہ کتاب خداوندی ہر چیز کی جامع ہے، کوئی علم اور مسئلہ ایسا نہیں جس کی اصل واساس قرآن عزیز میں موجود نہ ہو، قرآن میں عجائب المخلوقات، آسمان وزمین کی سلطنت اور عالم علوی وسفلی سے متعلق ہر شے کی تفصیلات موجود ہیں جن کی شرح وتفصیل کے لئے کئی جلدیں درکار ہیں۔(ایضاً ۲/ ۱۳۹)

دنیا کے تمام مذاہب میں دین اسلام ہی وہ پہلا اور آخری مذہب اور آسمانی صحائف میں قرآن ہی وہ واحد صحیفہ ہے جو انسان کو کائنات اور نظام کائنات میں غور وفکر، عبرت وبصیرت اور تفکر وتدبّر کے حصول کی دعوت دیتا ہے۔ اور اپنے پیش کردہ عقائد و تعلیمات کی حقانیت کے اثبات کے لئے کائنات اور اس کے نظام کو بطور دلیل پیش کرتا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پوری کائنات ایک عظیم حکمت و مصلحت اور کامل منصوبہ کے تحت پیدا کی گئی ہے۔ اور کائنات کے ذرہ ذرہ میں ارباب بصیرت کے لئے خالق کائنات کے وجود، اس کی وحدانیت، قدرت وربوبیت کے ناقابل انکار دلائل وبراہین موجود ہیں، ارشاد ربانی ہے!

> اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ
> وَ الْفُلْكِ الَّتِی تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَ مَآاَنْزَلَ
> اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ
> فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ
> بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ O (البقرہ/ ۱۶۴)

بلاشبہ آسمان و زمین کی تخلیق میں اور رات اور دن کے بدلنے میں، اور ان کشتیوں میں جو لوگوں کی نفع رسانی کے لئے سمندر میں چلتی ہیں، اور اس پانی میں جسے اللہ آسمان سے برساتا ہے، پھر اس پانی کے ذریعہ مُردہ زمین کو زندہ کرتا ہے اور ان تمام جانداروں میں جسے اس نے اس زمین پر پھیلایا ہے، اور ہواؤں کے ادل بدل میں اور اس بادل میں جو زمین و آسمان کے درمیان ٹھہرا ہوا ہے، عقل و دانش والوں کے لئے نشانیاں (دلائل) ہیں۔

اس قسم کی آیات قرآن حکیم میں بکثرت ہیں۔ جن میں اسلوب بدل بدل کر کائنات میں غور و فکر، اور تدبر کی دعوت دی گئی ہے۔

قرآن حکیم کی کل ۶۶۶۶ آیات میں سے ۷۵۶ آیات ایسی ہیں جن میں بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر غور و فکر، بصیرت و تدبّر اور مشاہدے کی ترغیب یا حکم دیا گیا ہے، قرآن کریم (ن۔ظ۔ر) مادّہ سے "انظرو" "ینظرون" "تنظرون" "النّاظرین" کے الفاظ استعمال کرتا ہے، جس کے معنی اہل لغت نے غور و فکر اور بنظر غائر دیکھنا کیا ہے، یہ لفظ قرآن حکیم میں ۱۳۰ مرتبہ آیا ہے اور ۱۶ سے ۲۰ مرتبہ انفس و آفاق کے سیاق و سباق میں آیا ہے جس کے معنی "تقلیب البصروالبصیرة لا دراك الشئی ورؤیته ، و قدیراد به التاَمّل و الفحص، و قدیراد به المعرفة الحاصلة بعد الفحص" کے کئے گئے ہیں۔ (راغب الاصفهانی / المفردات فی غریب القرآن ص ۲۶۸، ۴۳، ص ۳۶۹)

اسی طرح ع۔ق۔ل مادّہ سے بھی تعقلون اور یعقلون کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ۲۳ مرتبہ تعقلون اور ۲۰ سے زائد مرتبہ یعقلون کے

الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ (فوائد عبدالباقی/ معجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم ص ۴۶۸، دار صادر، بیروت)

اس سلسلہ میں قرآن تفکر، تذکر اور تدبر کے الفاظ بھی استعمال کرتا ہے۔ ان الفاظ کا استعمال سورۃ النحل کی آیات ۱۱ تا ۱۳ میں ہوا ہے، آیت ۱۱ میں یتفکرون، آیت ۱۲ میں یعقلون (النحل/ ۶۷)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" میں علوم القرآن کو مندرجہ ذیل پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے!......

(۱) علم احکام
(۲) علم مناظرہ
(۳) علم آلاء اللہ
(۴) علم ایام اللہ
(۵) علم آخرت

یہ ایک اصولی اور فلسفیانہ تقسیم ہے۔ "علم آلاء اللہ" کو موجودہ زبان میں علم کائنات یا علم سائنس سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

قرآن کریم میں آج سے چودہ سو برس قبل انتہائی صراحت کے ساتھ یہ اعلان کیا گیا!......

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۝ حٰم سجدہ ۴۱ آیت ۵۳

"ہم عنقریب آفاق میں اور انفس میں ایسی نشانیاں دکھائیں گے جس سے یہ کھل جائے کہ یہ سراسر حق ہے۔"

قرآن کریم کی اس آیت میں درحقیقت اس انقلاب کی طرف اشارہ ہے جسے عہد حاضر میں "سائنسی انقلاب" کا نام دیا جاتا ہے، جدید سائنسی

تحقیقات کے ذریعہ کائنات کے جو حقائق معلوم ہوئے ہیں وہ قرآن کی پیش کردہ دعوت کو قطعیات کی سطح پر ثابت کر رہے ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک دلچسپ مثال وہ ہے جو ۱۹۸۴ء کے آخر میں مختلف اخبارات میں شائع ہوئی تھی۔ کینیڈا کے اخبار دی سٹی زن (۲۲ نومبر ۱۹۸۴ء) نے اس کی سرخی ان الفاظ میں قائم کی:

Ancient Holy Book 1300 Years Ahead of its Time

(قدیم مقدس کتاب اپنے وقت سے ۱۳۰۰ سال آگے) اسی طرح نئی دہلی کے اخبار ٹائمس آف انڈیا (۱۰ دسمبر ۱۹۸۴ء) میں یہ خبر حسب ذیل سرخی کے ساتھ چھپی:-

Kor`an Scores Over Modern Science

قرآن جدید سائنس پر بازی لے جاتا ہے۔

ڈاکٹر کیتھ مور "جینیات" کے ماہر ہیں اور کینیڈا کی ٹورانٹو یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔ انھوں نے قرآن کی چند آیات (المومنون ۱۴، الزمر ۶) اور جدید تحقیقات کا تقابلی مطالعہ کیا ہے۔ اس سلسلہ میں وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ کئی بار کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی (جدہ) بھی گئے۔ انھوں نے پایا کہ قرآن کا بیان حیرت انگیز طور پر جدید دریافتوں کے عین مطابق ہے۔ یہ دیکھ کر انھیں سخت تعجب ہوا کہ قرآن میں کیوں کر وہ حقیقتیں موجود ہیں جن کو مغربی دنیا نے پہلی بار صرف ۱۹۴۰ء میں معلوم کیا۔ اس سلسلہ میں انھوں نے ایک مقالہ لکھا ہے جس میں وہ مذکورہ واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

The 1300 year old Koran contains passages so accurate about embryonic development that Muslims can reasonably believe them to be revelations from God.

۱۳ سو سالہ قدیم قرآن میں جنینی ارتقاء کے بارہ میں اس قدر درست بیانات موجود ہیں کہ مسلمان معقول طور پر یہ یقین کر سکتے ہیں کہ وہ خدا کی طرف سے اتاری ہوئی آیتیں ہیں۔ (وحید الدین خان/عظمت قرآن ص ۳۴، دار التذکیر، لاہور)

اس سلسلے میں قرآن کے جو بیانات ہیں، ان کو ہم دو قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں، ایک وہ جو ان امور سے متعلق ہیں، جن کے متعلق انسان کو نزول قرآن کے وقت کسی قسم کی معلومات حاصل نہیں تھیں، اور دوسرے وہ جن کے متعلق وہ سطحی اور ظاہری معلومات رکھتا تھا۔

کائنات کی بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کے متعلق دورِ سابق کے لوگ کچھ نہ کچھ جانتے تھے۔ مگر ان کا یہ علم ان دریافتوں کے مقابلے میں بے حد ناقص اور ادھورا تھا، جو بعد کو علمی ترقی کے دور میں انسان کے سامنے آئیں، قرآن کی مشکل یہ تھی کہ وہ کوئی سائنسی کتاب نہیں تھی، اس لئے اگر وہ عالم فطرت کے بارے میں یکایک نئے نئے انکشافات لوگوں کے سامنے رکھنا شروع کر دیتا تو انہیں چیزوں پر بحث چھڑ جاتی اور اس کا اصل مقصد۔ ذہن کی اصلاح۔ پس پشت چلا جاتا، یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ اس نے علمی ترقی سے بہت پہلے کے زمانے میں اس طرح کی چیزوں پر کلام کیا اور ان کے بارے میں ایسے الفاظ استعمال کئے، جس میں دورِ سابق کے لوگوں کے لئے کوئی توحش کا کوئی سامان نہیں تھا، اور اسی کے ساتھ بعد کے انکشافات کا بھی وہ پوری طرح احاطہ کئے ہوئے تھے۔

﴿۱﴾ قرآن میں دو مقامات پر پانی کا ایک خاص قانون بیان کیا گیا ہے، اول سورۂ فرقان میں، دوسرے سورۂ رحمان میں :-

اول الذکر اقتباس حسب ذیل ہے۔

وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ

أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُورًا

(الفرقان ۲۵، آیت ۵۳)

ترجمہ : اور وہی ہے جس نے ملائے دو دریا ایک کا پانی میٹھا خوش گوار ہے اور ایک کا کھاری تلخ، اور دونوں کے درمیان ایک آڑ رکھ دی۔

دوسری جگہ یہ الفاظ ہیں۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ ۝

(الرحمٰن ۱۹ آیت ۲۰)

ترجمہ : اس نے چلائے دو دریا ملتے ہوئے، دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے، جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتے۔

ان آیات میں جس مظہر فطرت کا ذکر ہے، وہ قدیم ترین زمانے سے انسان کو معلوم تھا، وہ یہ کہ دو دریاؤں کے پانی جب باہم مل کر بہتے ہیں تو وہ ایک دوسرے میں شامل نہیں ہو جاتے، مثال کے طور پر چاٹگام (مشرقی پاکستان) سے لے کر ارکان (برما) تک دو دریا مل کر بہتے ہیں اور اس پورے سفر میں دونوں کا پانی بالکل الگ الگ نظر آتا ہے، دونوں کے بیچ میں ایک دھاری سی برابر چلی گئی ہے، ایک طرف کا پانی میٹھا اور دوسری طرف کا کھاری، اسی طرح سمندر کے ساحلی مقامات پر جو دریا بہتے ہیں، ان میں سمندر کے اثر سے برابر مدو جزر (جوار بھاٹا) آتا رہتا ہے، مد کے وقت جب سمندر کا پانی ندی میں آ جاتا ہے تو میٹھے پانی کی سطح پر کھاری پانی بہت زور سے چڑھ جاتا ہے، لیکن اس وقت بھی دونوں پانی مختلط نہیں ہوتے اوپر کھاری رہتا ہے، نیچے میٹھا، اس کے بعد جب جزر ہوتا ہے تو اوپر سے کھاری پانی اتر جاتا ہے، اور میٹھا جوں کا توں رہتا ہے، الہ آباد میں گنگا اور جمنا کے سنگم کے مقام پر دونوں دریا ملنے کے باوجود الگ الگ بہتے ہوئے نظر آتے ہیں اور درمیان میں ایک لکیر مسلسل چلی گئی ہے

یہ بات قدیم ترین زمانے سے انسان کے مشاہدے میں آچکی ہے مگر یہ واقعہ کس قانون فطرت کے تحت واقع ہوتا ہے، یہ ابھی حال میں دریافت کیا گیا ہے، جدید تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ رقیق اشیامیں سطحی تناؤ (Sur-face Tension) کا ایک خاص قانون ہے، اور یہی دونوں قسم کے پانی کو الگ الگ رکھتا ہے۔ چونکہ دونوں سیالوں کا تناؤ (Tension) مختلف ہوتا ہے، اس لئے وہ دونوں کو اپنی اپنی حد میں روکے رہتا ہے، آج کل اس قانون کو سمجھ کر جدید دنیا نے بے شمار فوائد حاصل کئے ہیں، قرآن نے "بینهما برزخ لا یبغیان" کے الفاظ بول کر اس واقعہ کی ایسی تعبیر کی جو قدیم مشاہدے کے اعتبار سے بھی ٹکرانے والی نہیں تھی، اور اب جدید دریافت پر بھی وہ پوری طرح حاوی ہے، کیونکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ برزخ (آڑ) سے مراد وہ سطح کا تناؤ (Surface Tension) ہے، جو دونوں قسم کے پانی کے درمیان پایا جاتا ہے، اور جو دونوں کو مل جانے سے روکے ہوئے ہے۔

سطحی تناؤ کے قانون کو ایک سادہ سی مثال سے سمجھئے، اگر آپ گلاس میں پانی بھریں تو وہ کنارے تک پہنچ کر فوراً بہنے نہیں لگے گا، بلکہ ایک سوت کے بقدر اٹھ کر گلاس کے کناروں کے اوپر گولائی میں ٹھہر جائے گا، یہی وہ چیز ہے جس کو شاعر نے "خط پیانہ" کہا ہے ~

انداز ہ ساقی تھا کس درجہ حکیمانہ
ساغر سے اٹھیں موجیں بن کر خط پیانہ

گلاس کے کناروں کے اوپر پانی کی جو مقدار ہوتی ہے، وہ کیسے ٹھہرتی ہے، بات یہ ہے کہ رقیق اشیا کی سطح کے سالمات (Molecules) کے بعد چونکہ کوئی چیز نہیں ہوتی، اسلئے ان کا رخ اندر کی طرف ہو جاتا ہے، اس طرح کے سالمات کے درمیان کشش اتصال بڑھ جاتی ہے، اور قانون اتصال (Co-hesion) کے عمل کی وجہ سے پانی کی سطح کے اوپر ایک قسم کی جھلی ابھر آتی

(Elastic Film) سی بن جاتی ہے، اور پانی گویا اس کے غلاف میں اس طرح ملفوف ہو جاتا ہے، جیسے پلاسٹک کی سفید جھلی میں پسا ہوا نمک ملفوف ہوتا ہے۔ سطح کا یہی پردہ اوپر ابھرے ہوئے پانی کو روکتا ہے، یہ پردہ اس حد تک قوی ہوتا ہے کہ اگر اس کے اوپر سوئی ڈال دی جائے تو وہ ڈوبے گی نہیں بلکہ پانی کی سطح پر تیرتی رہے گی، اسی کو سطحی تناؤ کہا جاتا ہے، اور یہی وہ سبب ہے جس کی بنا پر تیل اور پانی ایک دوسرے میں حل نہیں ہوتے اور یہی وہ "آڑ" ہے جس کی وجہ سے کھاری پانی اور میٹھے پانی کے دو دریا مل کر بہتے ہیں۔ مگر ایک کا پانی دوسرے میں شامل نہیں ہوتا۔ (وحید الدین خان / علم جدید کا چیلنج ص ۱۶۹، ص ۷۰، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ ۱۹۷۰ء)

فرانسیسی سائنس دان جیک وی کوسٹو (Cousteau) نے جو سمندر کے اندر پانی میں تحقیقات کے لئے مشہور ہے، یہ دریافت کیا کہ بحیرۂ روم (Mediterranean) اور بحیرہ اوقیانوس (Atlantic) کیمیاوی اور حیاتیاتی لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں، موصوف نے اس حقیقت کو بیان کرنے کے لئے آبنائے جبل الطارق کے نزدیک زیر سمندر تحقیقات کر کے یہ بتایا کہ جبل الطارق کے جنوبی ساحلوں (مراکش) اور شمالی ساحلوں (اسپین) پر بالکل غیر متوقع طور پر میٹھے تازہ پانی کے چشمے اُبلتے ہیں، یہ سمندری پانیوں میں ہوتے ہیں، یہ بہت بڑے چشمے ایک دوسرے کی طرف 45 ڈگری کے زاویہ پر تیزی سے بڑھتے ہوئے ایک ڈیم کی طرح کنگھی کے دندانوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اس عمل کی وجہ سے بحیرۂ روم اور بحیرۂ اوقیانوس اندر سے ایک دوسرے میں خلط ملط نہیں ہوتے۔

درحقیقت اس تشخیص کے بعد جب کوسٹو کو یہ آیات دکھائی گئیں تو بے حد حیران ہوا اور قرآن کی عظمت کی تعریف کرتے ہوئے مسلمان ہو گیا۔

(ڈاکٹر ہلوک نور باقی ر قرآنی آیات اور سائنسی حقائق، ص ۵۳، مترجم محمد فیروز شاہ گیلانی، انڈس پبلشنگ کارپوریشن ۱۹۹۶ء)

﴿۲﴾ ارشاد ہوا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا (رعد ۲)

اللہ وہ ہے جس نے آسمان کو بلند کیا، بغیر ایسے ستونوں کے جنہیں تم دیکھ سکو۔

دور قدیم کے انسان کے لئے یہ الفاظ اس کے ظاہری مشاہدے کے عین مطابق تھے، کیونکہ وہ دیکھتا تھا کہ اس کے سر کے اوپر سورج، چاند اور ستاروں کی ایک دنیا کھڑی ہے، مگر کہیں اس کا پایہ اور کھمبا نظر نہیں آتا اور اب جدید ترین معلومات رکھنے والے انسان کے لئے بھی اس میں مکمل معنویت موجود ہے، کیونکہ جدید ترین مشاہدہ بتاتا ہے کہ اجرام سماوی ایک لامحدود خلا میں بغیر کسی سہارے کے قائم ہیں، اور ایک ''عمد غیر مرئی'' یعنی کشش ثقل (Gravitational Pull) ان کو بالائی فضا میں سنبھالے ہوئے ہے۔

﴿۳﴾ اسی طرح سورج اور تمام ستاروں کے بارے میں کہا گیا ہے۔

كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ (الانبیاء۔ ۳۳)

ترجمہ: سب کے سب ایک آسمان میں تیر رہے ہیں۔

دور قدیم میں بھی انسان اجرام سماوی کو حرکت کرتا ہوا دیکھتا تھا۔ اس لئے ان الفاظ سے اس کو توحش نہیں ہوا، مگر جدید معلومات نے ان الفاظ کو اور زیادہ بامعنی بنادیا ہے، بسیط اور لطیف خلا میں اجرام سماوی کی گردش کے لئے ''تیرنے'' سے بہتر کوئی تعبیر نہیں ہو سکتی۔

﴿۴﴾ رات اور دن کے متعلق قرآن میں ہے۔

یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا (الاعراف۔ ۵۴)

ترجمہ: اللہ اوڑھاتا ہے رات پر دن کہ وہ اس کے پیچھے لگا آتا ہے

دوڑتا ہوا۔

یہ الفاظ قدیم انسان کے لئے صرف رات دن کی ظاہری آمد و شد کو مانتے تھے، مگر اس میں نہایت عمدہ اشارہ زمین کی محوری گردش کی طرف بھی موجود ہے، جو جدید مشاہدے کے مطابق رات اور دن کی تبدیلی کی اصل وجہ ہے، یہاں میں یاد دلاؤں گا کہ روس کے پہلے خلائی مسافر نے خلاء سے واپسی کے بعد اپنے جو مشاہدات بیان کئے تھے، اس میں ایک یہ بھی تھا کہ زمین کو اس نے اس شکل میں دیکھا کہ سورج کے سامنے محوری گردش کی وجہ سے اس کے اوپر اندھیرے اور اجالے کی آمد و رفت کا ایک تیز تسلسل Rapid Succes-sion جاری تھا۔

اس طرح کے بیانات قرآن کریم میں کثرت سے موجود ہیں۔

دوسری مثالیں وہ ہیں، جن کے متعلق پچھلے زمانے کے لوگ قطعاً کوئی معلومات نہیں رکھتے تھے، قرآن نے ان کا ذکر کیا اور ایسی باتیں کہیں جو حیرت انگیز طور پر جدید انکشافات سے صحیح ثابت ہوتی ہیں۔ (علم جدید کا چیلنج، ص ۱۷۱)

فرانسیسی مصنف موریس بوکا یے لکھتا ہے!

☆...... قرآن ہمیں جہاں جدید سائنس کو ترقی دینے کی دعوت دیتا ہے وہاں خود اس میں قدرتی حوادث سے متعلق بہت سے مشاہدات و شواہد ملتے ہیں اور اس میں ایسی تشریحی تفصیلات موجود ہیں جو جدید سائنسی مواد سے کلی طور پر مطابقت رکھتی ہیں، یہودی، عیسائی، تنزیل میں ایسی کوئی بات نہیں۔ (موریس بوکا یے، بائبل قرآن اور سائنس ص ۱۸۷، ترجمہ ثناء الحق صدیقی، ادارۃ القرآن کراچی ۱۹۹۳ء)

☆...... قرآن کے تمام بیانات کا مقابلہ آج کے تسلیم شدہ تصورات سے کیا

جانا چاہئے۔ ان کے درمیان تطابق نہایت واضح ہے لیکن یہ نہایت اہم بات ہے کہ اس موضوع پر تمام عقائد سے جو نزول قرآن کے وقت رائج تھے ان کا مقابلہ اس غرض سے کیا جائے کہ اس زمانہ میں لوگ ان مسائل سے متعلق اس طرح کے نظریات سے کتنی دور تھے۔ جس طرح کے نظریات یہاں قرآن میں بتائے گئے ہیں۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ وہ وحی کی تشریح اس طرح کرنے سے قاصر تھے جو آج ہم کر سکتے ہیں، کیونکہ ہمیں ان چیزوں سے مدد ملتی ہے جو جدید معلومات ہمارے لئے فراہم کرتی ہیں۔ در حقیقت انیسویں صدی کے بعد ہی یہ ہوا کہ لوگوں کو اس مسئلہ کا کسی قدر یا تو محکم تصور حاصل ہوا۔ (ایضاً ص ۳۳۳)

اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبال......

(The Reconstruction of Religious Thought in Islam, Lahore, P.18)

لکھتے ہیں!

But the point to note is the general empirical attitude of the Quran which engendered in its followers a feeling of reverence for the actual, and ultimately made them the founder of Modern Science. It was a great point to awaken the empirical spirit in an age which renounced the visible as of no value in men`s search after God.

یہاں توجہ طلب امر قرآن کریم کی وہ اختیاری (مظاہر عالم کے مطالعہ اور مشاہدہ کی روش) روش ہے، جس سے مسلمانوں کے اندر عالم واقعیت کا احترام پیدا ہوا اور جس کی بدولت آگے چل کر انہوں نے جدید

سائنس کی بنیاد ڈالی۔ پھر یہ امر (بھی توجہ طلب ہے کہ) کہ اختیار اور مشاہدے کی اس روح کو اس زمانے میں بیدار کیا جب ذات الٰہیہ کی جستجو میں مرئی کو بے حقیقت سمجھتے ہوئے سرے سے نظر انداز کر دیا گیا تھا، ایسا کرنا (موجودات میں غور و فکر) کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔"

(نیز دیکھئے! مجلہ تحقیق ۱۹۹۵ء - ۹۶ء، کلیہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور)

لہٰذا یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ تاریخی اعتبار سے قرآن کریم ایک نئے فکری دور کا داعی اور علمبردار تھا جس نے اپنے متبعین کو نئے نظریات سے آگاہ کر کے فکری دنیا میں عظیم سائنسی اور فکری انقلاب برپا کیا اور جدید علوم نیز جدید صنعتوں کی جانب توجہ مبذول کرا کے ایک نئے تمدن کی بنیاد رکھی۔

چنانچہ اس حوالہ سے قرآن کریم کی حسب ذیل اہم ترین آیت کریمہ پر غور فرمایئے تو آپ پر یہ حقیقت منکشف ہوتی نظر آئے گی کہ قرآن حکیم نے کس قدر روشن فکری اور فراخ دلی کے ساتھ نئے نئے علوم اور صنعتوں کی جانب توجہ مبذول کرائی ہے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ
وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ
النَّاسَ وَمَا أَنزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِن مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ
الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ
الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ (بقرہ آیت ۱۶۴)

ترجمہ: زمین اور آسمانوں کی تخلیق میں، دن رات کے ہیر پھیر میں، اور اُن کشتیوں میں جو سمندر میں لوگوں کے لئے نفع

بخش سامان لے کر چلتی ہیں، اُس پانی میں جس کو اللہ نے بلندی سے اُتارا اور اُس کے ذریعہ زمین کو زندگی بخشی جب کہ وہ مُردہ تھی پھر اس میں ہر قسم کے جاندار پھیلا دئے، اور ہواؤں کے اَدل بَدل میں، اور اُس بادل میں جو زمین اور آسمان کے درمیان مسخر رہتا ہے (غرض ان تمام مظاہر میں) عقل مندوں کے لئے یقیناً (بہت سی) نشانیاں موجود ہیں۔

شیخ طنطاوی جوہری نے لکھا ہے۔ (القرآن والعلوم العصریۃ، ص ۲۵، ۲۶ مطبوعہ مصر ۱۳۷۷ھ) اس موقع پر بہت سے تمدنی فوائد کا بھی اثبات ہو رہا ہے۔ مثلاً اس موقع پر اہلِ دانش کی سند اُن لوگوں کو عطا کی جارہی ہے جو اجرام سماوی کی تخلیق میں غور کرتے ہیں، دن رات کے ہیر پھیر اور اُن کے اسرار و عجائب معلوم کرتے ہیں، سمندری کشتیوں، جہازوں اور سامانِ تجارت کے فوائد پر نظر ڈالتے ہیں، بارش کے اسرار، نباتات کے مظاہر، چوپاؤں کی خلقت اور اُن کی سرشت کا مطالعہ کرتے ہیں، ہواؤں کے ضوابط کا علم حاصل کرتے ہیں، بارش اور بادلوں کے اسرار معلوم کرتے ہیں۔ غرض ان تمام چیزوں کی حقیقت و ماہیت اور ان کے اسرار و فوائد کے جاننے اور اُن میں غور و فکر کرنے والوں کو اس موقع پر "صاحبِ عقل" یا "اہلِ دانش"، قرار دیا گیا ہے۔ اس آیتِ کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ فلکیات، بارش، ہوا، بادل، ندی نہریں، معدنیات اور دیگر تمام طبعی و صنعتی علوم کی تحصیل ضروری ہے۔ غور فرمایئے تو پتہ چلے گا کہ یہاں پر جن کشتیوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ لوہا، کوئلہ اور کلی کے محتاج ہیں۔ (اور یہ بات موجودہ دور کے نئے جہازوں پر زیادہ صادق آتی ہے اور جہاز سازی کے لئے ان تمام متعلقہ چیزوں کا علم اور ان کی

جانکاری حاصل کرنا بھی ضروری ہے)۔ غرض اس آیتِ کریمہ میں تمام اہم علوم کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔ (مولانا محمد شہاب الدین ندوی، قرآن، سائنس اور مسلمان ص ۲۴، مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۸۸ء)

یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اسلام دور سے پہلے سائنس کا کوئی باقاعدہ وجود نہیں تھا اور علمی سائنس (پریکٹیکل سائنس) تو گویا سرے سے تھی ہی نہیں۔ بلکہ "سائنس" جو کچھ بھی تھی وہ محض یونانی فلسفے کے ماتحت چند نظری چیزوں کا مجموعہ تھی جن کا درجہ ظن و تخمین سے زیادہ نہیں تھا۔ یونانی فلاسفہ حکمت و دانش کی باتیں تو بڑی اچھی اچھی کہتے تھے مگر اپنے نظریات و مفروضات کی صحت و صداقت کو ثابت کرنے کے لئے انہیں کسی تجربے یا مشاہدے کی ضرورت کبھی محسوس نہ ہوئی۔ بلکہ اس کے برعکس وہ مشاہدے یا تجربے کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔

اس کے برعکس قرآن مجید نہ صرف تجربے و مشاہدے پر ابھارتا ہے بلکہ دنیا کی ہر چیز اور ہر مظہر فطرت کا نزدیکی اور باریک بینی کے ساتھ جائزہ لینے کی تاکید کرتا ہے، جیسا کہ اُس کی بے شمار آیات سے ظاہر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر یہاں چند آیات کا مفہوم پیش کیا جاتا ہے جن سے اس موضوع کی اہمیت کا پتہ چل سکتا ہے۔

﴿۱﴾ وہ نوعِ انسانی سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ زمین اور اجرامِ سماوی کی ہر چیز کا غور سے مشاہدہ کرے۔ (یونس آیت ۱۰۱)

﴿۲﴾ وہ آسمانی بُرجوں کا مشاہدہ کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ (حجر آیت ۱۶)

﴿۳﴾ وہ درختوں اور پودوں میں پھلوں کے لگنے اور اُن کے پکنے کے مناظر پر غور کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ (انعام آیت ۹۹)

﴿۴﴾ وہ اونٹوں کی عجیب و غریب خلقت، آسمان کی اونچائی، پہاڑوں کا

مضبوطی کے ساتھ نصب کیا جانا اور زمین کے پھیلاؤ کا مطالعہ کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ (غاشیہ آیت ۱۷۔۲۰)

﴿۵﴾ نیزوہ پُرزور انداز میں کہتا ہے کہ زمین و آسمانوں کی تخلیق، دن رات کے ہیر پھیر، سمندر میں چلنے والی کشتیاں، آسمان سے برسنے والی بارش، زمین سے اُگنے والے نباتات، دھرتی پر پھیلے ہوئے حیوانات، ہواؤں اور بادلوں کی تسخیر، غرض ان تمام مظاہر کے قواعد و ضوابط میں اہلِ دانش کے لئے اسباق رکھ دیئے گئے ہیں۔ (بقرہ آیت ۱۶۴)

اور ان اشیاء میں موجود طبیعی قواعد و ضوابط معلوم کرنے ہی کا نام سائنس ہے۔ جو قرآنی دعوتِ فکر کا نتیجہ ہے۔ (ایضاً حوالہ سابقہ ص ۲۶)

قرآن حکیم دنیا کا پہلا صحیفہ ہے جو غلط نظریات و مفروضات اور تقلید پرستی کی سخت مذمت کرتے ہوئے نظامِ کائنات سے استدلال کرتا ہے۔ اور زمین، آسمان، چاند، سورج، ستارے، ابر، ہوا، پہاڑ اور مختلف حیوانات و نباتات وغیرہ تمام مظاہر فطرت کا بغور مطالعہ و مشاہدہ کرنے کی پُرزور انداز میں اور مختلف طریقوں سے تاکید کرتا ہے۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ

اور ہم نے آسمان میں بہت سے بُروج (کہکشائیں) بنا دی ہیں اور بغور دیکھنے والوں کے لئے انہیں مزید کر دیا ہے۔ (سورۂ حجر آیت ۱۶)

أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۝ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۝ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۝ (سورۂ غاشیہ آیت ۱۷۔۲۰)

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اُونٹوں کی تخلیق کس طرح کی گئی ہے؟

اور آسمان کیسے اُونچا اُٹھایا گیا ہے؟ اور پہاڑ کس طرح (مضبوطی سے) نصب کئے گئے ہیں؟ اور زمین کس طرح (اس کی پوری گولائی میں) بچھائی گئی ہے؟

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

(سورۂ یونس آیت ۱۰۱)

کہہ دو کہ تم غور سے دیکھو کہ زمین اور اجرام سماوی میں کیا کیا چیزیں موجود ہیں۔

قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ

کہہ دو کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو تو سہی کہ تخلیق کی ابتداء کس طرح ہوئی ہے؟ (عنکبوت آیت ۲۰)

اُنْظُرُوْٓا اِلٰی ثَمَرِہٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَیَنْعِہٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (سورۂ انعام آیت ۹۹)

ان تمام آیات میں سب سے زیادہ قابلِ غور اور مرکزی لفظ "نظر" ہے، جس کے مشتقات "انظروا" "النّاظرین" اور "افلا ینظرون" ہیں۔ ماہرینِ لغت اور ائمۂ تفسیر کی صراحت کے مطابق عربی زبان میں نظر کے معنی غور و فکر کرنے اور "نظرِ غائر" ڈالنے کے ہیں۔ (دیکھئے القاموس المحیط، لسان العرب اور مفردات القرآن وغیرہ)۔ اس لحاظ سے اوپر مذکور آیات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوگا کہ "نظر" کا دائرہ عالم جمادات عالم، نباتات، عالم حیوانات اور عالم افلاک تک تمام مرئی و محسوس چیزوں اور کُل موجوداتِ عالم پر محیط ہے۔

یہ قرآنِ حکیم کی ایک زبردست خصوصیت ہے کہ وہ سلبی و ایجابی دونوں حیثیتوں سے نوعِ انسانی کو موجوداتِ عالم کے مطالعے و مشاہدے اور

ان کے تفصیلی جائزے پر اُبھارتا ہے۔ اور ان مظاہر کی ساخت وپرداخت اور ان کے نظاموں کا منظم مطالعہ کرنے نیز ان اشیاء و حوادث کے علل و اسباب کا پتہ لگا کر ایک مسبب الاسباب ہستی تک پہنچنے کی دعوت دیتا ہے۔ اور اس اعتبار سے "یک پنت دو کاج" کے مطابق ان آیات سے بیک وقت دو مقاصد کی تکمیل مطلوب ہے۔

﴿۱﴾ اسلام کے بنیادی مقاصد اور اس کے اساسی معتقدات یعنی توحید، رسالت اور یوم آخرت کا اثبات اور ان کی صداقت و حقانیت کے لئے نظام کائنات سے دلائل پیش کرنا اور منکرینِ حق پر اتمامِ حجت کرنا۔ جیسا کہ ایک دوسرے موقع پر اس کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے!

وَفِي الْأَرْضِ آيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۝ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (ایضاً آیت ۳۶۔۳۷)

اور روئے زمین میں یقین کرنے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔ اور خود تمہاری اپنی ہستیوں میں بھی، کیا تم کو نظر نہیں آتا؟

﴿۲﴾ اہلِ اسلام کو خصوصیت کے ساتھ تسخیر موجودات کی طرف راغب کرنا۔ یعنی موجوداتِ عالم میں جو طبیعی اور حیاتیاتی فوائد، قوانینِ فطرت کے روپ میں، موجود ہیں ان سے استفادہ کر کے انسانی زندگی کو بہتر بنانے اور دینِ برحق کے غلبے کے لئے فوجی و عسکری حیثیت سے قوت و شوکت حاصل کرنے کی ترغیب دلانا، تاکہ اس کے ذریعہ سے خلافتِ ارض کے دیگر مقاصد پورے ہوں اور اقوامِ عالم کی اصلاح کا فریضہ بھی انجام پائے۔

جبکہ یہ بھی ایک تاریخی اور ناقابل تردید حقیقت ہے کہ مذاہب عالم

(الہامی وغیر الہامی) میں یہ امتیاز اور انفرادیت صرف اور صرف قرآن مبین کو حاصل ہے کہ وہ کائنات میں غور و فکر کی دعوت کے ساتھ ساتھ تسخیر کائنات اور سائنس و تہذیب و تمدن کے انقلاب کی طرف بھی اشارۃً وصراحتاً دعوت فکر دیتا ہے۔ اور یہ قرآن کریم کی وہ امتیازی خصوصیت ہے جس میں دنیا کے مذاہب کی کوئی کتاب اس میں شریک و سہیم نہیں، چنانچہ "بائبل قرآن اور سائنس" کا مصنف ڈاکٹر موریس بوکائیے سائنس کے حوالہ سے بائبل اور قرآن کا تقابلی مطالعہ کرنے کے بعد اعتراف حقیقت کے طور پر لکھتا ہے!

"قرآن کریم میں مقدس بائبل سے کہیں زیادہ سائنسی دلچسپی کے مضامین زیر بحث آتے ہیں۔ بائبل میں یہ بیانات محدود تعداد میں ہیں، لیکن سائنس سے متباین ہیں۔ اس کے برخلاف قرآن میں بکثرت مضامین سائنسی نوعیت کے ہیں۔ اس لئے دونوں میں کوئی مقابلہ نہیں۔ موخر الذکر (قرآن) میں کوئی بیان بھی ایسا نہیں جو سائنسی نقطۂ نظر سے متصادم ہوتا ہو۔ یہ وہ بنیادی حقیقت ہے جو ہمارے جائزہ لینے سے ابھر کر سامنے آتی ہے۔

(موریس بوکائیے ر بائبل قرآن اور سائنس ص ۲۱،)

موصوف مزید رقم طراز ہے!

"جب میں نے پہلے پہل قرآنی وحی و تنزیل کا جائزہ لیا تو میرا نقطۂ نظر کلّیۃً معروضی تھا۔ پہلے سے کوئی سوچا سمجھا منصوبہ نہ تھا میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ قرآنی متن اور جدید سائنس کی معلومات کے مابین کس درجہ مطابقت ہے، تراجم سے مجھے پتہ چلا کہ قرآن ہر طرح کے حوادث کی طرف اکثر اشارہ کرتا ہے لیکن اس مطالعہ سے مجھے مختصر سی معلومات حاصل ہوئیں

جب میں نے گہری نظر سے عربی زبان میں اس کا مطالعہ کیا اور ایک فہرست تیار کی تو مجھے اس کام کو مکمل کرنے کے بعد اس شہادت کا اقرار کرنا پڑا جو میرے سامنے تھی۔......

قرآن میں ایک بھی بیان ایسا نہیں ملا جس پر جدید سائنس کے نقطۂ نظر سے حرف گیری کی جا سکے۔ اسی معیار کو میں نے عہد نامہ قدیم اور اناجیل کے لئے آزمایا اور ہمیشہ وہی معروضی نقطۂ نظر قائم رکھا۔ اول الذکر میں مجھے پہلی ہی کتاب آفرینش سے آگے نہیں جانا پڑا اور ایسے بیانات مل گئے جو جدید سائنس کے مسلمہ حقائق سے کُلّی طور پر عدم مطابقت رکھتے تھے۔" (ایضاً ص ۲۳)

موریس بوکائیے "عہد نامہ قدیم اور سائنس" کے عنوان کے تحت اس تاریخی اور ابدی حقیقت کو مزید صراحت کے ساتھ اس طرح بیان کرتا ہے!.....

"ان مضامین سے جو عہد نامہ قدیم اور اسی طرح اناجیل میں بیان ہوئے ہیں کوئی بھی ایسا نہیں جو جدید معلومات کی روشنی میں فراہم کردہ واقعات سے مطابقت رکھتا ہے۔"

(ایضاً ص ۵۶)

موصوف کتاب کے اختتامیہ پر اس حقیقت کا اعتراف مزید صراحت کے ساتھ کرتے ہوئے لکھتا ہے!.....

"قرآن کریم ان دونوں مقدس صحیفوں (تورات و انجیل) سے جو اس سے قبل نازل ہوئے تھے بڑھ چڑھ کر اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہے اور اپنے بیانات کے لحاظ سے تضادات و تناقضات سے پاک ہے، جبکہ اناجیل میں انسان کی

کارگزاریوں کی علامت پائی جاتی ہے۔ قرآن کی ان لوگوں کے لئے جو معروضی طور پر اور سائنسی اعتبار سے اس کا جائزہ لیتے ہیں ایک الگ خوبی ہے وہ خوبی جدید سائنسی معلومات سے اس کی کلّی طور پر مطابقت ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر جو بات ہے وہ یہ ہے کہ اس میں ایسے بیانات ہیں جو سائنس سے مربوط ہیں۔ اس صورت میں یہ بات ناقابل تصور ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے زمانہ کا کوئی فرد اس کا مصنف ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جدید سائنسی معلومات ہی نے ہمیں قرآن کریم کی بعض آیات کو سمجھنے کا موقع دیا ہے جس کی توضیح کرنا اس زمانہ میں ممکن نہ تھا۔ بائبل اور قرآن کے ایک ہی مضمون کے کئی بیانات کے موازنہ سے وہ بنیادی اختلافات ظاہر ہوتے ہیں جو اوّل الذکر کے بیانات کے جو جدید معلومات سے ہم آہنگی رکھتے ہیں درمیان دکھائی دیتے ہیں۔

موصوف مزید لکھتے ہیں!

”لہٰذا یہ بات مکمل طور پر صحیح ہے کہ قرآن کو وحی آسمانی کا اظہار سمجھا جائے لیکن ساتھ ہی اس استناد کے سبب جو اس سے فراہم ہوتی ہے نیز ان سائنسی بیانات کی وجہ سے جن کا آج بھی مطالعہ کرنا بنی نوع انسان کے لئے ایک چیلنج ہے اس کو ایک انتہائی خصوصی مقام حاصل ہے۔“

(ایضاً ص ۲۰۲، ص ۲۰۳)

☆...... معروف متعصب مستشرق مارگولیوتھ (D.S. Margoliouth) راڈول J.M.Rodwell کے ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں لکھتا ہے :-

"دنیا کے عظیم مذہبی صحیفوں میں قرآن ایک اہم مقام رکھتا ہے، باوجودیکہ اس قسم کی تاریخ ساز تحریروں میں اس کی عمر سب سے کم ہے۔ مگر انسان پر حیرت انگیز اثر ڈالنے" میں وہ کسی سے پیچھے نہیں ہے۔ اس نے ایک نئی انسانی فکر پیدا کی اور ایک نئے اخلاق کی بنیاد ڈالی۔"

(D.S.Margoliouth/In Introduction to the Koran, By J.M. Rodwell. London. 1918,)

کائنات میں غور و فکر، تذکر و تدبر اور تسخیر کائنات کی قرآنی تعلیمات کی بدولت مسلمانوں میں موجودات عالم میں غور و فکر اور تحقیق و تجربہ کی تحریک پیدا ہوئی، عملی و تجرباتی سائنس کی بنیاد پڑی اور علوم و تمدن جدید کا تاریخی انقلاب برپا ہوا، یہ قرآنی تعلیمات ہی کی اثرانگیزی تھی کہ ریگزار عرب کے بدّو اور شتربان انتہائی مختصر مدّت میں برق رفتاری کے ساتھ پوری مہذب دنیا پر چھا گئے اور رومی، ایرانی، سریانی، ہندی اور یونانی علوم کے جانشین قرار پائے۔ مسلمانوں نے اپنے دورِ حکومت میں حساب، الجبرا، فلکیات، طب، طبیعیات، کیمیا، حیاتیات (خصوصاً علم نباتات)، ارضیات اور جغرافیہ وغیرہ علوم کو بے انتہا ترقی دی اور ان علوم وفنون میں ہزاروں بلکہ لاکھوں کتابیں لکھ کر دنیا بھر کے کتب خانوں کو ان علوم سے بھر دیا۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (۱۵/ ۶۴۶)(۱۹۸۴ء) کے مقالہ نگار نے اعتراف حقیقت کے طور پر لکھا ہے کہ اس وقت مسلمانوں میں ایسے کتب خانے تھے جن کی کتابوں کی تعداد ۱۰۰،۰۰۰ جلدوں سے زیادہ تھی۔

مسلمانوں کی ترقی کا یہ حال تھا کہ قرونِ وسطیٰ میں ان علوم وفنون کی ترقی کے لئے بغداد، دمشق، مصر، صقلیہ (سسلی) اور قرطبہ (اسپین) وغیرہ میں

مسلمانوں نے عظیم الشان کتب خانے اور یونیورسٹیاں قائم کی تھیں، جہاں پر دن رات ان علوم کی تحقیق و تدوین میں سیکڑوں ماہرین مصروف رہا کرتے اور ہر علم و فن پر بحث و مباحثہ کر کے کائنات اور نظام کائنات سے متعلق نئے نئے نظریات وضع کرتے تھے۔ جس طرح کہ آج مغربی اقوام کا حال ہے۔ اُس دور میں مسلمان اس قدر "ترقی یافتہ" سمجھے جاتے تھے کہ یورپین ممالک کے مسیحی لوگ تک مسلمانوں کی یونیورسٹیوں میں حصولِ تعلیم کے لئے دُور دراز کا سفر کر کے قرطبہ اور صقلیہ وغیرہ آیا کرتے اور یہاں سے فارغ ہونے کے بعد اپنے ملک واپس ہو کر ان علوم اور "جدید افکار" سے اپنے اہلِ وطن کو روشناس کراتے تھے۔ کیونکہ اس دور میں جب کہ مسلمان ان علوم کی تحقیق میں مصروف رہ کر جدید سائنس کی بنیاد ڈال رہے تھے، اس وقت پورا یورپ جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور یہ مُسلّم دور کا احسان ہے کہ اُس نے یورپ کو دورِ وحشت سے نکال کر علم سے روشناس کرایا، واقعہ یہ ہے کہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ Renaissance اور موجودہ سائنس کی بنیاد اہلِ اسلام ہی کی تحقیق و تدوین اور اُن کے بلند پایہ افکار ہی پر مبنی ہے، جیسا کہ پروفیسر حتی (Hitti.P.K) نے اپنی قابلِ قدر کتاب "ہسٹری آف دی عربس" History of the Arabs London, 1970) میں اس حقیقت کا کھلے دل کے ساتھ اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ حتی تحریر کرتا ہے:-

Moslem Spain worte one of the brightest chapters in the intellectual history of medieval Europe, Between the middle of the eighth and begining of the thirteenth centuries, as we have noted before. the Arabic- speaking peoples were the main bearers of the torch of culture and civilization throughout the world. Moreover they were the

medium through which ancient science and philosophy were recovered, supplemented and transmitted in such a way as to make possible the renaissance of Western Europe. In all this, Arabic Spain had a large share."

یعنی مسلم اسپین قرونِ وسطیٰ میں یورپ کی ذہنی ارتقاء کی تاریخ مانے میں ایک روشن باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ آٹھویں اور تیرھویں صدی کے درمیان، جیسا کہ ہم اس سے پہلے ملاحظہ کر چکے ہیں، عربی بولنے والے ہی پوری دنیا میں تہذیب اور تمدن کے مشعل بردار رہے ہیں۔ مزید برآں وہی قدیم سائنس اور فلسفے کی بازیافت کا بھی واسطہ ہے۔ پھر ان (علوم) میں اضافہ کر کے انہیں اس طور پر منتقل کیا کہ (انہی کے باعث) مغربی یورپ کی نشاۃ ثانیہ ممکن ہو سکی۔ اس پورے علم میں عربی اسپین کا بہت نمایاں حصہ ہے۔

(قرآن سائنس اور مسلمان ص ۲۳)

☆...... ''اسلام کی انتہائی ترقی کے زمانہ میں جو آٹھویں اور بارہویں صدی عیسوی کے درمیان کا زمانہ ہے یعنی وہ زمانہ جب سائنسی ترقی پر عیسائی دنیا میں پابندیاں عائد تھیں اسلامی جامعات میں مطالعہ اور تحقیقات کا کام بڑی تیزی کے ساتھ جاری تھا۔ یہی وہ جامعات ہیں جہاں اس دور کے قابلِ ذکر ثقافتی سرمائے ملتے ہیں۔ قرطبہ کے مقام پر خلیفہ الحکم ثانی کے کتب خانہ میں چار لاکھ کتابیں تھیں۔ ابنِ رُشد وہاں درس دیتا تھا، اور یونانی، ہندوستانی اور ایرانی علوم سکھائے جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام یورپ سے کھنچ کر طلبہ قرطبہ میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے جایا کرتے تھے۔ بالکل اسی طرح جیسے آج کل لوگ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے لئے ریاستہائے متحدہ کا رخ کرتے ہیں۔ (موریس بوکائے لکھتے ہیں۔!)

''مہذب عربوں کا یہ ہمارے اوپر بڑا احسان ہے کہ ان کی بدولت

قدیم مخطوطات کا ذخیرہ انہیں دستیاب ہوا ہے ان ہی عرب ممالک نے مفتوحہ ممالک کے کلچر کو منتقل کرنے کا کام کیا۔ ریاضی، الجبرا، عربوں کی ایجاد ہے۔ فلکیات، طبعیات، مناظر و مرایا، ارضیات، نباتات، طب (ابن سینا) وغیرہ کے لئے بھی بڑی حد تک عرفی تمدن کے ممنون احسان ہیں۔ سائنس نے پہلے قرون وسطی کی اسلامی جامعات میں بین الاقوامی صورت اختیار کی اسلامی دنیا میں اس وقت مذہب اور سائنس لازم و ملزوم تھے۔ جبکہ یہی عہد وسطی عیسائی دنیا کے لئے جمود اور مطلق تعمیل و تقلید کا دور تھا۔

(بائبل قرآن اور سائنس ص ۱۸۸)

ایک بڑا فرانسیسی Golivet Castelot اپنی کتاب "قانون تاریخ" Lalot de lhistoire میں لکھتا ہے :-

"وفات نبوی ﷺ کے بعد عربوں نے بڑی تیز رفتار ترقی کی اور اشاعت اسلام کے لئے وقت بھی بہت ساز گار تھا، اسی کے ساتھ اسلامی تہذیب نے بھی حیرت انگیز ترقی کی اور فتوحات کے جلو میں وہ ہر جگہ فروغ پانے لگی، اور علوم و فنون اور شعر و ادب میں اس کے اثرات ظاہر ہونے لگے، اور اس طرح عرب چند صدیوں تک اپنے ہاتھوں میں عقل کی مشعل اٹھائے رہے، اور ان تمام علوم کی نمائندگی کی جن کا تعلق فلسفہ، فلکیات، کیمیا، طب اور روحانی علوم سے تھا، اس طرح وہ صرف عرفی معنوں ہی میں فکری رہنما اور موجد و مخترع نہیں تھے، بلکہ اپنی نظمی خدمات کے نتیجہ میں جنہیں انہوں نے بڑی عالی دماغی سے انجام دیا تھا، وہ اس کے جاطور پر مستحق تھے، عرفی تمدن کی عمر کم تھی، مگر اس کے اثرات بہت دور رس تھے، اور ہم اس کے زوال پر افسوس ہی کر سکتے ہیں۔"

"اگرچہ حکمراں جاگیردارانہ ذہن رکھتے تھے، مگر ان کے ذریعے جو کام ہوا وہ ان کی شخصیت سے کہیں بلند تھا، اسی کے نتیجے میں ایک حیرت انگیز تہذیب وجود میں آئی، یورپ عربی تمدن کا احسان مند ہے جب وہ دسویں صدی سے چودہویں صدی تک غالب و حکمراں تھی، یورپ نے اس سے فلسفیانہ اور علمی فکر میں استفادہ کیا، جس نے قرون وسطیٰ میں خاموش اثرات مرتب کئے ہیں وہ عربی تمدن، عربی علوم، اور عربی ادب و فن کے آگے جاہل اور گنوار نظر آتا ہے، وہ اس صحت مند فضا سے مستفید ہوا، جو اس زمانے میں عربی افکار کے ذریعہ قائم تھی۔ ان چاروں صدیوں میں عربی تمدن کے سوا کوئی تمدن نہ تھا، اور علمائے عرب ہی اسکا علم بلند کئے ہوئے تھے۔ نیز دیکھئے۔ (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ر تہذیب و تمدن پر اسلام کے اثرات ص ۱۱۶، مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۸۸ء)

ایک دوسرا مغربی مصنف John W. Campbell بھی اسی قسم کا اعتراف مندرجہ ذیل الفاظ میں کرتا ہے۔

"Islam invented Scinece. Nor greeks, nor Romans started modern Science. Islam has achieved what no other civilization had developed and had been able to do. The Muslim Scholars were the torch bearers of civilization and culture. Their activities in studying Science and Arts exceeded those of any other nation. The Christian world was therefore compelled to seek training from the only source available at the time of illu-

minating their minds, the works of Arabian writers and the Muslim world."

اسلام نے سائنس ایجاد کی۔ اہل یونان یا اہل روم نے جدید سائنس کا آغاز نہیں کیا۔ اسلام نے وہ کچھ حاصل کیا جو کوئی دوسری قوم حاصل نہ کر سکی تھی۔ نہ حاصل کرنے کے لائق تھی۔ مسلمان فضلا تہذیب کے مشعل بردار تھے۔ سائنس اور آرٹس میں ان کی تحقیقی سرگرمیاں دوسری اقوام سے بڑھ کر تھیں۔ لہذا عیسائی مغرب اپنے دماغوں کو روشن کرنے کے لئے روشنی کے اس واحد دستیاب ذریعہ سے استفادہ کرنے پر مجبور تھی جو عرب مصنفین اور مسلم دنیا کے کاموں کی شکل میں موجود تھی۔

A.K.M Ayub Ali/ Contribution of Islam To the Advancement Oknowledge, vol.I, National Hijra Committee Islamabad.

نیز دیکھئے۔ (ڈاکٹر حفیظ الرحمن صدیقی/ مسلم نشاۃ ثانیہ ص ۵۷ مطبوعہ کراچی، ۱۹۸۹ء)

بریفالٹ Robert Briffault اپنی کتاب "The Making of Humanity" میں لکھتا ہے:-

"یورپ کی ترقی کا کوئی ایسا پہلو نہیں جس پر اسلامی تمدن کا احسان اور اس کے نمایاں آثار کی گہری چھاپ نہ ہو۔"

وہ آگے مزید لکھتا ہے! ......

"صرف طبعی علوم ہی (جن میں عربوں کا احسان مسلم ہے) یورپ میں زندگی پیدا کرنے کے ذمہ دار نہیں ہیں، بلکہ اسلامی تمدن نے یورپ کی زندگی پر بہت عظیم الشان اور مختلف النوع اثرات ڈالے ہیں، اور اس کی ابتداء اسی وقت سے ہو جاتی ہے، جب اسلامی

تہذیب و تمدن کی پہلی کرنیں یورپ پر پڑنی شروع ہوئی ہیں۔"

(Robert Briffault/ The Making of Humanity P.202, London 1919,)

اب ہمیں اس امر کا بھی جائزہ لے لینا چاہئے کہ مسلمانوں کے عروج کے اس طویل دور میں یورپ کی جو آج علم اور ترقی کا گہوارہ ہے، کیا کیفیت تھی؟

یورپ اس زمانے میں جہالت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا اور جہالت کا یہ دور چند برسوں کا نہیں بلکہ آٹھ سو برسوں کا تھا۔ جس میں ہر قسم کی علمی و تمدنی ترقی بڑی حد تک رکی ہوئی تھی، یہ زمانہ ۴۸۶ء سے تقریباً ۱۴۹۵ء تک شمار ہوتا ہے۔ (مولانا محمد تقی امینی / لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر ص ۴۱، مکی دار الکتب لاہور ۱۹۹۶ء)

مشہور انگریز مصنف H.G. Wells اس عہد کی تصویر کھینچتے ہوئے لکھتا ہے:-

"سائنس اور سیاست دونوں ان برسرپیکار اور زوال پذیر حکومتوں میں موت کی نیند سوچکے تھے، ایتھنس Athens کے متاخرین فلسفیوں نے اپنی تباہی تک (جو اس پر مسلط کر دی گئی تھی) عہد قدیم کے ادبی سرمایہ کو اگرچہ بغیر سوچے سمجھے مگر بے انتہا عقیدت کے ساتھ محفوظ رکھا تھا، لیکن اب دنیا میں انسانوں کا کوئی طبقہ ایسا باقی نہیں رہا تھا جو عہد قدیم کے شرفاء کی طرح جری اور آزاد خیالی کا حامی ہوتا، اور قدماء کی تحریروں کی طرح تلاش و تحقیق یا جرأت مندانہ اظہار خیال کا داعی ہوتا۔

اس طبقہ کے ختم ہونے کی خاص وجہ سیاسی و سماجی افراتفری تھی، لیکن ایک وجہ اور بھی تھی، جس کے باعث اس عہد میں ذہن انسانی

کند اور بنجر ہو چکا تھا، ایران اور بازنطینیہ دونوں ملکوں میں عدم رواداری کا دور دورہ تھا، دونوں حکومتیں ایک نئے انداز کی مذہبی حکومتیں تھیں جس میں آزادانہ اظہار خیال پر کڑے پہرے بٹھا دئے گئے تھے"۔

H.G.Wells/ A Short History of The World, P. 140, London)

اس کا آغاز پانچویں صدی عیسوی میں روم کے زوال اور عیسائیت کے عروج کے ساتھ ہوا اور یورپ کی موجودہ نشاۃ ثانیہ تک جس کی ابتداء تیرہویں صدی عیسوی میں ہوئی، جاری رہا۔ اسی وجہ سے آٹھ سو سال کا یہ طویل دور، یورپ کا عہد تاریک Dark age کہلاتا ہے۔ عیسائیت کے آغاز کے بعد افلاطون کی اکیڈیمی کو جو کئی سو سال سے قائم چلی آرہی تھی اور یورپ میں اشاعت علم کا بہت بڑا ذریعہ تھی، روم کے شہنشاہ جسٹینین کے حکم سے ۵۲۹ء میں مقفل کر دیا گیا۔ یونانی حکماء کے تیار کردہ علمی ذخائر و سلطنت روم کے تہہ خانے میں بند کر دیا گیا۔ اس کا جتنا کچھ حصہ قسطنطنیہ کے کتب خانوں میں تھا وہ صلیبی جنگوں کے دوران قسطنطنیہ سے گزرنے والی صلیبی افواج کی لوٹ مار کے دوران برباد ہو چکا تھا۔ اور علم حاصل کرنا ممنوع قرار دے دیا گیا تھا۔ یہ سب کام سلطنت روم کے ہاتھوں یا یورپی بادشاہوں کے ہاتھوں نہیں ہوئے تھے بلکہ کلیسا کے ہاتھوں ہوئے تھے۔ انتہا یہ کی گئی کہ پاپائے روم گریگوری اعظم نے جہالت کو تحصیل علم سے افضل قرار دے دیا اور فتویٰ جاری کیا کہ جہالت تقویٰ کی ماں ہے۔ گویا جہالت متقی بننے کی شرط لازم قرار پائی۔ کلیسا تحصیل علم کا واحد مرکز تھا۔ وہاں بھی تعلیم صرف بائبل کی حاصل کی جاسکتی تھی۔ کلیسا کی اجازت کے بغیر بائبل کی تعلیم حاصل نہیں کی جاسکتی تھی۔

گویا عوام پر کلیسا کی گرفت بادشاہوں کی گرفت سے زیادہ مضبوط تھی۔ خود بادشاہ اور ان کی بادشاہتیں کلیسا کے شکنجے میں کسی ہوئی تھیں، اگر کلیسا

کسی بات پر بادشاہ سے ناراض ہو جاتا تو اس کی بادشاہت خطرے میں پڑ جاتی اور اسے کلیسا سے غیر مشروط معافی مانگنی پڑتی۔ اسی کا نام کلیسائی نظام (Theocracy) تھا اور اسی کو پاپائیت کہا جاتا ہے۔ یورپ پستی کے جس درجے کو پہنچ گیا تھا اسے وہاں تک پہنچانے میں اصل ہاتھ کلیسائی نظام کا تھا، بادشاہت کا نہ تھا۔ بادشاہوں کی بے چارگی کا عالم یہ تھا کہ جب روم کا بادشاہ فریڈرک دوم (۱۲۱۲ء - ۱۲۵۰ء) ایک بار بلاد اسلامیہ میں پہنچا تو وہاں کے حکمرانوں کی آزادی و خود مختاری دیکھ کر بہت متعجب ہوا اور اس نے بڑی حسرت کے ساتھ سلطان مصر محمد الکامل کے سامنے یہ رائے ظاہر کی کہ آپ کس قدر خوش نصیب ہیں کہ آپ کے یہاں کوئی کلیسائی نظام نہیں ہے۔ جہاں خود بادشاہ ایسی بے چارگی میں مبتلا ہوں وہاں بے چارے عوام الناس کی خود مختاری کا کیا سوال تھا اور اس کا کیا سوال تھا کہ وہ کوئی کام اپنی آزادانہ مرضی سے کر سکیں۔

اشاعت علم کی تحدید Confinement کی پالیسی کو نافذ العمل رکھنے کے لئے کلیسا نے یہ زبردست اقدام کر رکھا تھا کہ مختلف علاقوں کے اسقفوں (Cardinals) کے تحت مذہبی عدالتیں قائم کر دی گئی تھیں۔ اپنی سنائی ہوئی سزاؤں کو نافذ کرنے کا اختیار بھی ان عدالتوں نے ہی اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ بادشاہ ان دونوں کاموں میں کسی قسم کی مداخلت کرنے کے مجاز نہ تھے۔

ان دونوں قسم کے اختیارات کو ایک ہاتھ میں مرتکز کر دینے سے جو صورت حال پیدا ہوئی وہ یہ تھی کہ اگر کوئی شخص کسی "بدعت" کا ارتکاب کرتا تو اسے اسقف کی مذہبی عدالت میں طلب کیا جاتا۔ عدالت میں ملزم پر بدعت کا جرم اگر ثابت ہو جاتا تو عدالت سزا سناتی اور پھر خود ہی اسے نافذ کرتی، یہ سزا جرمانے سے لے کر موت تک کی ہو سکتی تھی اس کی سنائی ہوئی سزا کے خلاف

کہیں بھی کسی اپیل یا فریاد کی گنجائش نہ تھی۔(مسلم نشاۃ ثانیہ ص ۹۸،۹۷)

☆...... موریس بوکائے اس تاریخی حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے!

''عیسائی دنیا میں صدیوں تک زیر غور مقتدیٰ (اکابر کلیسا) سائنسی ترقیات کی مخالفت کرتے رہے...... ہمیں پیشتر ہی سے ان کارروائیوں کا علم ہے جو ان لوگوں کے خلاف کی گئیں جو سائنس کو ترقی دینے کے خواہاں تھے۔وہ کارروائیاں ایسی تھیں جن میں زندہ جلادیئے جانے کے ڈر سے بہت سے سائنسدان جلاوطنی پر مجبور ہوگئے، یہاں تک کہ انہیں توبہ کرنا، اپنے رویہ کو تبدیل کرنا اور معافی کا خواستگار ہونا پڑا،اس سلسلہ میں گلیلیو کا مسئلہ ہمیشہ پیش کیا جاتا ہے۔اس پر اس لئے مقدمہ چلا کہ اس نے اس نظریہ کو مان لیا تھا جو زمین کی گردش کے بارے میں کوپرنیکس نے دریافت کیا تھا۔ (ص ۱۸۷)

احتساب کی عدالتوں کی دی ہوئی سزاؤں یا اعتراف سری کرانے والے پادری کی ناانصافیوں کے خلاف کسی قسم کی چارہ جوئی یا اپیل کا راستہ نہ تھا۔

عدالت احتساب کے ججوں نے اور اعترافات سری کرانے والے پادریوں نے اپنے اختیارات کو عملاً جس طرح استعمال کیا وہ بے حد ہولناک تھا۔اگر کوئی شخص عیسائیت کے جائے کلیسا کے پادری کے کسی نظریے یا راستہ سے سرمو بھی انحراف کرتا تو اسے ان عدالتوں میں پکڑ بلایا جاتا اور کڑی سے کڑی سزا سنادی جاتی یا جن لوگوں کو اعترافات سری کے لئے پادری طلب کرتے اس کے بارے میں کسی کو پتہ نہ چلتا کہ جس شخص کو اپنے گناہ کے اعتراف کے لئے طلب کیا جارہا ہے اس نے فی الواقع اس گناہ کا ارتکاب کیا بھی

ہے یا نہیں۔ احتساب کی عدالتوں کی دی ہوئی سزاؤں کا جتنا کچھ ریکارڈ رکھا جاسکا اس کے بموجب :

''ہسپانیہ میں دو ہزار افراد زندہ جلا دیئے گئے۔ ستر ہزار اشخاص کو جرمانہ یا حبس دوام کی سزا دی گئی...... گمنام شکایات کی بناء پر ملزم کو پکڑ بلایا جاتا تھا۔ اس کی موجودگی میں کسی گواہ سے شہادت نہیں لی جاتی تھی۔ اسے گواہوں پر جرح کرنے کا کوئی موقع نہیں دیا جاتا تھا۔ اقبال جرم کے لئے ملزم کو شکنجے میں کس دیا جاتا۔ یار کوئی میڈیا نامی پادری نے اٹھارہ سال کی مدت میں دس ہزار دو سو بیس اشخاص کو زندہ جلایا...... ستانوے ہزار تین سو اشخاص کو دوسرے طریقے سے سزائیں دیں...... (اسی طرح سے) ۱۴۸۱ء سے لے کر ۱۸۰۸ء تک ان عدالتوں نے تین لاکھ چالیس ہزار نفوس کو نہایت المناک سزائیں دیں (جن میں سے صرف) زندہ جلائے جانے والے افراد کی تعداد بتیس ہزار تھی......

اس قسم کے عدالتی نظام میں مدعی ہی منصف بھی ہوتا تھا اور ملزم سے صفائی پیش کرنے کا حق بھی سلب کر لیا گیا تھا۔

(ڈاکٹر حفیظ الرحمن صدیقی/مسلم نشاۃ ثانیہ ص ۱۰۱)

ان عدالتوں نے اپنا فریضہ پوری سرگرمی اور مستعدی سے انجام دیا، اس کے جاسوس بر اعظم کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تھے اور اس بارہ میں محکمۂ احتساب نے تفتیش اور تجسس میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، ایک عیسائی عالم کہتا ہے کہ !......

''ناممکن ہے کہ کوئی شخص عیسائی بھی ہو اور وہ بستر پر جان دے۔''

اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس محکمہ نے جن لوگوں کو سزا دی ان کی تعداد تین لاکھ سے کم نہیں، جن میں بتیس ہزار کو زندہ جلایا گیا، انہیں زندہ جلائے

جانے والوں میں ہیئت و طبیعیات کا مشہور عالم برونو Brunoe بھی ہے جس کا سبب یہ بڑا جرم کلیسا کے نزدیک یہ تھا کہ وہ اس کرۂ ارض کے علاوہ دوسری دنیاؤں اور آبادیوں کا بھی قائل تھا، محکمۂ احتساب کے حکام نے اسے اس سفارش کے ساتھ دنیوی حکام کے سپرد کیا کہ اسے نہایت نرمی سے سزا دی جائے اور یہ خیال رکھا جائے کہ اس کے خون کا ایک قطرہ بھی نہ گرنے پائے اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کو آگ میں زندہ جلا دیا جائے اسی طرح مشہور طبیعی عالم گلیلیو Galilio کو اس بنا پر موت کی سزا دی گئی کہ وہ آفتاب کے گرد زمین گھومنے کا قائل تھا۔

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رانسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص ۲۶۵، مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۷۴ء)

مذہب نے انسان کو جامد اور ناترقی پذیر قرار دیا تھا۔ جس کی بناء پر ہر قسم کی علمی و تمدنی ترقی بڑی حد تک رکی ہوئی تھی اور جن لوگوں نے علم و فن کی ترقی میں حصہ لیا انہیں نہ صرف یہ کہ مذہب کی بارگاہ سے ملعون و مردود قرار دیا گیا بلکہ سخت سے سخت سزاؤں میں مبتلا کیا گیا تھا۔ مثلاً

"وینی نی" مسئلہ ارتقاء پر ایمان رکھتا تھا، اس کی زبان کاٹ لی گئی اور زندہ آگ میں جھونک دیا گیا۔

"ہیپاشیہ" افلاطون کی تصانیف کی مشہور مفسرہ تھی، اس کو اس پاداش میں جان دینی پڑی۔

"کوپرنیکس" نے زمین کی گردش اور آسمان کا ساکت ہونا ثابت کرنے کی کوشش کی تو اس کو خیز منجم کا خطاب ملا۔ اور بالآخر ذلت و خواری کے ساتھ اس کا خاتمہ ہوا۔

"برونو" جو "کوپرنیکس" کے نظریہ کی حمایت کرتا تھا، اس کو گرفتار کر کے سات سال قید خانہ میں ڈالا گیا اور پھر دھیمی آگ میں ڈال کر

موت کا مزہ چکھایا گیا۔

"گلیلیو" جس نے حرکتِ زمین کے نظریہ کی حمایت کی، اس کو تنگ و تاریک کوٹھری میں ڈال کر عبرتناک سزا دی گئی اور مجبور کیا گیا کہ درج ذیل الفاظ کے مطابق اپنے معتقدات کی تردید کرے۔

الفاظ یہ ہیں: ......

"میں کہ "گلیلیو" سترویں سال کی عمر میں حیثیت ایک قیدی تقدس مآب کے روبرو دوزانو ہوتا ہوں اور مقدس انجیل کو اپنے گلے لگاتا ہوں، حرکتِ ارض کی غلطی تسلیم کرتا ہوں اور الحاد کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا اور اظہار لعنت کرتا ہوں۔"

اس تردید کے باوجود اس کی جاں بخشی نہ کی گئی بلکہ "مقدس محکمۂ احتساب" نے زندگی بھر کے لئے اس کو جلاوطن کر دیا۔

اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جو علم و فن کی ترقی کے ساتھ پیش آئے تھے۔ دراصل مروّجہ مذہب اس قابل نہ رہ گیا تھا کہ علمی و تمدنی ترقی کا ساتھ دے کر اس کی پشت پناہی کرے، اس بنا پر شدید خطرہ تھا کہ اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو "بائبل" (مقدس الہامی صحیفہ) کی تعلیمات بھی علم و تحقیق کی کسوٹی پر کسی جائیں گی۔ اور بالآخر "خود ساختہ مذہب" کے تمام "تارو پود" بکھر جائیں گے۔ چنانچہ لیکی کہتا ہے: ......

"میرے نزدیک کیتھولک ازم کے اصول شروع ہی سے ترقی تمدن کے مخالف تھے۔ البتہ شروع میں ان کی مضرت زیادہ ظاہر نہیں ہونے پائی بالکل اسی طرح کہ جیسے بعض زہر اس قسم کے ہوتے ہیں کہ انسان کو ہلاک کرنے سے پیشتر اس پر سکون وافاقہ طاری کر دیتے ہیں ان کا آخری نتیجہ ہلاک یقینی ہوتا ہے لیکن وہ زود اثر نہیں ہوتے ہیں یہی حال کیتھولک ازم کا تھا۔

مسیحیت کی جو شکل کلیسائے یونان و روما نے پیش کی اس کے لحاظ سے یہ بالکل اس کے لئے ناموزوں تھی کہ کسی تمدن کی باگ اس کے ہاتھ میں دیدی جاتی۔

(مولانا محمد تقی امینی ر لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر ص ۳۹)

ان تمام مراحل سے گزرنے کے بعد یورپ کا تاریک معاشرہ تحریک نشاۃ ثانیہ کی بدولت جس کا بنیادی محرک اسلام، اسلامی تہذیب و تمدن اور اسلام کا سائنسی و تمدنی انقلاب تھا، دور جدید میں داخل ہوئی۔ یہ تحریک جسے تاریخ تہذیب و تمدن میں تحریک نشاۃ ثانیہ کا نام دیا جاتا ہے چودھویں صدی عیسوی سے سولہویں صدی عیسوی تک شمار کی جاتی ہے۔ جس کا بنیادی محرک مسلمانوں کا علمی، تمدنی، اور سائنسی انقلاب تھا۔ دوسری طرف صلیبی جنگوں اور اندلس وغیرہ کے علمی مراکز سے یورپ نے کافی استفادہ کیا تھا۔

"The Making of Humanity" کا مصنف رابرٹ بریفالٹ (Robert Briffault) اس تاریخی حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے!

"یورپ کی ترقی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں اسلامی تمدن کا دخل نہ ہو۔" (P. 190)

"اسلامی تمدن نے یورپ کی زندگی پر انتہائی پر گہرے اور ہمہ جہت اثرات ڈالے ہیں اور اس کی ابتداء اس وقت ہوئی جب اسلامی تہذیب و تمدن کی پہلی کرنیں یورپ پر پڑنی شروع ہوئیں۔

(Bobert Briffault/ The making of Humanity, P.202)

اس حوالہ سے پروفیسر ہٹی (P.K. Hitti) کی رائے (جو ہم پہلے

ذکر کر چکے ہیں) تاریخی حقیقت کی حیثیت رکھتی ہے۔

چنانچہ موصوف کا بیان ہے!......

"مسلم اسپین قرونِ وسطیٰ میں یورپ کی ذہنی اور فکری ارتقاء کی تاریخ میں ایک روشن باب کی حیثیت رکھتا ہے آٹھویں اور تیرہویں صدی کے درمیان عربی داں (مسلمان) ہی پوری دنیا میں تہذیب و تمدن کے مشعل بردار رہے ہیں۔ مزید برآں وہی قدیم سائنس اور فلسفہ کی بازیافت کا بھی واسطہ بنے۔ پھر ان میں اضافہ کر کے انہیں اس طور پر منتقل کیا کہ (انہی کی بدولت) مغربی یورپ کی نشاۃ ثانیہ ممکن ہو سکی۔ اس پورے عمل میں عربی اسپین کا بہت نمایاں حصہ ہے۔"

P.K.Hitti/ History of the Arabs, P.557, London. 1977)

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (۱۵/ ۶۴۶، مطبوعہ ۱۹۸۴ء) کا مقالہ نگار لکھتا ہے!

وہ بنیادی لٹریچر جس نے یورپ کی بنیادی نشاۃ ثانیہ پیدا کی، اس کا بڑا حصہ مسلم کتب خانوں کی عربی کتابوں کے ترجمہ سے حاصل کیا گیا تھا!

Most of the classical literature that spurred the European Renaissance was obtained from translations of Arabic manuscripts in Muslim libraries (15/646).

علامہ محمد اقبال "خطاب بہ جوانانِ اسلام" کے تحت مسلمانوں کے اس شاندار ماضی، قابلِ افتخار اسلامی ورثہ، مثالی تہذیب و تمدن، فلسفہ و سائنس کے عالمگیر انقلاب، اور عہد حاضر میں اس تاریخ ساز عالمی و مثالی انقلاب کے زوال، اسلامی دنیا کی زبوں حالی پر شکوہ اور احیاء امتِ مسلمہ کے

تہذیب کے تحت کیا خوب کہتے ہیں!

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوش محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاج سردارا
تمدن آفریں، خلاق آئین جہاں داری
وہ صحرائے عرب یعنی شتر بانوں کا گہوارا
غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشین کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا
اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں
مگر تیرے تخیل سے فزوں تر ہے وہ نظارا
تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار، تو ثابت وہ سیارا
گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمین پر آسمان نے ہم کو دے مارا
حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئین مسلم سے کوئی چارا
مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

(کلیاتِ اقبال ص ۲۰۷، فضلی سنز کراچی ۱۹۹۸ء)

قرآن، سائنس اور تہذیب و تمدن :

پیش نظر کتاب "قرآن، سائنس اور تہذیب و تمدن" قرآن،

سائنس اور تہذیب و تمدن کے باہمی ربط و تعلق کے اظہار کا علمی اور تاریخی مظہر ہے، گو کہ قرآن اور سائنس کے حوالہ سے اس سے قبل دنیا بھر کی زبانوں بالخصوص، عربی، اردو اور انگریزی میں بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں جو قرآن اور سائنس کے تعلق، سائنس کے حوالہ سے قرآنی آیات، انکشافات اور سائنس و تہذیب پر قرآنی آیات و تعلیمات کے اثرات کو ظاہر کرتی ہیں، اس حوالہ سے مشہور فرانسیسی مصنف موریس بوکائے Maurice Bucaille کی کتاب بائبل، قرآن اور سائنس، جو انہوں نے فرانسیسی میں "لابائبل، لے کوران اے لاسیانس" La Bible, le coran et la science کے نام سے لکھی، پھر مصنف کتاب موریس بوکائیے اور لاسٹر دی پائیل نے مل کر اس کا انگریزی میں ترجمہ The bible, the Quran and Science کے نام سے کیا جس کی اشاعت خوب ہوئی اور اس نے اس حوالہ سے عالمگیر شہرت حاصل کی۔ بعد ازاں اس کا اردو ترجمہ مرحومہ مرحوم ثناء الحق صدیقی نے کیا جسے ادارۃ القرآن کراچی نے ۱۹۹۳ء میں شائع کیا اور یہ تاحال بارہا شائع ہو چکی ہے۔

جبکہ ڈاکٹر ہلوک نورباقی (ترکی) کی کتاب "قرآنی آیات اور سائنسی حقائق" موجودہ دور میں فزکس اور اسٹروفزکس (Astrophysics) پر شائع شدہ مواد کو مدّ نظر رکھتے ہوئے سائنس کے تسلیم شدہ حقائق کو قرآن سے پچاس آیات کا انتخاب کیا ہے اور ان کا موازنہ جدید سائنسی دریافتوں سے کیا ہے۔

تاہم پیش نظر کتاب اس حوالہ سے کی گئی کوششوں میں ایک عمدہ اضافہ ہے، جس میں فاضل مصنف (جو دنیاوی علوم کے ساتھ ساتھ دینی علوم میں بھی کافی درک رکھتے ہیں) نے اس موضوع پر لکھی گئی کتب کے علاوہ

تاریخ، تہذیب و تمدن، فلسفہ اور قرآن و سائنس کے حوالہ سے کی گئی کاوشوں سے بھرپور استفادہ کے ساتھ ساتھ مزید علمی کام کیا ہے۔ موصوف نے قرآن اور سائنس کے تعلق سے علمی مباحث کے علاوہ اسلامی سائنس، طب، ریاضی، فلسفہ، تہذیب و تمدن، مسلم فلاسفہ، اطباء، سائنسدانوں کی خدمات اور مغربی تہذیب و ثقافت پر اس کے اثرات کو علمی اور تحقیقی طور پر ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ جا بجا اسلام اور مغرب کی اس حوالہ سے خدمات اور اثرات کا تاریخی و تقابلی جائزہ بھی پیش کیا ہے، اور اس حوالہ سے خود مغرب کے مؤرخین، دانشوروں اور مصنفوں کی آراء کو پیش کر کے قرآن اور سائنس کے باہمی ربط، قرآنی آیات سے سائنسی حقائق کے اظہار، سائنس اور تہذیب و تمدن پر قرآنی تعلیمات کے اثرات کو بھی واضح کیا ہے۔ مزید یہ کہ فاضل مصنف ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری کو اس حوالہ سے نیویارک میں اقامت پذیری کے باعث وہاں کی مرکزی لائبریریوں سے استفادہ کے بھرپور مواقع فراہم ہوئے۔ قدیم و جدید کتب و مآخذ سے کتاب کی تالیف کے بہترین مواقع بھی ملے۔ موصوف کی اس سے قبل بھی متعدد کتب شائع ہو چکی ہیں۔

پیش نظر کتاب کے عنوانات اور جستہ جستہ مطالعہ کے بعد میری رائے میں موصوف کی یہ کتاب علمی اور ادبی حلقوں مقبولیت نام حاصل کرے گی۔ اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ مؤلف کی اس سعی کو اسلام کی تائید و اشاعت کا ذریعہ بنائے آمین۔

ڈاکٹر حافظ محمد ثانی

۲۹ رمضان ۱۴۱۹ھ، ۱۶ جنوری ۱۹۹۹ء

کراچی

ابتدائیہ

زمانہ قدیم سے بنی نوع انسان کا یہ چلن رہا ہے کہ جب بھی اللہ کی طرف سے کوئی ہادی ان کی اصلاح اور انھیں اللہ کی مرضی و منشاء کی طرف رہنمائی کے لئے آیا انہوں نے اس کے پیغام کو کھلے دل سے قبول کرنے کے بجائے ان برگزیدہ ہدیوں سے مافوق الفطرت ثبوت طلب کئے۔

مثال کے طور پر جب حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو اپنے طور طریق میں اصلاح کرنے کے لئے کہا کہ محض قانونی رسومات سے گریز کریں اور خدائی احکام کی روح کا شعور حاصل کریں۔ تو ان لوگوں نے ثبوت کے لئے معجزات کا مطالبہ کیا، جیسا کہ انجیلِ متی میں مرقوم ہے۔(۱) ''اس پر بعض فقیہوں اور فریسیوں نے جواب میں ان سے کہا اے مرشد ہم تجھ سے ایک نشانی دیکھنا چاہتے ہیں انہوں نے جواب میں ان سے کہا اس زمانے کے برے اور زناکار لوگ نشانی طلب کرتے ہیں مگر یوحنا نبی کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائے گا۔'' (۲)

گو کہ اس کی روشنی میں آپ نے ان کی خواہش کو ماننے سے انکار کر دیا ،لیکن ہمیں انجیل کی حکایتیں پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بہت سے معجزات دکھائے۔ انجیل ایسے مافوق الفطرت واقعات سے بھری پڑی ہے جو خدا نے ان پیغمبروں کو عطا کئے تھے۔ حقیقت میں وہ تمام نشانیاں، مافوق الفطرت واقعات اور معجزات اللہ ہی کی طرف سے تھے۔ لیکن وہ چونکہ انسانی کارندوں کے

۱۔ انجیل باب ۱۲، آیت ۳۸، ۳۹،

ذریعہ ظہور پذیر ہوتے تھے اس لئے ہم ان کو حضرت موسیٰ کے معجزات یا حضرت عیسیٰ کے معجزات کہہ کر بیان کرتے ہیں۔ یعنی جن حضرات کے ہاتھوں وہ ظہور پذیر ہوئے۔

اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تقریباً چھ سو سال بعد ملک عرب کے شہر مکہ میں پیدا ہوئے۔ جب آپ ﷺ نے چالیس سال کی عمر میں اپنی بعثت کا اعلان کیا تو آپ ﷺ کی قوم نے بھی بعینہ معجزات کا مطالبہ کیا جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے کیا تھا۔

وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّن رَّبِّهِ ط

اور وہ (کافر) کہتے ہیں کہ کیوں نہ اتاری گئیں اس شخص پر نشانیاں اس کے رب کی طرف سے۔(۱)

ان کے مطالبات کا عام انداز یہی تھا، خاص طور پر انھوں نے کہا!

وَقَالُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنبُوعًا ۝ أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا ۝ أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ۝ أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّن زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ ط وَلَن نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرَؤُهُ ط قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا ۝

"اور وہ کہتے ہیں کہ ہم تیری بات نہ مانیں گے، یہاں تک تو ہمارے لئے زمین سے چشمہ بہادے یا تیرے پاس کھجوریں اور انگوروں کا باغ ہو، جس کے بیچوں بیچ تو خوب نہریں بہائے یا جیسا کہ تیرا گمان ہے تو ہم پر آسمان کو ٹکڑے کر کے گرادے یا تو اللہ اور فرشتوں کو بطور ضامن لے آئے، یا تیرا سونے کا گھر ہو، یا تو آسمان میں چڑھ جائے، مگر ہم تیرے چڑھنے کو بھی نہ مانیں گے، جب تک تو ہم پر ایک کتاب

۱۔ سورۂ عنکبوت آیت ۵۰۔

نہ اتارے جسے ہم پڑھیں۔
کہہ دیجئے! پاک ہے میرا رب کیا میں پیغام پہنچانے والے
بشر کے سوا بھی کچھ ہوں؟" (۱)

اب آپ ان غیر سنجیدہ لغو مطالبات کے مقابلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نرم اور شگفتہ دلائل سماعت فرمائیے!

"کیا میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ حقیقتاً میرے قبضہ میں اللہ کے خزانے ہیں، میں تو اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو مجھے وحی کیا جاتا ہے۔"

اور مزید وہ نہایت مؤثر جواب سماعت فرمائیے جو آنحضرت ﷺ نے اپنے خدا کی طرف سے ان کافروں کو دیا تھا۔

قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝

کہدو (اے محمد ﷺ) کہ (تمام) نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں اور میں تو حقیقتاً کھول کھول کر خبردار کرنے والا ہوں۔ (۲)

مندرجہ ذیل آیت میں حضور اکرم ﷺ نے قرآن سے جواباً ایک خاص قسم کی نشانی یا معجزے کا ذکر کیا ہے یہ دراصل ان کے اس منافقانہ مطالبہ کے جواب میں ہے جو یہ اپنی احمقانہ اور کافرانہ ذہنیت کے تقاضہ کی وجہ سے کرتے تھے۔ قرآن کی طرف متوجہ ہوں۔

اَوَلَمْ یَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْهِمْ ؕ
اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰی لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝

۱۔ سورۂ بنی اسرائیل آیت ۹۰ تا ۹۳۔
۲۔ سورۂ عنکبوت آیت ۵۰۔

کیا ان کے لئے (یہ نشانی) کافی نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ درحقیقت اس میں رحمت ہے اور نصیحت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔ (۱)

قرآن کے معجزانہ طرز بیان اور اس کے الہامی ہونے کے ثبوت میں دو دلیلیں پیش کی جاتی ہیں۔

۱...... کہ ہم (اللہ) نے یہ کتاب تم پر وحی کی حالانکہ تم بالکل لکھے پڑھے نہ تھے۔ ایک اُمّی، رسول، ایک ایسا شخص جو لکھ پڑھ نہیں سکتا جو کہ اپنے خود کے نام کے دستخط بھی نہیں کر سکتا۔ ہمیں تھامس کارلائل (۲)-Thomas Carlyle کی شہادت کو بھی دیکھنا چاہئے، جو اس نے حضرت محمد ﷺ کی تعلیمی استعداد کے بارے میں بیان کی ہے۔

One other circumstance we must not forget: That he had no school learning: of the thing we call school - learning none at all.

"ایک اور بات جسے ہمیں نہیں بھولنا چاہئے وہ یہ کہ انہوں نے کسی مدرسہ سے تعلیم حاصل نہیں کی ایک ایسی چیز جس کو ہم عرف عام میں درسی تعلیم کہتے ہیں، بالکل نہیں۔"

ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی تصدیق اللہ کی کتاب

۱۔ سورۂ عنکبوت آیت ۵۱،

۲۔ Thomas Carlyle گزشتہ صدی کا عظیم مفکر جس نے ۱۸۴۰ء میں "برگزیدہ ہستیاں" "On Heroes and Hero- Worship" اور ان کی پرستش کے عنوان سے متعدد لیکچر دیئے۔

سے کرنے دیجئے، (جس میں کہا گیا ہے) کہ آپ ﷺ قرآن کو تصنیف نہیں کر سکتے تھے اور یہ کہ آپ ﷺ اس کے مصنف نہیں ہو سکتے۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ○

(اے نبی ﷺ) تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو اہل باطل شک میں پڑ سکتے تھے۔(۱)

اگر محمد ﷺ ایک تعلیم یافتہ شخص ہوتے اور لکھنے پڑھنے کے قابل ہوتے تو ان سفلے اور چھچھورے لوگوں کو آپ ﷺ کے اس دعوے پر کہ یہ قرآن خدا کا کلام ہے شک کرنے کا ضرور موقع مل جاتا اور وہ بازاری اجتماعات میں اس کا پروپیگنڈہ کرتے اور در پردہ الزام تراشی کرتے کہ آپ ﷺ نے اغلباً یہودیوں یا عیسائیوں کی کتابوں سے نقل کر لیا ہوگا یا یہ شاید ارسطو اور افلاطون کے فلسفوں کے مطالعہ کا نتیجہ ہوگا یا توریت، زبور اور انجیل سے اخذ کر لیا ہوگا اور پھر ان سب کو کاٹ چھانٹ کر ایک عمدہ پیرایۂ زبان میں اداکر دیا ہوگا اور اس طرح ان کے اس کہنے میں کچھ وزن ہوتا، اور ان کم مایہ لوگوں کے پاس توہم پرست اور منکرین حق کے اس کمزور اعتراض کی بھی نفی ہوگئی اور یہ اعتراض ان کو ذرا سا بھی سہارا نہ دے سکا۔

۲...... یہ کتاب! ہاں یہ کتاب فی نفسہ اپنی تصدیق خود کرتی ہے کہ یہ منجانب اللہ ہے اس کو کسی بھی زاویہ سے مطالعہ کریں، جانچیں یا پرکھیں اس کا خالق متشککین کو للکارتا ہے۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَ

۱۔ سورۂ عنکبوت آیت ۴۸۔

جَدُوۡا فِیۡہِ اخۡتِلَافًا کَثِیۡرًا ○

بھلا یہ لوگ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے اور اگر یہ خدا کے
سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔ (۱)

کوئی مصنف جو بشریت سے متصف ہو اپنی تعلیمات پر تیس سال تک استقامت برقرار نہیں رکھ سکتا زندگی کے متضاد انقلابات میں سے گزر کر آدمی کے لئے اپنے بہت سے خیالات میں مفاہمت، تبدیلی اور ساتھ ہی ساتھ قطع و برید کا عمل ناگزیر ہو جاتا ہے اور خیالات کی یکسانیت قائم نہیں رہتی۔ جیسی استقامت قرآن کے تمام تر پیغام میں شروع سے آخر تک موجود ہے۔ تو پھر کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ان منکرین حق کے اعتراضات اپنی صحیح سمجھ اور عادلانہ تخلیات کے برعکس کٹ حجتی اور محض مخالفت کے آئینہ دار ہوں۔

بار بار جب بھی اللہ کے رسول ﷺ سے معجزات کا مطالبہ کیا گیا، آپؐ قرآن کا جو وحی آسمانی ہے حوالہ دیتے تھے کہ اللہ کا کلام (یعنی قرآن) ہی معجزہ ہے۔ معجزوں کا معجزہ۔ اور وہ لوگ جو سمجھدار ہیں، اہل علم ہیں اور فطرتاً صاحب بصیرت ہیں اور خود سے دیانت دار واقع ہوئے ہیں۔ انہوں نے قرآن کو ایک حقیقی معجزے کے طور پر تسلیم اور قبول کر لیا۔ قرآن کہتا ہے۔

بَلۡ ہُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیۡ صُدُوۡرِ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ ؕ وَ مَا
یَجۡحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوۡنَ ○

بلکہ یہ روشن آیتیں ہیں جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے ان کے
سینوں میں محفوظ ہیں اور ہماری آیتوں سے وہی لوگ انکار
کرتے ہیں جو ہٹ دھرم ہیں۔ (۲)

۱۔ سورۂ نساء آیت ۸۲،

۲۔ سورۂ عنکبوت آیت ۴۹،

قرآن کا فیضان

قرآن مجید وہ صحیفۂ قدرت ہے جو عالم انسانیت کی ہدایت کے لئے مکمل قانون کی شکل میں نازل ہوا۔ یہی نہیں کہ قرآن کریم نے ریگستان عرب کو منور کر دیا بلکہ کرۂ ارض کی ظلمت و تاریکی کو دور کر کے سارے زمانہ کو بقعۂ نور بنا دیا۔ قرآن کے نزول سے قبل دنیا میں ہر طرف باطل مسلط تھا۔ خدا پرستی کی جگہ بتوں کی پوجا ہو رہی تھی۔ بدکاریاں بے حیائیاں کھلے بندوں جاری تھیں۔ اخلاق ختم ہو چکے تھے وہ کون سی بدی تھی جو انسان نے اختیار نہ کر لی ہو۔ تمدن مٹ چکا تھا، انسان اپنے خالق کو بھول کر شیطان کے پھندے میں مبتلا ہو گیا تھا۔ بندے اور خدا کا تعلق قطعاً فنا ہو گیا تھا۔ ایک بھی دین ایسا نہ تھا جو اپنی اصلی صورت و حالت کے ساتھ باقی رہ گیا ہو۔

ان حالات میں ریگستان عرب سے فاران کی چوٹی سے عبداللہ کے گھر سے کعبہ کے در و دیوار سے ایک ذات اطہر و اکمل ﷺ نے نغمۂ توحید سنایا اور زمانہ کو دعوت دی کہ میں خدا کی ایک ایسی جامع کتاب لے کر مبعوث ہوا ہوں جو قیامت تک کے لئے اپنے اندر دستور حیات رکھتی ہے اور کوئی تر و خشک چیز ایسی نہیں ہے جو اس کتاب مجید میں موجود نہ ہو۔

توحید، خدا پرستی، خشیت، بندہ اور خالق کا تعلق۔ اخلاقیات و عبادات، معاملات، حقوق العباد، مسائل وراثت، تجارت، کسب حلال، تقسیم دولت و سرمایا، امیر و غریب، حکومت و سلطنت، جمہوریت و مساوات، عدل و انصاف، طریقۂ حکمرانی، قوانین فوجداری و مالی، علم تاریخ، علم ہیئت و فلکیات، علم نجوم، ریاضی، سائنس، تسخیر سماوات والارض، انشا و قلم، علم البحر، علم الارض، جیسے فنون کو قرآن حکیم روزمرہ کی زبان میں ادا فرما گیا۔ اور جس کی

تفسیر حضور ہادیٔ عالم، رحمتِ مجسم خاتم النبیین ﷺ نے اپنے اقوالِ مبارکہ
سیرتِ طیبہ سے فرمائی، مسلمانوں کے پاس قرآن و سنت کے دو زبردست
خزانے موجود تھے۔ جس کی بدولت اُنہوں نے عرب کی جاہلیت ہی کو نہیں بلکہ
تمام دنیا کی ضلالت و گمراہی کو دور کر دیا اور اُن تمام خرابیوں بد اعتقادیوں کو مٹا
دیا جو قرآن کریم کے نزول سے قبل دنیا میں جاری تھیں۔ قرآن و سنت ہی کا
صدقہ ہے کہ سارا جہاں مسلمانوں کی علمی دولت سے مالا مال ہوا۔ مسلمان دنیا
بھر کے معلم تھے اور ساری دنیا اُن کی شاگرد۔

یورپ جسے آج اپنے علوم پر فخر و ناز ہے اگر تاریخِ ماضی کی ورق
گردانی کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یورپ والے بھی قرآن کریم اور احادیث
کے طفیل علم سے آشنا ہوئے۔

یہ مسلمانوں کا ہی طرّہ امتیاز تھا کہ اُنہوں نے بلا امتیاز مذہب و ملت دنیا
کو علوم قرآن اور احادیث و سیرت رسول اکرم ﷺ کا درس دیا اور کسی قسم کی
عصبیت کو قریب نہ آنے دیا۔ اُن کی علمی یونیورسٹیوں میں بغیر کسی روک ٹوک
کے لوگ آزادانہ طریقہ سے تعلیم پاتے۔

مسلمان کرۂ ارض کے جس حصّہ میں گئے اور کامیاب ہوئے تو صرف
قرآن مجید اور احادیث نبویہ سیرتِ طیبہ کے اصول و قوانین کے ماتحت۔ جس
کتاب و سنت پر دنیا نے صدہا برس تک عمل کیا اور تسلیم کیا کہ قرآن و حدیث کا
قانون انسانی فطرت اور انسان کی تمام ضروریات کے لئے ایک جامع و ہمہ گیر
قانون ہے اور اس قانون سے استفادہ کر کے آج بھی دنیا کی قومیں متمدن بن
رہی ہیں۔ کتاب و سنت کا دریا سارے جہاں کو اس وقت بھی سیراب کر رہا ہے۔

حیرت ہے کہ آج مسلمان ہی اپنے گھر کے خزانہ کو چھوڑ کر غیروں کی
دریوزہ گری نقالی کر رہے ہیں اور یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ قرآن و حدیث

عصر حاضرہ کے لئے معاذاللہ مفید نہیں۔

دراصل یہ اختلال دماغی لارڈ میکالے کے نظریۂ تعلیم سے پیدا ہوا۔ جس کا تلخ تجربہ کرنے کے بعد رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر جیسا قائد پکار اٹھا کہ جب تک ہمارے ملک سے انگریز کے مروجہ نصاب تعلیم کو تبدیل نہ کیا جائے ہم فلاح نہیں پاسکتے۔

ہمارا ایک اسلامی مملکت بنانے کے بعد سب سے بڑا فرض یہ تھا کہ ارباب علم وبصیرت ماہرین قرآن وحدیث اور واقفین تعلیم جدید بیٹھ کر ایک بہتر نصاب تعلیم تیار کرتے جو علوم دینیہ قرآن وحدیث وفقہ اور دوسرے علوم عربیہ اور علوم جدیدہ کا حامل ہوتا مگر انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس طرف سے ہماری نگاہیں مندر ہیں۔ انگریز کے جانے کے بعد ہمارے طبقہ اشرافیہ کے لوگ انگریزوں کے نقوش پر چلنا زندگی کا سب سے بڑا اصول بنائے ہوئے ہیں۔

اگر جلد از جلد اس اہم ضرورت کی طرف مشترکہ طریقہ سے غور و فکر کر کے اقدامات نہ ہوئے تو ہم ترقی کرنے کی بجائے انہیں لعنتوں میں مبتلا ہو جائیں گے اور ہو رہے ہیں، جن کے چھٹکارے کے لئے ایک اسلامی مملکت بنائی تھی۔

عصر حاضرہ کے ان تمام حالات و خیالات کا اندازہ کرتے ہوئے کہ انگریزوں کے پڑھائے ہوئے سبق کے آموختہ کو دُہرانا ہماری قوم کے خصوصی دماغوں کا مزاج بن گیا ہے۔

یعنی مذہب و دین سے بیزاری کتاب و سنت کو ناقص اور وقت کی ضروریات کے منافی سمجھنے کے خیالات زبانوں پر آتے رہتے ہیں۔ اور بوالعجبی یہ ہے کہ ایسا کہنے والے ۔۔ جنہیں کتاب و سنت کے قوانین

و عبادات معانی و مطالب کا بھی معمولی علم نہیں۔ یہ افراد کتاب و سنت کے پیش کردہ اصول و قوانین کو تسلیم کرنے کے لئے تو تیار نہیں لیکن اگر وہی باتیں اغیار کی زبان و قلم سے ادا ہوں تو انہیں بغیر کسی قیل و قال کے قبول کر لیتے ہیں۔

مناسب معلوم ہوا کہ کتاب و سنت کی ہمہ گیری قرآن مجید و سیرت طیبہ نبویہ کے متعلق مستشرقین و محققین، فضلا و اہل فکر کے خیالات یکجا کر دیئے جائیں۔

تعارف قرآن

قرآن پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر تدریج حصوں میں نازل ہوا۔ موقع اور حالات کے مطابق آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی اور آپؐ صحابہ کرامؓ کو سناتے جو کہ اس کو حفظ کر لیتے اور دوسروں تک پہنچاتے۔ حضور اکرم ﷺ پر وحی ۶۱۰ عیسوی میں نازل ہوئی، جب آپ ﷺ کی عمر ۴۰ سال سے کچھ زیادہ تھی۔ اس کے بعد وقفہ وقفہ سے وحی نازل ہوتی رہی۔ کبھی مختصر اور کبھی مفصل، یہ سلسلہ آپ ﷺ کی وفات تک جاری رہا۔ آپ ﷺ کی وفات ۶۳۲ عیسوی میں ہوئی۔ قرآن کریم وحی کے ذریعہ نازل ہوتا رہا۔ قرآن کریم کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک حصہ میں وہ آیات شامل ہیں جو کہ مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ پر اتریں اور دوسرے حصہ میں وہ آیات ہیں جو ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں آپ ﷺ پر نازل ہوئیں۔ روایت کے مطابق آپ ﷺ نے خود وحی کو مختلف سورتوں میں تقسیم کیا۔ اس طرح قرآن کریم میں جملہ ۱۱۴ سورتیں ہیں۔ ہر سورت میں ۳ سے ۵ آیتیں اور بعض سورتوں میں ۳۰۰ سے بھی زائد آیات ہیں۔ سورتوں کی ترتیب میں آیات کی تعداد کم ہوتی جاتی ہے۔ سوائے پہلی سورت کے پہلی سورت "الفاتحہ" سات آیتوں پر مشتمل ایک دعا ہے۔ دوسری سورت "البقرہ" سب سے طویل سورت ہے اور

اس کے بعد کے سورتوں میں آیات کی تعداد کم ہوتی جاتی ہے۔ یہ ترتیب تقریباً قرآن کریم کے آخر تک قائم رہتی ہے۔

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ قرآن کریم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ آنحضرت ﷺ رمضان کے مہینے میں نماز تراویح میں قرآن پاک تلاوت فرماتے تھے۔ اس کے لئے قرآن کو تیس پاروں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر پارہ تقریباً مساوی ہے۔ تیس پارے تیس راتوں کی مناسبت سے ہیں اور اس طرح سے رمضان کے مہینے میں ایک قرآن شریف کی تلاوت ہوا کرتی۔ قرآن کریم نماز تراویح میں آواز بلند پڑھا جاتا اور سبھی مقتدی اس کو سنتے۔ اس لئے اس میں کسی قسم کی کوئی آمیزش کی گنجائش نہیں رہی اور یہ ایک واضح اور روشن حقیقت ہے کہ قرآن نسل در نسل اسی صورت میں چلا آرہا ہے۔ اور آج تک اس میں کسی قسم کا کوئی ردّوبدل نہیں ہوا۔

قرآن کریم میں جملہ ۱۱۴ سورتیں ہیں اور ہر سورہ میں آیتوں کے نمبر دیئے گئے ہیں جو کہ حوالہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ ان سورتوں میں ۸۸ سورتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں اور ۲۶ سورتیں مدینہ میں نازل ہوئیں۔ روایتی ترتیب میں سورت کے نام پہلے دیئے گئے ہیں۔ بعد میں آیتوں کی تعداد اور آخر میں زمانہ نزول، اس میں قطعی تاریخ نہیں دی گئی ہے۔ بلکہ صرف یہ بتایا گیا ہے کہ آیا یہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی یا مدینہ منورہ میں۔ مکی سورہ یعنی ۶۱۰ء سے لے کر ۶۲۲ء تک اور مدنی سورہ یعنی ۶۲۲ء سے لے کر ۶۳۲ء تک۔

مفسرین کی رائے میں کئی سورتیں ایسے ہیں جن میں مکی و مدنی آیتیں شامل ہیں، لیکن زیادہ تر سورتیں کسی ایک مقام پر ہی نازل ہوئیں۔ مندرجہ ذیل سورہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

فہرست اسمائے السورہ، زمانۂ نزول، تعداد آیات ور کوعات

نمبر شمار	نام سورۃ	زمانۂ نزول	تعداد آیات	تعداد رکوع	نمبر شمار	نام سورۃ	زمانۂ نزول	تعداد آیات	تعداد رکوع
۱	الفاتحہ	مکی	۷	۱	۱۸	الکہف	مکی	۱۱۰	۱۲
۲	البقرہ	مدنی	۲۸۶	۴۰	۱۹	مریم	مکی	۹۸	۶
۳	آل عمران	مدنی	۲۰۰	۲۰	۲۰	طٰہٰ	مکی	۱۳۵	۸
۴	النساء	مدنی	۱۷۶	۲۴	۲۱	الانبیاء	مکی	۱۱۲	۷
۵	المائدہ	مدنی	۱۲۰	۱۶	۲۲	الحج	مدنی	۷۸	۱۰
۶	الانعام	مکی	۱۶۵	۲۰	۲۳	المومنون	مکی	۱۱۸	۶
۷	الاعراف	مکی	۲۰۶	۲۴	۲۴	النور	مدنی	۶۴	۹
۸	الانفال	مدنی	۷۵	۱۰	۲۵	الفرقان	مکی	۷۷	۶
۹	التوبہ	مدنی	۱۲۹	۱۶	۲۶	الشعراء	مکی	۲۲۷	۱۱
۱۰	یونس	مکی	۱۰۹	۱۱	۲۷	النمل	مکی	۹۳	۷
۱۱	ہود	مکی	۱۲۳	۱۰	۲۸	القصص	مکی	۸۸	۹
۱۲	یوسف	مکی	۱۱۱	۱۲	۲۹	العنکبوت	مکی	۶۹	۷
۱۳	الرعد	مدنی	۴۳	۶	۳۰	الروم	مکی	۶۰	۶
۱۴	ابراہیم	مکی	۵۳	۷	۳۱	لقمٰن	مکی	۳۴	۴
۱۵	الحجر	مکی	۹۹	۶	۳۲	السجدہ	مکی	۳۰	۳
۱۶	النحل	مکی	۱۲۸	۱۶	۳۳	الاحزاب	مدنی	۷۳	۹
۱۷	بنی اسرائیل	مکی	۱۱۱	۱۲	۳۴	سباء	مکی	۵۴	۶

۳۵	فاطر	مکی	۴۵	۵	۵۵	الرحمٰن	مدنی	۷۸	۳
۳۶	یٰس	مکی	۸۳	۵	۵۶	الواقعہ	مکی	۹۶	۳
۳۷	الصافات	مکی	۱۸۲	۵	۵۷	الحدید	مدنی	۲۹	۴
۳۸	صٓ	مکی	۸۸	۵	۵۸	المجادلہ	مدنی	۲۲	۳
۳۹	الزمر	مکی	۷۵	۸	۵۹	الحشر	مدنی	۲۴	۳
۴۰	المومن	مکی	۸۵	۹	۶۰	الممتحنہ	مدنی	۱۳	۲
۴۱	حٰم السجدہ	مکی	۵۴	۶	۶۱	الصف	مدنی	۱۴	۲
۴۲	الشوریٰ	مکی	۵۳	۵	۶۲	الجمعہ	مدنی	۱۱	۲
۴۳	الزخرف	مکی	۸۹	۷	۶۳	المنافقون	مدنی	۱۱	۲
۴۴	الدخان	مکی	۵۹	۳	۶۴	التغابن	مدنی	۱۸	۲
۴۵	الجاثیہ	مکی	۳۷	۴	۶۵	الطلاق	مدنی	۱۲	۲
۴۶	الاحقاف	مکی	۳۵	۴	۶۶	التحریم	مدنی	۱۲	۲
۴۷	محمد	مکی	۳۵	۴	۶۷	الملک	مکی	۳۰	۲
۴۸	الفتح	مدنی	۲۹	۴	۶۸	القلم	مکی	۵۲	۲
۴۹	الحجرات	مدنی	۱۸	۲	۶۹	الحاقہ	مکی	۵۲	۲
۵۰	قٓ	مکی	۴۵	۳	۷۰	المعارج	مکی	۴۴	۲
۵۱	الذاریات	مکی	۶۰	۳	۷۱	نوح	مکی	۲۸	۲
۵۲	الطور	مکی	۴۹	۲	۷۲	الجن	مکی	۲۸	۲
۵۳	النجم	مکی	۶۲	۳	۷۳	المزمل	مکی	۲۰	۲
۵۴	القمر	مکی	۵۵	۳	۷۴	المدثر	مکی	۵۶	۲

۷۵	القیامہ	مکی	۴۰	۲	۹۵	التین	مکی	۸	۱
۷۶	الدہر	مکی	۳۱	۲	۹۶	العلق	مکی	۱۹	۱
۷۷	المرسلات	مکی	۵۰	۲	۹۷	القدر	مکی	۵	۱۱
۷۸	النبا	مکی	۴۰	۲	۹۸	البیّنۃ	مدنی	۸	۱
۷۹	النزعات	مکی	۴۶	۲	۹۹	الزلزال	مدنی	۸	۱
۸۰	عبس	مکی	۴۲	۱	۱۰۰	العادیات	مکی	۱۱	۱
۸۱	التکویر	مکی	۲۹	۱	۱۰۱	القارعہ	مکی	۱۱	۱
۸۲	الانفطار	مکی	۱۹	۱	۱۰۲	التکاثر	مکی	۸	۱
۸۳	المطففین	مکی	۳۶	۱	۱۰۳	العصر	مکی	۳	۱
۸۴	الانشقاق	مکی	۲۵	۱	۱۰۴	الہمزہ	مکی	۹	۱
۸۵	البروج	مکی	۲۲	۱	۱۰۵	الفیل	مکی	۵	۱
۸۶	الطارق	مکی	۱۷	۱	۱۰۶	القریش	مکی	۴	۱
۸۷	الاعلیٰ	مکی	۱۹	۱	۱۰۷	الماعون	مکی	۷	۱
۸۸	الغاشیہ	مکی	۲۶	۱	۱۰۸	الکوثر	مکی	۳	۱
۸۹	الفجر	مکی	۳۰	۱	۱۰۹	الکافرون	مکی	۶	۱
۹۰	البلد	مکی	۲۰	۱	۱۱۰	النصر	مدنی	۳	۱
۹۱	الشمس	مکی	۱۵	۱	۱۱۱	اللہب	مکی	۵	۱
۹۲	اللیل	مکی	۲۱	۱	۱۱۲	الاخلاص	مکی	۴	۱
۹۳	الضحیٰ	مکی	۱۱	۱	۱۱۳	الفلق	مکی	۵	۱
۹۴	الم نشرح	مکی	۸	۱	۱۱۴	الناس	مکی	۶	۱

صاحبان علم اور علمائے تفاسیر نے صراحت کے ساتھ یہ موقف اختیار کیا ہے کہ مقطعات جو قرآن مجید کی متعدد سورتوں کی ابتداء میں آئے ہیں ان کے کوئی معنی نہیں ہیں اور اگر کچھ ہیں بھی تو اسے اللہ بہتر جانتا ہے اور یہ اللہ کے اسرار و رموز ہیں جن پر ہمارا سب کا ایمان ہے۔

حروف مقطعات قرآن حکیم میں ایک ایک دو دو تین تین چار چار پانچ پانچ کے مجموعۂ حروف کے ساتھ آئے ہیں۔ انہیں اسی ترتیب کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔

نمبر شمار	مقطعات	کن سورتوں میں وارد ہوئے	نمبر شمار	مقطعات	کن سورتوں میں وارد ہوئے
۱	ص	۳۸	۸	یٰسین	۳۶
۲	ق	۵۰	۹	الٓمٓ	۲،۳،۲۹،۳۰،۳۱،۳۲
۳	ن	۶۸	۱۰	آلمرٓ	۱۳
۴	الرا	۱۰،۱۱،۱۲،۱۴،۱۵	۱۱	طسم	۲۶،۲۷
۵	حم	۴۰،۴۱،۴۳،۴۴،۴۵،۴۶	۱۲	المص	۷
۶	طس	۲۷	۱۳	حم عسق	۴۲
۷	طہٰ	۲۰	۱۴	کھیعص	۱۹

یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ عربی زبان میں ۲۸ حروف تہجی ہیں، ان میں سے صرف ۱۴ حروف مقطعات میں استعمال کئے گئے ہیں۔ جنہیں حروف نورانیہ کہتے ہیں اور باقی ماندہ ۱۴ حروف جو مقطعات میں استعمال نہیں

ہوئے ہیں ان کو حروف ظلمانیہ کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے کلام کی ترتیب میں بھی بڑے گہرے راز پوشیدہ ہیں، جن کا قلیل علم انسان کو دیا گیا ہے اور بیشتر کا علم اللہ کو ہے۔

مصر کے ایک فاضل اور محقق استاد عبدالرزاق نوفل نے اپنی کتاب ''الاسلام الدین والدنیا'' میں یہ تحقیق پیش کی ہے کہ قرآن میں لفظ دنیا جتنی ہی بار آیا ہے جتنی بار لفظ آخرت مذکور ہے، دراصل قرآن میں ایک ترتیب، ایک توازن اور ایک عددی موضوعاتی مماثلت پائی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ تناقص اور تراجا میں باہمی ہم آہنگی ہے اور قرآن کے اعجاز کا یہ بھی ایک پہلو ہے کہ ارشاد ربانی ہے کہ !''خدا ہی تو ہے جس نے سچائی کے ساتھ کتاب نازل کی اور عدل وانصاف کی ترازو۔'' اسی لئے ہم کہا جاتا ہے کہ قرآن دراصل لفظاً معنیً، حرفاً، اعجاز ہے۔

مندرجہ ذیل الفاظ پر غور کہ قرآن میں یہ الفاظ اپنے مقابل کے الفاظ کے عین مطابق وارد ہوئے ہیں۔

دنیا	۱۱۵مرتبہ	آخرت	۱۱۵مرتبہ	بر (نیکی)	۲۰مرتبہ	ثواب	۲۰مرتبہ
شیاطین	۸۸	ملائکہ	۸۸	نطفہ	۱۲بار	طین (مٹی)	۱۲
موت	۱۴۵	حیات	۱۴۵	مغفرت	۲۳۴	جزا(سزا)	۱۱۷
نفع	۵۰	فساد	۵۰	یعنی مغفرت سزا سے دگنا			
صالحات	۱۶۷	سیات	۱۶۷	اجر (بدلہ)	۱۰۸	فعل	۱۰۸
جحیم (جہنم)	۲۶	عقاب(سزا)	۲۶	رکوع	۱۳	حج	۱۳

اسلام (امت)	٥	خمر	٥	روح-القدس	٤	شریعت	٤
کفر	٢٥	ایمان	٢٥	شہر (مہینہ)	١٢	یوم	٣٦٥
رحمٰن	٥٧	رحیم	١١٤	یعنی سال کے دنوں کے برابر			
...ی رحمٰن سے دوچند				قرآن	٦٨	ملائکہ معہ مشتقات	٦٨
[illegible]	١٤	صبر	١٤	زکوٰۃ	٣٢	برکات	٣٢
محمد ﷺ	٤	سراج (چراغ)	٤				

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایات اور مشاہدات بہت زیادہ ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد سب سے زیادہ طویل صحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ہی تھی۔ آپؓ کی روایت کے مطابق قرآن پاک میں کل ٦٦٦٦ آیات ہیں، جن کی تفصیل اس طرح ہے۔

آیات وعید	١٠٠٠	آیات وعدہ	١٠٠٠
آیات نہی	١٠٠٠	آیات امر	١٠٠٠
آیات مثال	١٠٠٠	آیات قصص	١٠٠٠
آیات تحلیل (حلال)	٢٥٠	آیات تحریم (حرام)	٢٥٠
آیات تسبیح (ادعیہ)	١٠٠	آیات متفرقہ	٦٦

اور پھر ہر سورت بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم سے شروع ہوتی ہے۔ سوائے نویں سورۂ توبہ کے، ہر سورت میں کئی آیتیں ہیں، اور ہر آیت کا ایک خاص ترنّم و تلفظ ہے۔ لیکن آیات میں حروف تہجی یا الفاظ کی یکساں حد مقرر نہیں ہے۔ کوئی ایک سورہ کسی ایک ہی موضوع کے متعلق نہیں بلکہ ایک ہی سورت میں مختلف موضوعات آتے ہیں۔ ان میں دُعا، واقعات، حکایات، ہدایتیں، احکامات، و تاکید شامل ہیں۔ اس لئے یہ ضروری نہیں کہ سورہ کا نام موضوع کے عین مطابق ہو۔ مثال کے طور پر سورۃ النحل میں مکھیوں کے متعلق صرف ایک سرسری حوالہ دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ سورۃ البقرہ، جس میں مختلف موضوعات ہیں اور اس میں بہت ہی کم اس جانور کا ذکر ہے۔ سورۃ الشعراء میں صرف چوبیسویں آیت کو چھوڑ کر باقی آیتوں میں شاعروں کے متعلق کوئی حوالہ نہیں ہے۔ بعض دفعہ ایک ہی سورہ کو دو نام دیئے گئے ہیں۔ مثلاً سورۂ توبہ، سورۂ مومن اور سورۂ حم السجدہ اس لئے سورت کے نام سے اس کا موضوع ظاہر نہیں ہوتا۔ سورتوں کے ناموں کی اصلیت کُلّی طور پر واضح نہیں ہے۔ گو کہ ماہرین و اسکالرز اور علماء نے کئی نظریات پیش کئے ہیں۔ مسلمانوں کا یہ ماننا ہے کہ وہ پُر اسرار علامتیں ہیں جو روحانی برکتوں پر مشتمل ہیں۔

کچھ ناقدین نے سورتوں کے ٹائٹل اور مواد کی نامطابقت پر تنقید کی اور اپنی سمجھ کے مطابق اُسے بے جوڑ کہا ہے، لیکن باریک بینی سے مشاہدہ کرنے پر سمجھ میں آتا ہے کہ ترتیب میں ایک خاص تنظیم کار فرما ہے۔ سورۂ فاتحہ دُعائیہ کلمات پر مشتمل ہے۔ مفسرین دوسری سورت کا خلاصہ مانتے ہیں۔ تعلیمات، احکامات اور تاکید کا جو کہ قرآن میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ اس کے بعد کی سورتوں میں اخلاقی احکامات اور تازہ واقعات و حالات کو بیان کیا گیا ہے تاکہ اہل ایمان پوری طرح سے اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کو سمجھ لیں۔

آیتیں کئی طرح کی ہیں، اُن میں تقریباً ۲۵۰ کھلی نصیحتوں پر مشتمل ہیں، جو کئی سورتوں میں دہرائی گئی ہیں۔ بعض جگہ سوال کے جواب اور بعض جگہ بحث ومباحثہ اور کچھ موقعوں پر بنیادی عقائد کا خلاصہ و تشریح بیان کیا گیا ہے۔ کئی آیتیں لفظ "قل یعنی کہو" سے شروع ہوتی ہیں۔ یعنی وحی حضرت ﷺ کو ہدایت دیتی ہیں کہ لوگوں سے کہو کہ اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے۔

قرآن کریم کے سورۃ یٰسین اور سورۃ رحمٰن جو نہایت آفریں ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کا بیان ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے دو وصف وحدت اور ذکر پر زور دیا گیا ہے۔ یہ کئی بار دہرائی گئی ہیں اور یہ ایمان و عقیدہ کے بنیادی اصول ہیں۔ اس کے بعد اہم نکتہ حیات بعد الموت کی تفصیل پر مشتمل ہے جس میں جنت کی نعمتوں اور دوزخ کی تکالیف کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ دوسرے موضوعات میں انسان کے خدا تعالیٰ کا زمین پر نائب ہونا، اس کے سماجی، معاشی، سیاسی، انتظامی مسائل و شادی بیاہ اور خاندانی مسائل اور ان کی رسم و رواج و ضابطہ حیات شامل ہیں۔ حضور اکرم ﷺ سے پہلے جو پیغمبر گزرے ہیں ان کے واقعات کئی سورتوں میں بیان کئے گئے ہیں، اور کچھ سورتوں کے نام پیغمبروں کے نام پر ہیں۔ قرآن مجید میں بیان ہے کہ :

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝

اگلے لوگوں کے ان قصوں میں عقل و ہوش رکھنے والوں کے لئے عبرت ہے۔ یہ جو کچھ قرآن میں بیان کیا جارہا ہے یہ بناوٹی باتیں نہیں ہیں۔ بلکہ جو کتابیں اس سے پہلے آئی ہیں ان ہی کی تصدیق ہے اور ہر چیز کی تفصیل اور

ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت۔(۱)

مختلف موضوعات کی ترتیب اس طرح ہے کہ جو آیتیں کسی ایک مسئلہ پر آئی ہیں وہ کئی سورتوں میں دی گئی ہیں۔ جیسے کہ پچھلے باب میں بتایا گیا ہے اور پیغمبروں کی زندگی کے واقعات جگہ جگہ پر ضرورت کے مطابق دیے گئے ہیں۔ ان حصوں کو یکجا کر کے اخلاقی اور قانونی و سماجی ضابطوں کی ایک جامع تصویر حاصل کی جاسکتی ہے۔ ممتاز مفسر علامہ جلال الدین سیوطی (۱۵۰۵-۱۴۴۵) نے سورتوں کو تاریخ وار سلسلہ سے ترتیب دینے کی کوشش کی تھی۔ لیکن مسلمانوں نے اس ترتیب کو قبول نہیں کیا۔ اس کے بعد تھیوڈور ونول ڈیکی اور دوسرے مستشرقین نے سائنٹیفک طریقہ سے اس کو تاریخ وار ترتیب دینے کی کوشش کی لیکن اُن کی کوشش کو بھی اہلِ ایمان نے قبول نہیں کیا۔ قدیم ترتیب ہی ابھی تک جاری ہے۔ کچھ ماہرین اب مانتے ہیں کہ اس ترتیب میں کسی بھی طرح کے ردوبدل سے الجھنیں پیدا ہو جائیں گی۔ اسی لئے قرآن مجید کی وہی ترتیب عالمی طور پر تسلیم شدہ ہے جو حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے سے چلی آ رہی ہے۔

نول ڈیک کے مطابق تاریخ وار تسلسل کے اعتبار سے سب سے پہلے جس وحی کا نزول ہوا وہ آیت ۲ تا ۶ پر مشتمل ہے۔ لیکن ان آیات کو ۹۶ ویں سورت میں شامل کیا گیا ہے۔ اسی طرح تاریخ وار تسلسل کے اعتبار سے ۱۱۰ ویں سورت آخری سورت ہے۔ اسی طرح سورت فاتحہ سے پہلے چھ سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس لئے تاریخی تسلسل کے اعتبار سے یہ ساتویں سورت ہے۔ لیکن قرآن مجید میں "الفاتحہ" پہلی سورت ہے۔ سیوطی کے مطابق تاریخ نزول کے اعتبار سے "البقرہ" ۸۶ ویں سورہ ہے لیکن قرآن کریم کی ترتیب میں

دوسری سورت ہے۔ قرآن مجید کے کئی ترجموں میں تاریخ وار سلسلہ نزول اور قرآن حکیم کی موجودہ ترتیب کی تقابلی جدول دی گئی ہیں۔

کچھ ناقدین کا خیال ہے کہ قدیم روایتی ترتیب بے قاعدہ ہے۔ جو کہ حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت زید بن ثابتؓ کی مرتب کردہ ہے، لیکن مولانا مودودیؒ بیان کرتے ہیں کہ:

> ”نبی ﷺ کی وفات کے بعد جب عرب میں ارتداد کا طوفان اُٹھا اور اس کو فرو کرنے کے لئے صحابہ کرامؓ کو سخت خونریز لڑائیاں لڑنی پڑیں تو ان معرکوں میں ایسے صحابہؓ کی ایک کثیر تعداد شہید ہو گئی جن کو پورا قرآن حفظ تھا۔ اس سے حضرت عمرؓ کو خیال پیدا ہوا کہ قرآن کی حفاظت کے معاملے میں صرف ایک ہی ذریعہ پر اعتماد کر لینا مناسب نہیں ہے، بلکہ الواح قلب کے ساتھ ساتھ صفحات قرطاس پر بھی اس کو محفوظ کرنے کا انتظام کر لینا چاہئے۔ چنانچہ اس کام کی ضرورت انہوں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ پر واضح کی اور انہوں نے کچھ تامل کے بعد اس سے اتفاق کر کے حضرت زید بن ثابت انصاری کو جو نبی ﷺ کے کاتب (سیکرٹری) رہ چکے تھے، اس خدمت پر مامور فرمایا۔ قاعدہ یہ مقرر کیا گیا کہ ایک طرف وہ تمام لکھے ہوئے اجزاء فراہم کر لئے جائیں جو نبی ﷺ نے چھوڑے ہیں۔ دوسری طرف صحابہ کرامؓ میں سے بھی جس کے پاس قرآن یا اس کا کوئی حصہ لکھا ہوا ملے وہ ان سے لے لیا جائے اور پھر حفاظِ کرام سے بھی مدد لی جائے، اور ان تینوں ذرائع

کو متفقہ شہادت پر کامل صحت کا اطمینان کرنے کے بعد قرآن کا ایک ایک لفظ مصحف میں ثبت کیا جائے۔ اس تجویز کے مطابق قرآن مجید کا ایک مستند نسخہ تیار کر کے اُم المومنین حضرت حفصہؓ کے ہاں رکھوا دیا گیا اور لوگوں کو عام اجازت دے دی گئی کہ جو چاہے اس کی نقل کرے اور جو چاہے اس سے مقابلہ کر کے اپنے نسخے کی تصحیح کرے۔"

جہاں تک سورتوں کی ترتیب کا معاملہ ہے یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ حضرت زید بن حارثؓ نے وہی ترتیب اور نظم برقرار رکھا جو انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے سیکھا تھا۔ ایسی کئی مستند روایتیں موجود ہیں جو ظاہر کرتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو بتلایا تھا کہ کون سی آیتوں کو کہاں رکھا جائے اور آیتوں کو ملا کر کس طرح ایک سورت مکمل ہوتی ہے۔ حضرت محمدؐ نے اس تعلق سے تفصیلی احکامات دئے جس کو احتیاط کے ساتھ کسی انحراف کے بغیر اپنا لیا گیا۔ اس کے بعد صحابہ کرام نے سورتوں کو حفظ کر لیا اور اس کو وہ نماز میں قرأت کرتے یا اور کسی موقع پر پڑھتے، قرآن مجید حضور اکرمؐ کے دورِ حیات ہی میں آپ ﷺ کے احکامات پر ہی منظم طریقہ سے مرتب کیا گیا۔ کئی سو مسلمانوں نے ایک مذہبی فریضہ سمجھ کر سورتوں کو یاد کر لیا اور اس طرح سے یہ نسل در نسل چلا آرہا ہے۔ اسی لئے زبانی قرآن، اس کی صداقت کا بیّن ثبوت ہے اور رہے گا۔ اگر آج بھی کوئی قرأت میں کچھ غلطی کر دے تو دوسرا مسلمان شخص اس کی غلطی کو فوراً لقمہ دے کر صحیح کر دیتا ہے۔

مولانا مودودیؒ نے اس بات کی وجوہات بیان کی ہیں کہ قرآن مجید کی تاریخ وار سلسلے کی ترتیب کیوں نہیں اپنائی گئی۔

"تئیس سال تک قرآن کا نزول اس ترتیب سے ہوتا رہا۔ جس ترتیب

سے دعوت کا آغاز اور اس کا ارتقا ہوا۔ اب یہ ظاہر ہے کہ دعوت کی تکمیل کے بعد ان نازل شدہ اجزاء کے لئے وہ ترتیب کسی طرح درست نہ ہو سکی تھی جو صرف ارتقاء دعوت ہی کے ساتھ مناسبت رکھتی تھی۔ اب تو ان کے لئے ایک دوسری ہی ترتیب درکار تھی جو تکمیل دعوت ہی کی صورت حال کے لئے زیادہ مناسب ہو، کیونکہ ابتداء میں اس کے مخاطب اوّل وہ لوگ تھے جو اسلام سے ناآشنائے محض تھے۔ اس لئے اس وقت بالکل نقطۂ آغاز سے تعلیم و تلقین شروع کی گئی۔ مگر تکمیل دعوت کے بعد اُس کے مخاطب اوّل وہ لوگ ہو گئے جو اس پر ایمان لا کر ایک امت بن چکے تھے اور اس کام کو جاری رکھنے کے ذمہ دار قرار دیئے گئے تھے۔ جسے پیغمبر نے نظریے اور عمل دونوں حیثیتوں سے مکمل کر کے اُن کے حوالے کیا تھا۔ اب لامحالہ مقدم چیز یہ ہو گئی کہ پہلے یہ لوگ خود اپنے فرائض سے اپنے قوانین حیات سے اور ان فتنوں سے جو پچھلے پیغمبروں کی امتوں میں رونما ہوتے رہے ہیں، اچھی طرح واقف ہو جائیں، پھر اسلام سے بیگانہ دنیا کے سامنے خدا کی ہدایت پیش کرنے کے لئے آگے بڑھیں"۔

علاوہ بریں قرآن مجید جس طرز کی کتاب ہے اسے اگر آدمی اچھی طرح سمجھ لے تو اس پر خود ہی یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ ایک طرح کے مضامین یکجا کرنا اس کتاب کے مزاج ہی سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اس کے تو مزاج کا تقاضہ ہی ہے کہ اس کے پڑھنے والے کے سامنے مدنی مرحلے کی باتیں کی دور والی تعلیم کے درمیان اور کی مرحلہ کی باتیں مدنی دور والی تقریروں کے درمیان اور ابتدائی گفتگو میں آخری تعلیمات کے بیچ میں اور آخری دور کی ہدایات آغاز کار کی تعلیمات کے پہلو میں بار بار آتی چلی جائیں، تاکہ اسلام کا پورا منظر اور جامع نقشہ اس کی نگاہ میں رہے اور کسی وقت بھی وہ یک رُخہ نہ ہونے پائے۔

پھر اگر قرآن کو اس کی نزولی ترتیب پر مرتب کیا بھی جاتا تو وہ ترتیب بعد کے لوگوں کے لئے صرف اس صورت میں بامعنی ہو سکتی تھی، جبکہ قرآن

کے ساتھ اس کی تاریخ نزول اور اس کے ایک ایک جز کی کیفیت نزول و شان لکھ کر دی جاتی اور وہ لازمی طور پر قرآن کا ایک ضمیمہ بن کر رہتی۔ یہ بات اس مقصد کے خلاف تھی جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کا یہ مجموعہ مرتب اور محفوظ کرایا تھا۔ وہاں تو پیش نظر چیز ہی یہ تھی کہ خالص کلام الٰہی، بغیر کسی دوسرے کلام کی آمیزش یا شمول کے اپنی مختصر صورت میں مرتب ہو، جسے بچے، جوان، بوڑھے، عورت، مرد، شہری، دیہاتی، عامی، عالم سب پڑھیں، ہر زمانے میں اور ہر جگہ، ہر حالت میں پڑھیں اور ہر مرتبہ عقل و دانش کا انسان کم از کم یہ بات ضرور جان لے کہ اس کا خدا اس سے کیا چاہتا ہے اور کیا نہیں چاہتا۔

یہ بات ذہن نشیں کر لینا چاہئے کہ کسی مشترک موضوع سے متعلق تمام سورتوں کو یکجا کرنا قرآن مجید کے مقصد سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اسی لئے یہ ضروری ہو گیا کہ مکی سورتوں کو مدنی سورتوں کے درمیان شامل کیا جائے، اسی طرح پہلے کی مکی سورتوں کو مدینہ میں نازل ہونے والی بعد کی سورتوں کے بیچ میں ملا یا جائے تاکہ اسلام کی ایک مکمل تصویر واضح ہو۔

قرآن مجید کے آخر میں وہ مختصر سورتیں ہیں جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں ان کی افادیت اور روحانی اہمیت کی وجہ سے مستشرقین در حقیقت بہت تعریف کرتے ہیں اور انہیں قدر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ یہ سورتیں قرآن کی تعلیمات و ہدایات کا ایک تعارف ہیں۔ ان سورتوں میں بنیادی عقائد پر زیادہ زور دیا گیا ہے اسی وجہ سے ان سورتوں کی آیتیں مختصر، رواں موزوں اور پُر لطف ہیں جو کہ پڑھنے والے کو سکون بخشتی ہیں۔ دوسری طرف مدنی سورتیں زندگی کی حقیقتوں، حکایات، احکامات اور شرعی قانون و ضوابط پر مشتمل ہیں۔ اسی لئے ان سورتوں کی زبان رواں اور نثری ہے اور انداز خطابت بھی موضوع کے اعتبار سے بدلتا ہے، کسی تاریخی واقعہ کی تشریح و خلاصہ میں جیسے

جیسے آگے بڑھتے ہیں ویسے ویسے انداز بیان مؤثر ہوتا جاتا ہے کہ ان سے جو اخلاقی سبق سیکھتے ہیں ان کی اہمیت واضح ہو جائے۔

قرآن کریم کے اسلوب کے تعلق سے جارج سیلس نے معروضی انداز میں بیان کیا ہے کہ :

”قرآن کریم کا طرز بیان بہت ہی خوبصورت اور رواں ہے۔ خاص کر جہاں پیغمبرانہ شان اور صحیفوں کا طرز بیان اختیار کیا گیا ہے، یہ انداز اختصار پر بھی مشتمل ہے اور ابہام پر بھی اور مشرقی ذوق کے اعتبار سے نمایاں تصویر کشی سے سجا ہوا ہے۔ جن میں بلیغ فقروں نے جان ڈال دی ہے۔ خصوصاً جہاں بھی اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان ملتا ہے وہ جملے عظیم الشان بھی ہیں اور نرمی و نزاکت کی رفعتوں سے پر بھی۔“

اسلام اور قرآن کے متعلق مغرب کے نظریات

(تعارفی جائزہ)

مغربی ذہن اسلام کے بارے میں کچھ غلط تصورات قائم کئے ہوئے ہے۔ اسلام کی حقیقت و اصلیت اور اس تصور کے جو اسلام کے بارے میں مغرب میں رائج ہے، درمیان ایک وسیع خلا حائل ہے۔ وہ کلّیتہً غلط بیانات، جو اسلام کے بارے میں مغرب میں جاری ہیں کچھ تو لاعلمی کے سبب اور کچھ اسلام کو بدنام کرنے کی ایک منظم مہم کے باعث ہے۔ لیکن اسلام کے بارے میں سب سے زیادہ سنگین قسم کی غلط بیانیاں وہ ہیں جن کا تعلق واقعات میں سے ہے۔ اس لئے جہاں غلط قائم کردہ آراء کو قابلِ معافی سمجھا جاتا ہے۔ وہیں واقعات کو حقیقت کے خلاف بیان کیا جانا کسی طرح بھی معاف نہیں کیا جاسکتا۔ وہ شر انگیز غلط بیانیاں جو قابل اور نہایت معروف مصنفین شائستہ الفاظ اور مہذب لہجہ میں کرتے ہیں، زیادہ ہیجان اور تشویش کا موجب ہوتی ہیں۔

۱۔ ویٹیکن شہر۔ (اطالوی زبان میں) چتادیل ویٹیکانو (Citta Del Vaticano) اٹلی کے تعلقہ روم کی حدود میں دریائے ٹائبر کے دائیں کنارے پر پاپائے اعظم کی آزاد ریاست ہے۔ رقبہ ۱۰۸.۷ ایکڑ اور آبادی (۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے مطابق) ۱۶۴۸ افراد ہے۔ یہ ریاست ۱۱، فروری ۱۹۲۹ء کو لیٹرن معاہدہ کے تحت ایک نو آبادی کی حیثیت سے وجود میں آئی تھی۔ ریاست کی حدود میں سینٹ جان لا ٹیرن کا باسلیقہ (Basilica) کیتھولک فرقہ کا سب سے بڑا گرجا سینٹ پیٹر کا باسلیقہ، ویٹیکن (پاپائے اعظم کے محلات وغیرہ کا مجموعہ)، باغات، یونی ٹیکل گریگورین یونیورسٹی (قائم شدہ ۱۹۳۰ء) وغیرہ واقع ہیں۔ اس کا اپنا ریلوے اسٹیشن، آزاد ڈاک کا نظام اور علیحدہ سکہ ہے۔ یہ شہر پاپائے اعظم کا سرکاری مستقر ہے۔

حقیقت میں کوئی شخص بھی یہ بات معلوم کر کے متاثر ہوگا کہ رومن کیتھولک فرقہ کے اعلیٰ کلیسائی طبقہ سے برابر یہ انتظامات کئے جارہے ہیں کہ اس غلط فہمی کا ازالہ کیا جائے اور ان غلط نظریات کو تبدیل کیا جائے جو اسلام کے بارے میں اتنے بڑے پیمانے پر قائم ہو گئے ہیں۔

اس تبدیلی کے سلسلہ میں جو گزشتہ چند سالوں میں رونما ہوئی ہے، روم (اٹلی) میں واقع ویٹیکن کی جانب سے ایک دستاویزی تحریر جاری کی گئی ہے۔ جو اس اعتبار سے نہایت اہم ہے کہ اس سے اس نئی صورت حال کا پتہ چل جاتا ہے۔ جو قرآن کریم کے بارے میں اختیار کی گئی ہے۔ اس دستاویز کے تیسرے اضافے میں ہم اس عبارت کا مطالعہ کرتے ہیں۔

"یہ صورتِ حال قرآن کریم کی جانب سے ہمارے رویہ میں تبدیلی کی طالب ہے۔ سب سے پہلے ہمیں اس نقطۂ نظر کو بتدریج بدلنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ جو ہمارے مسیحی بھائی قائم کئے ہوئے ہیں۔ یہ سب سے اہم مرحلہ ہے۔"

"ہمیں لازمی طور پر اس فرسودہ تصور کو محو کر دینا ہوگا جو ہمیں ماضی سے ورثہ میں ملا ہے۔ یا تعصّب یا افترا پردازی کے طور پر حقائق کو مسخ کر کے قائم کیا گیا ہے۔ ہمیں مسلمانوں کے ساتھ کی جانے والی ماضی کی اس ناانصافی اعتراف کرلینا چاہئے جس کے لئے مغرب اپنی عیسائیت کی تعلیم کی بنا پر بدنام ہے۔"

ویٹیکن سے جاری ہونے والی یہ دستاویز ایک سو پچاس صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ لہٰذا یہ اس کلاسکی نظریہ کی تردید کو وسعت دے کر خود ہمیں ان بدترین قسم کے تعصبات سے نجات دلاتی ہے۔ جو عیسائیت نے اسلام کے

بارے میں قائم کر رکھے تھے۔ ہمیں چاہئے کہ اس حقیقت کا اظہار و اعلان کر دیں۔

یہ دستاویز عیسائیوں کے لئے مندرجہ ذیل تجاویز پیش کرتی ہے۔

"اب ہمیں اپنے خیالات کی پوری طرح تطہیر کرنے کے لئے آمادہ ہو جانا چاہئے۔ خصوصاً یقینی طور پر یہ فیصلہ جات ہیں۔ ان کا مطلب کیا ہے جو تمام تر اس عنوان کے تحت بیان کئے گئے ہیں۔

Orientation pour un dialogue entre christian et musalmans.

ترجمہ :- عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان افہام و تفہیم کے لئے صحیح سمت کا تعین۔

اور جو اکثر و بیشتر نہایت سرسری انداز میں اسلام کے بارے میں کئے جاتے ہیں۔ یہ لازمی امر ہے کہ ہم اپنے دلوں میں وہ نظریات قائم نہ کریں جن تک نہایت رواداری میں اور بے اصولی کے تحت ہماری رسائی ہو اور جو دین دار مسلمانوں کے نزدیک خلط مبحث کے مترادف ہوں۔

اس نوع کا ایک انتہا پسندانہ نظریہ وہ "صفت" ہے جو لوگوں کو لفظ "اللہ" استعمال کرنے کی جانب بار بار مائل کرتی ہے اور جس کا مطلب "مسلمانوں کا خدا" سمجھا جاتا ہے۔ گویا مسلمان کسی ایسے خدا پر یقین رکھتے ہیں جو عیسائیوں کے خدا سے مختلف ہے۔ عربی زبان میں لفظ "اللہ" کے معنی ہیں "معبود" اس کا اطلاق "خدائے واحد" پر ہوتا ہے۔ اور یہ اس چیز پر دلالت کرتا ہے کہ اس کی صحیح تفہیم سے اس لفظ کا ٹھیک وہی مفہوم نکلتا ہے جو "خدایا معبود" کا ہے مسلمانوں کے نزدیک "اللہ" حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے "خدا" کے سوا کوئی دوسری ہستی نہیں ہے۔

روم کے ویٹیکن سے جو دستاویز شائع ہوئی ہے۔ وہ اس بنیادی نقطہ پر

اور دیتی ہے جو مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا گیا ہے :

"یہ کہتے رہنا مہمل و بے معنی ہوگا کہ اللہ سے مراد حقیقۃً معبود نہیں ہے۔ جیسا کہ مغرب کے بعض لوگ کہتے ہیں۔ کلیسائی دستاویزات نے مذکورہ بالا دعویٰ کو اس کے مناسب مقام پر رکھا ہے۔ خدا کے بارے میں اسلامی عقیدہ کی وضاحت اس لئے بہتر طریقہ سے نہیں ہوسکتی کہ اس کے لئے لومین گینٹیم Lumer Gentium سے مندرجہ ذیل اقتباسات پیش کر دیا جائے۔ "مسلمان حضرت ابراہیم کے عقیدہ پر کاربند ہیں اور ہماری طرح خدائے رحیم و کریم کی عبادت کرتے ہیں جو یوم الحساب میں انسانوں کے اعمال کا حساب لینے والا ہے۔"

لہذا کوئی بھی شخص مسلمانوں کے اس احتجاج کو سمجھ سکتا ہے جو وہ اکثر اوقات یورپی زبانوں میں خدا God کی بجائے لفظ اللہ کہنے پر کرتے ہیں۔ صاحب ذوق اور سمجھ دار مسلمانوں نے ڈی میسن D. Masson کے فرانسیسی ترجمہ کو سراہا ہے اور اس کی تعریف کی ہے کہ اس نے "اللہ" کی بجائے کم از کم "دیو" Dieu کا لفظ استعمال کیا ہے۔

ویٹیکن کی دستاویزات مندرجہ ذیل صراحت پیش کرتی ہیں :

"اللہ" ہی وہ واحد لفظ ہے جو عربی بولنے والے عیسائیوں کے پاس خدا کے لئے ہے۔ مسلمان اور عیسائی خدائے واحد کی عبادت کرتے ہیں۔"

اسلامی 'قضا و قدر' کا مسئلہ وہ شے ہے جس کا سہارا لے کر اور غلط

مفہوم پیش کر کے بڑے پیمانہ پر تعصب پھیلایا گیا ہے۔ دستاویز اس کا جائزہ لیتی ہے اور غلط مفہوم کی تردید میں اُس ذمہ داری کے تصور کو پیش کرتی ہے جو انسان پر عائد ہوتی ہے اور جس کی جانچ اُس کے اعمال سے کی جائے گی۔ غلط مفہوم سے تو یہ مترشح ہوتا ہے کہ اسلامی عقیدۂ نجات بالعمل کا تصور باطل ہے۔ اس کے برخلاف قرآن کریم کے یہ دو فقرے پیش کر کے وہ اُس غلط مفہوم کو رد کر دیتی ہے جو مغرب میں عام طور پر لیا جاتا ہے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ

دین کے معاملہ میں کوئی زور زبردستی نہیں۔ (یعنی کسی کو ایمان لانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔) (۱)

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ

ترجمہ:۔ اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ (۲)

دستاویز، اسلام کے بارے میں اس تصور کو رد کرتی ہے اور جس کے موجب اس کو "خوف و ہراس" کا دین قرار دیا جاتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں وہ اس کو "پیار و محبت کا دین" گردانتی ہے۔ وہ اس غلط طور پر پھیلے ہوئے تصور کی بھی تردید کرتی ہے کہ "اسلام میں کوئی ضابطۂ اخلاق نہیں ہے اور دوسرے اس تصور کی جو یہودیوں اور عیسائیوں میں عام طور پر پایا جاتا ہے کہ اسلام کی بنیاد تشدّد پر ہے۔

اس مسئلہ پر اُس کی توضیحات حسب ذیل ہیں۔

"حقیقت میں اسلام اپنی تاریخ کے دوران اس سے زیادہ تشدّد نہیں رہا جتنے عیسائیت کے متبرک بروج ہیں۔"

---

(۱) ا۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۵۲۔

۲۔ سورۂ حج آیت ۷۸۔

اس موقع پر ویٹیکن کی دستاویز قرآن سے جن عبارتوں کے حوالے دیتی ہے اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح مغرب میں ''جہاد'' (مقدس جنگ) کی غلط تعبیر و تاویل پیش کی گئی ہے۔ عربی میں یہ لفظ جو مفہوم رکھتا ہے وہ ''الجهاد فی سبیل الله'' (راہ خدا میں سعی بلیغ سے کام لینا) سے ادا ہوتا ہے۔ اشاعت اسلام میں جدوجہد کرنا اور معاندین کے مقابلہ میں اس کا دفاع کرنا۔ ویٹیکن کی دستاویز میں حسب ذیل طریقہ پر اس کی وضاحت کی گئی ہے۔

> ''جہاد'' بائبل کا ''خیرم'' Kherem ہر گز نہیں ہے۔ یہ استحصال کی جانب نہیں لے جاتا بلکہ نئے علاقوں میں حقوق اللہ اور حقوق العباد، کی اشاعت اس کا مقصد ہے۔ انتہائی تشدد کی صورت میں جہاد عموماً قوانین جنگ کو اختیار کرتا ہے۔ جیسا کہ صلیبی جنگوں کے موقع پر ہوا۔ علاوہ ازیں مسلمانوں نے کبھی بھی بدترین حالات پیدا نہیں کئے اور نہ خوں ریزی کی۔''

آخر میں دستاویز اُن تعصبات سے بحث کرتی ہے۔ جن کی بنیاد پر اسلام کو ایک تنگ نظر مذہب خیال کیا جاتا ہے۔ جو اپنے ماننے والوں کو فرسودہ قسم کے ازمنۂ وسطیٰ کی اصولوں سے باندھے رکھنا چاہتا ہے، اور اس طرح ان کو جدید دور کی فنّی کامیابیاں حاصل کرنے کے لئے ناکارہ بنادیتا ہے۔ اس کا مقابلہ دستاویز اس مماثل کیفیت سے کرتی ہے جو عیسائی ملکوں میں دیکھنے میں آتی ہے۔ اس کا بیان درج ذیل ہے۔

> ''ہم دیکھتے ہیں کہ سویلین معاشرے میں مسلمانوں نے ارتقا کے اصول کے تحت روایتی طور پر وسعت حاصل کی۔''

ویٹیکن میں اسلام کا یہ دفاع آج کل کے بہت سے ایمان رکھنے والوں کو خواہ وہ مسلمان ہوں خواہ یہودی ہوں اور خواہ عیسائی ہوں ان پر شش کر

دے گا۔ مغرب میں بہت کم لوگ ایسے ہیں جو کیتھولک مذہب کے اس جدید رویّہ سے آگاہ ہوں گے جو اُس نے اختیار کیا ہے۔

ایک مرتبہ جب کوئی اس حقیقت سے آگاہ ہو جاتا ہے تو اسے اسلام کے بارے میں اتنی حیرت نہیں ہوتی جتنی ان اقدامات کے بارے میں ہوتی ہے جنہوں نے مفاہمت کی راہ کو مسدود کر رکھا تھا۔

پہلا وہ سرکاری دورہ تھا جو ویٹیکن کے امور خارجہ کے صدر نے سعودی عرب کے سربراہ مملکت شاہ فیصل کی خدمت میں حاضری کی صورت میں کیا تھا۔ پھر وہ شاندار خیر مقدم تھا جو ۱۹۷۴ء کے دوران عرب کے عظیم علماء کا سرکاری طور پر پوپ پال ششم نے کیا تھا۔ اس کے بعد مذہب اسلام کے بارے میں واضح طور پر معلومات اس وقت حاصل ہوئیں جب تقدس مآب اسقف اسٹرگ نے ان عظیم علماء کا اپنے کنیسہ میں استقبال کیا اور ان کو مسرود خانہ میں عبادت کے لئے دعوت دی۔ یہ فریضہ انہوں نے قربان گاہ کے سامنے مکہ کی جانب رخ کر کے ادا کیا۔ اس طرح عیسائی اور مسلم دنیا کے نمائندے اونچی سطح پر اس بات پر راضی ہو گئے کہ وہ الہامی کتابوں یعنی چار حواریوں کی کتب عہد نامہ قدیم، عہد نامہ جدید اور قرآن کے استناد کے بارے میں معلومات کا سائنسی طریقوں کی روشنی میں جائزہ لیں۔

مدت مدید تک عیسائی دنیا میں سائنسی ترقی کی مخالفت زیر غور مقتدرہ کی جانب سے ہوتی رہی۔ سائنس دانوں کو جلاوطن کیا گیا اور زندہ جلا دیا گیا، جیسے گیار دو توبر نو کو۔

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اس کا رویّہ سائنس کی جانب سے قطعا مختلف رہا۔ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ قرآن جہاں ہمیں سائنس کو ترقی دینے کا حکم دے رہا ہے وہیں خود اس کے اندر قدرتی حوادث سے متعلق ایک

بڑی تعداد ان مشاہدات کی ہے اور اُن کے سلسلے میں ایسی تشریحی تفصیلات بھی ہیں جو جدید سائنسی معلومات سے کُلّی طور پر متفق ہیں۔ لیکن یہودی، عیسائی بائبل میں اس کے مساوی کوئی بھی چیز موجود نہیں ہے۔

قرآن اور سائنس

قرون وسطیٰ میں عیسائی دنیا ایک خوں ریز کشمکش میں مبتلا تھی۔ ایک طرف کلیسا تھا جو دین کا نمائندہ تھا، اور اس کی بنیاد ''رہبانیت'' پر تھی، دوسری طرف حکومت تھی، جو جاہ و جلال کا مظہر اور اس کا ذریعہ تھی، ان کے درمیان ایسی رسّہ کشی ہوئی کہ بالآخر دین و سیاست الگ الگ ہوگئے، جس کا نتیجہ سب کو معلوم ہے اور دنیا اب تک اس کی ۱۰ ابھگت رہی ہے، اور اس راستہ میں ٹھوکریں کھا رہی ہے۔

مسخ شدہ عیسائیت کے برخلاف اسلام دین اور ریاست کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتا، وہ ایک مکمل نظام حیات ہے جو تمام انسانی سرگرمیوں پر محیط ہے۔ اسلام نے علم کی تحصیل پر بہت زور دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی پہلی وحی میں تحصیل علم کا حکم موجود ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ کی متعدد احادیث میں اس کی تاکید کی گئی ہے۔

قرآن کریم میں بہت سے سائنسی حقائق بیان کیے گئے ہیں۔ مثلاً اس میں علم کائنات، فلکیات، ارضیات، معدنیات، موسمیات، حیاتیات، علم الحشرات اور دوسرے سائنسی موضوعات مذکور ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور سائنس کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے۔ البتہ ان میں باہم اختلاف اس وقت رونما ہوتا ہے جب سائنسی طریقۂ کار کو اسلام کے اقدار پر فوقیت دی جانے لگے۔ اسلام کی رو سے علم بجائے خود مقصود نہیں ہے بلکہ

معرفتِ رب کا ذریعہ ہے۔ وہ مظاہر فطرت کے مطالعہ کا حکم غلبہ واقتدار کی خواہش کی تکمیل کے لئے نہیں بلکہ روحانی زندگی کی ارتقاء کے لئے دیتا ہے۔ جدید سائنس عقل کو اخلاق واقدار کی حدود سے بالاتر سمجھتی ہے اور اس میں یوم آخرت کا کوئی تصور نہیں، جبکہ قرآنی اقدار میں عقل اور وحی دونوں متوازی ہیں اور ایمان بالآخرت اسلام کے بنیادی اقدار میں سے ہے۔ اسلام میں سائنسدان خدا اور بندوں دونوں کے تئیں کچھ ذمہ داریاں رکھتا ہے، جن کے سلسلہ میں اسے آخرت میں جوابدہی کرنی ہوگی، جبکہ سائنس اس قسم کے تصورات سے عاری ہے۔ اسی طرح اسلام کی رو سے سائنس کے وسائل وذرائع اور اس کے مقاصد میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں قرآنی اقدار کے ماتحت ہوں گے۔ جبکہ سائنسدان کہتے ہیں کہ سائنس کو مسائل انسانیت اور اخلاقی قدروں پر توجہ دیئے بغیر اپنا راستہ طے کرنے کی اجازت ملنی چاہئے۔

کیا سائنس اور اسلام کے درمیان تصادم ہے

انسان کے پاس عقل بھی ہے اور مادۂ تجسس بھی۔ ان دونوں نے اس کے اندر یہ جاننے اور سمجھنے کا زبردست داعیہ مہیا کر دیا ہے کہ اس کی تخلیق کا مقصد کیا ہے اور اس کے اردگرد کے ماحول سے اس کے تعلق کی نوعیت کیسی ہے۔ اس لئے یہ مفروضہ قائم کرنا مناسب ہوگا کہ سائنس اور مذہبی سرگرمیوں کا آغاز تقریباً تخلیق آدمؑ کے ساتھ ساتھ ہوا۔ روئے زمین پر ہر طرح کی ثقافت کا ارتقاء بلکہ سچ پوچھئے تو تمام تر انسانی ترقیوں کا بڑا سبب مذہب اور سائنس تھے۔

تہذیب کی ابتداء ہی سے بنی نوع انسان کی نسلیں اپنے وقت اور اپنی توانائی کا حد سے زیادہ حصہ دولت جمع کرنے اور زیادہ سے زیادہ وسائل اور

واسطے ہتھیانے میں صرف کرتی رہی ہیں۔ اس عمل میں سائنس اور ٹیکنالوجی کا کسی نہ کسی شکل میں کلیدی رول رہا ہے۔ رہا مذہب کے روایتی کردار کا معاملہ تو اس نے اس کرۂ ارض پر زندگی کے ناپائیدار ہونے پر زور دیا ہے، مادّی منفعت کے پیچھے دیوانہ وار دوڑ کو کم کیا ہے اور معاشرہ کی روحانی ترقی کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ متوازن زندگی کو ممکن بنانے والی آئیڈیل سوسائٹی کا قیام خالصتاً مادّی ترقی کے حصول میں سرگرم اداروں اور گروہوں کی مسلسل مخالفت کی وجہ سے شاذ و نادر ہی ممکن ہو سکا ہے۔ حق اور باطل کی قوتوں کے مابین یہ لامتناہی جنگ کل بھی جاری تھی، آج بھی جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گی۔

غالباً اس قدیم کشمکش کا مطالعہ ہی تھا۔ جس کی بنیاد پر انگرسول (Ingersoll) نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ مذہب نے اسپین کو ستار، اٹلی کو ارگن اور آئرلینڈ کو معمولی حیثیت میں تبدیل کر دیا ہے، کارل مارکس تو اس سے بھی آگے بڑھ گیا۔ اس نے دنیا کے تمام مذاہب کو عوام کی افیون قرار دیا۔

سائنس اور مذہب کی ظاہری کشمکش اور اس کے نتیجے میں دونوں طاقتوں، کی الگ الگ خانوں میں تقسیم دراصل مغرب کی پیدا کردہ ہے۔ دونوں کا یہ باہمی نزاع عیسائیت کے محافظ ہونے کا دعویٰ کرنے والوں اور ان کے روحانی اور مادّی اقتدار کو چیلنج کرنے والوں کے مابین عداوتوں کا نتیجہ تھا۔ یہ بات یورپ کی تاریخ میں پوری طرح محفوظ ہے کہ جن اسباب و عوامل نے عیسائیت کو ادارہ کی حیثیت دی، انھیں اسباب و عوامل نے اہلِ علم اور سائنس والوں کو علیحدہ اور متوازی راہ پر گامزن کر دیا۔ مذہب اور سائنس کی تقسیم خاص طور سے یورپی تجربہ تھا۔ لیکن اسے مذہب اور سائنس کی دائمی اور ہمہ گیر کشاکش پر محمول کر لیا گیا۔ دوسرے معاشرے میں اس فکر کا وجود محض مغرب کی نقالی ہی نہیں بلکہ علمی کم مائیگی کی دلیل بھی ہے۔

غیر یورپی تہذیبیں مثلاً چین اور اسلام ان تاریخی تجربات سے بالکل بیگانہ رہی ہیں، کیونکہ ان کے نظریۂ کائنات کی رو سے عقل اور وحی، سائنس اور مذہب ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ دلچسپ بات تو یہ ہے کہ مسلم نظریے کے مطابق حقیقی عیسائیت اور سائنس کے درمیان کوئی تنازعہ نہیں ہو سکتا۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ موسیٰ، عیسیٰ اور محمد ﷺ سمیت تمام انبیاء کی دعوت ایک تھی۔

قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝

ترجمہ: مسلمانوں کو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس ہدایت پر جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور اولاد یعقوب کی طرف نازل ہوئی تھی اور دوسرے تمام نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئی تھی، ہم ان کے مطیع فرمان بردار ہیں۔ (۱)

لیکن مسلمانوں کو یقین ہے کہ پاپائیت کے زیر تسلط عیسائیت کی تفہیم دین و دنیا نے اصل دعوت کو بدل ڈالا ہے۔ ورلڈ کونسل آف چرچز World Council of Churches اور مخلص عیسائی اہل علم کے ذریعہ بائبلی تعلیمات کی حالیہ تشریح و عیسائیت کو بڑی حد تک اسلام کے قریب لے آئی ہے۔

بائبل قرآن اور سائنس

(تقابلی جائزہ)

اب بھی یہ استدلال پیش کیا جا سکتا ہے کہ بائبل عقیدہ اور عیسائی کتاب مقدس کی اشاعت و تبلیغ سائنس اور ٹیکنالوجی کی جدید ترقیوں کے لئے

(۱) ا۔ سورۂ بقرہ آیت ۱۳۶،

لازمی پیش منظر تھیں۔ کم سے کم تین اہم عناصر جو بائبل میں مسلّم تھے،
سائنسی نقطۂ نظر کے معرض وجود میں آنے سے پہلے ضروری تھے۔

اوّل یہ کہ بائبل کا نظریۂ فطرت جائے خود ضروری تھا۔ بائبلی عقیدہ
کے حامل شخص کی نظر میں مناظر فطرت غیر مقدس تھے۔ اہل کتاب کی رو سے
ہر چیز جو زمین پر، اور اب خلائی دور میں زمین سے ماوراء خلاؤں میں انسان کو میسا
ہے، اسے جا طور پر انسانی فائدہ اور انسانی مقاصد کے لئے استعمال کیا جاسکتا
ہے۔ فطرت کی کوئی بھی شئے ایسی نہیں ہے کہ اس سے خوف کھایا جائے یا اسے
کوئی تقدس دیا جائے بلکہ فطرت کو خدا کی صناعی تصور کیا جانا چاہئے، اور زیادہ
سے زیادہ اسے خدا کے جلال و جمال کا ہلکا سا پر تو سمجھنا چاہئے۔ فطرت انسان کی
خادم ہے۔ یہ بنیادی اصول صرف بائبل کی کتاب پیدائش ہی میں نہیں بلکہ زبور
میں بھی ہے۔ مثال کے طور پر زبور کے آٹھویں باب کی آیت نمبر ۶ میں یہ قول
موجود ہے:

"تونے اپنے ہاتھ کی صنعت پر انسان کو غلبہ دیا ہے۔ تونے
تمام چیزیں اس کے پیروں کے نیچے رکھدی ہیں۔"

دوسرا اہم عنصر بائبل کا نظریۂ عمل ہے اس اصول پر عیسائی ادوار میں
یونانی فلسفہ کے اثرات کی وجہ سے پردہ پڑ گیا تھا۔ جب انسان کی فطرت کے
بارے میں بائبل کے بے لاگ تصور پر نظر پڑتی ہے تو نظریۂ عمل بھی صاف طور
سے بین السطور دکھائی دیتا ہے۔ یہاں بنی نوع انسانی کو طبیعی مادہ میں مقید کوئی
جوہر مجرد نہیں سمجھا جاتا اور نہ ہی اس کی اس طرح حوصلہ افزائی کی جاتی ہے کہ
وہ اپنی بشریت سے ماوراء مقام حاصل کرے، یہی وجہ ہے کہ جہاں اس بائبلی
نظریہ کی حکمرانی ہے وہاں نہ تو انسانی جسم کی تحقیر کی جاتی ہے اور نہ ہی ان
کاموں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ جن کی انجام دہی میں جسم کی قوتیں
صرف کی جاتی ہیں۔ غرض یہ کہ وہاں جسمانی مشقت کوئی ذلیل امر نہیں ہے۔

تیسرا بنیادی نکتہ بائبل کا نظریۂ تقدیر ہے۔ قدیم زمانے میں موسموں اور فطری مظاہر مثلاً ستاروں کی نقل و حرکت کو دیوتاؤں سے منسوب کیا جاتا تھا۔ توریت نے اس نظریۂ الوہیت کی سختی سے تردید کی۔

نظریۂ تغیر یعنی کوئی نیا عمل کرنے کا نظریہ بائبل میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ دور جدید کی بھی یہ ایک اہم علامت ہے۔ بائبلی مذہب اور طرز جدید دونوں عدم تحریک یا نظریۂ جبر کی تردید کرتے ہیں۔ دونوں انسان کو اول تو تغیر و تبدّل پیدا کرنے کی اہل مخلوق اور دوسرے اسے خود اپنی قسمت، اپنے عمل اور دنیا کے نظم کا ذمہ دار گردانتے ہیں۔ (۲)

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دور جدید کے عیسائی محققین اس حقیقت کا از سر نو تحقیق کر رہے ہیں کہ بائبل کی تعلیمات سائنسی افکار کی مخالفت یا ممانعت نہیں کرتیں۔ بہر حال یہ صریح رواداری ابھی تک ایسی کوئی مکمل مصالحت پیدا نہیں کر سکی ہے کہ جس کی بناء پر سائنسی سرگرمیوں میں اخلاقی تصورات کی کارفرمائی ہو سکے۔ لیکن مصنوعی طریقۂ تولید Gene Cloning تا کلی انجینئرنگ Genetic Engineering اور نیوکلیئر توانائی اور ہتھیاروں کی دوڑ Nuclear Energy and Armament وغیرہ ایسے سنگین خیز مسائل ہیں جن کی سنگینی اہل کلیسا کو یہ تسلیم کرنے پر مجبور کر دے گی کہ دین کو دنیا سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔

اسلام اور تحصیلِ علم :

عیسائیت کے برخلاف اسلام ریاست اور دین کے معاملات میں باہم

۲۔ جان کوگلی، مذہب ایک سیکولر سوسائٹی میں، پال مال پریس، لندن ۱۹۶۸ء، ص ۸۲-۸۳۔

کوئی فرق نہیں کرتا۔ اس ضمن میں اسلام کو عام معنی میں مذہب نہیں بلکہ ایک مکمل نظام حیات کی حیثیت دینی چاہئے۔ اسلام بیک وقت مذہب بھی ہے، ثقافت بھی ہے اور تہذیب بھی اور تمدن بھی۔ یہ نظریہ کلیت کے روپ میں انسانی عمل کے ہر پہلو کو اپنے دائرہ میں لاتا ہے۔ اسلامی اصول اخلاق اور اقدار تمام تر انسانی سرگرمیوں پر محیط ہیں۔ پھر تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے پاس لازماً سائنس اور علم کے متعلق احکام و اصول ہوں گے۔

اسلام نے عربوں کو وصیت کی کہ وہ اپنے خالق کے وجود کو پہچانیں، اور جس نے انھیں اور ان کی کائنات کو پیدا کیا ہے اس کی اطاعت کریں اور اپنی باطل رسومات کو ترک کر دیں۔ اسلام نے واضح کیا کہ انسان کے تعلق سے اللہ کی صحیح حیثیت کی معرفت تفکر و تدبر کی عظیم معراج ہے۔ اس نے دعویٰ کیا کہ اللہ خود دماغ کا خالق ہے۔ اسی لئے وہی تمام تر علم کا حتمی ماخذ و منبع ہے۔ اس کی رو سے اللہ کی ذات انسان اور اس کی دنیا سے الگ نہیں کی جاسکتی، اس نے اس تصور کی تردید کی کہ اللہ اپنے عرش پر فاصل وجود کی حیثیت سے متمکن ہے اور بتایا کہ اس کی ذات پاک پوری سرگرمی کے ساتھ اس کائنات کی تمام کاروائیوں سے وابستہ ہے۔ مسلمانوں کی نظر میں علم کی کنجیاں اللہ کے پاس ہیں، اس لئے انسان کا مقصد زندگی علم کی روشنی کے ذریعہ جہالت کے اندھیروں کو دور کرنا ہے۔ اس کی وجہ سے انھوں نے پوری کائنات کو اپنے حق میں عطیہ الٰہی تصور کیا اور اس کے مطالعہ میں اپنی بھر پور اخلاقی اور علمی توانائی صرف کر دی۔ اسلام نے پُرزور مطالبہ کیا کہ علم کی جستجو میں آدمی سائنس کا مطالعہ کرے، کیونکہ سائنس جائے خود اللہ کا مقرر کردہ نظام ہے۔ ان کے نزدیک اللہ ہی ان تمام اجزاء کا خالق ہے۔ جن پر الکیمیاء کی بنیاد ہے۔ وہی اس نظام شمسی کا بھی معمار ہے۔ جس کا مشاہدہ ماہرین فلکیات کرتے ہیں اور وہی انسان کے حیاتیاتی نظام کا بھی مرتب ہے۔ انسان ایک ایسا وجود ہے جس کے دماغ کی

ساخت فلسفیوں کو الجھن میں ڈال دیتی ہے۔ اور جس کے اعضاء کی ترتیب و بناوٹ پر ماہرین طب انگشت بدنداں ہیں۔(۱)

اسلام میں کسی پروہتائی یا کسی طبقۂ خاص کی مذہبی اجارہ داری کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ وہ اپنے ہر پیرو کو علم حاصل کرنے اور معاشرہ اور اللہ دونوں کے تئیں اپنے فرائض اور ذمہ داریوں سے باخبر رہنے کا حکم دیتا ہے۔ اسلام میں تحصیل علم انفرادی فریضہ بھی ہے اور اجتماعی بھی۔ قرآن میں ایسی بے شمار آیات ہیں جن میں مومنوں کو وہ علم حاصل کرنے کی تاکید کی گئی ہے جو اللہ کے پیغام، کائنات اور اس کی ہر شئے کا اچھی طرح فہم حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ پر جو پہلی وحی نازل ہوئی تھی اس میں اللہ کی طرف سے لکھنے پڑھنے اور علم حاصل کرنے کا حکم ہے :-

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ٥ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ٥
اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَ كْرَمُ ٥ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ٥ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ
مَالَمْ يَعْلَمْ ٥

پڑھو (اے نبی ﷺ) اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، جس نے جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا، انسان کو وہ علم دیا ہے۔ جسے وہ جانتا نہ تھا۔(۲)

خود رسول اللہ ﷺ نے بھی بار بار اور بڑے مؤثر انداز میں تحصیل علم کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ ذیل میں چند احادیث بطور نمونہ پیش کی جا رہی ہیں۔

۱۔ قاسم اگرام، طبیعی علوم کی بنیادیں، لارنس پریس کمپنی، سیڈر، پیڈس، ۱۹۸۱ء ص ۷،

۲۔ [illegible] العلق، آ[illegible]

"علم حاصل کرو۔ یہ اپنے حامل کو حق و باطل میں فرق کرنے کی صلاحیت عطا کرتا ہے، یہ جنت کی طرف جانے والی راہ کو منور کرتا ہے۔ یہ ویرانیوں میں ہمارا دوست ہے، تنہائی میں ہمارا رفیق ہے اور دوستوں کی عدم موجودگی میں ہمارا ہمدم ہے۔ یہ خوشحالی کا راز بتاتا ہے۔ یہ ہمیں مصائب میں ثابت قدم رکھتا ہے۔ یہ دوستوں کے درمیان زیور ہے، اور دشمنوں کے خلاف ڈھال ہے۔"

ہر مسلمان (مرد و عورت) پر علم حاصل کرنا فرض ہے۔
فرشتے طالب علم کی راہ میں اپنے پَروں کو بچھاتے ہیں۔
علم حاصل کرو چاہے تمہیں چین ہی کیوں نہ جانا پڑے۔ (۱)

اصحاب رسول ﷺ اور دور اول کے مسلمانوں نے دین اور زندگی کے دوسرے شعبوں سے متعلق علم حاصل کرنے اور اسے پھیلانے میں اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ علم سیکھنے اور سکھانے کا ان کا عزم کتنا مصمم تھا، اس کا اندازہ چوتھے خلیفۂ اسلام سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اقوال سے کیا جاسکتا ہے۔ اس میں انھوں نے علم کو دولت سے تشبیہ دی تھی۔

۱...... علم انبیاء کی وراثت ہے، دولت فرعون کی وراثت ہے۔ لہذا علم کو دولت پر تفوق حاصل ہے۔
۲......
۳...... دولت کی حفاظت تمہیں کرنی پڑتی ہے جب کہ علم تمہاری حفاظت کرتا ہے۔ لہذا علم بہتر ہے۔
۴...... دولت مند کے بہت سے دشمن ہوتے ہیں، جب کہ اہل علم کے بہت سے دوست ہوتے ہیں۔ اس لئے علم بہتر ہے۔

۱۔ حوالہ احادیث نبوی ﷺ پر نظر۔ از ایم عزیز اللہ، کراچی، ۱۹۶۵ء، ص ۱۵۔ ۱۱۳۔

۵...... علم بہتر ہے کیونکہ یہ تقسیم کرنے سے بڑھتا ہے اور دولت بانٹنے سے گھٹتی ہے۔

۶...... علم بہتر ہے کیونکہ عالم فیاض ہوتا ہے اور دولت مند شخص بخیل ہوتا ہے۔

۷...... علم بہتر ہے کیونکہ اسے چرایا نہیں جاسکتا۔ جبکہ دولت چوری کی جاسکتی ہے۔

۸...... علم بہتر ہے کیونکہ علم کو نقصان نہیں پہنچایا جا سکتا، لیکن دولت کو وقت گزرنے پر زنگ لگ جاتا ہے اور ختم ہو جاتی ہے۔

۹...... علم بہتر ہے کیونکہ یہ دماغ کو روشن کرتی ہے، جبکہ دولت اسے اندھیروں کی سیاہی دیتی ہے۔

۱۰...... علم بہتر ہے کیونکہ اس نے ہمارے رسول ﷺ کو اللہ کے حضور یہ کہنے پر آمادہ کیا کہ "ہم تیری عبادت کرتے ہیں کیونکہ ہم تیرے بندے ہیں" جب کہ دولت نے فرعون و نمرود میں غرور و تمکنت پیدا کر دی، جس کی بناء پر وہ خدائی کا دعوی کر بیٹھے۔"(۱)

اس طرح شروع سے ہی اسلام نے تحصیل علم کے وسائل فراہم کرنے اور علم کی اشاعت کرنے پر زور دیا۔ اسلام کے دور اول میں اسلامی تعلیمات کے آغاز اور اس کی اشاعت کا مرکز درس گاہوں کے بجائے افراد تھے۔ نصاب تعلیم پر انفرادی کوششوں کی چھاپ تھی۔ کچھ ممتاز شخصیتیں جنہوں نے احادیث کا علم حاصل کیا تھا اور ان کی بنیاد پر اپنے اپنے قانونی اور فقہی مذاہب قائم کئے تھے۔ ان کے پاس دور و نزدیک سے طالبان علم آتے اور ان سے علم حاصل کرتے تھے۔ اس نظام تعلیم کی اولین خصوصیت استاد کی

۱۔ ایم، ایم، خاں، حکایات اسلام، لاہور، ۱۹۶۶ء، ص ۱۰۳۔

[...]انفرادی اہمیت تھی۔ شائقین علم نامور اساتذہ کے دروس سے مستفید ہونے کی غرض سے طویل مسافتوں کا اور کبھی کبھی تو عالم اسلام کے تمام علاقوں کا سفر [...] تھے۔ (۱)

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ہزاروں مسلم طلباء اور علماء نے اپنی زندگیاں [...] کر رکھی تھیں، انھوں نے ایشیاء افریقہ اور یورپ کے براعظموں کے [...] عریض علاقوں کی صحرانوردی علم حاصل کرنے اور مسلمانوں اور غیر [...]ں کے درمیان یکساں طور سے اس کی اشاعت و تبلیغ کرنے کے مقصد [...] کی۔

یہودیت کی مانند اسلام نے بھی اپنے آغاز میں 'معرفتِ رب' کو علم و [...] کی ابتداء وانتہا کی حیثیت دی، لیکن آفریں ہے اسلام کی ارتقاء پذیر روح [...] اس نے 'معرفتِ رب' کو علم و حکمت کے نقطۂ آغاز کی حیثیت سے باقی رکھا [...] اسے نقطۂ انجام کی حیثیت سے ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ (۲)

[...]سائنسی موضوعات پر قرآن کے انکشافات:

مسلمانوں کے نزدیک علم و ہدایت کا سرچشمہ بلاشبہ قرآن کریم ہے۔ [...] علم نجات کی منزل تک جانے والے جادۂ حق میں مشعل راہ کی حیثیت رکھتا [...] اگرچہ قرآن کا مرکزی موضوع اللہ تعالیٰ اور اس کی خلق ہے۔ پھر بھی [...] میں بہت سے سائنسی حقائق کا بھی ذکر ہے۔ یہ موضوعات قاری کو یاد [...] ہیں کہ اللہ نے ہمیں مظاہر قدرت کو سمجھنے اور ان کا صحیح فہم حاصل

---

(۱) [...]فضل الرحمٰن، اسلام، اینکر بکس، نیویارک، ۱۹۶۶ء، ص ۲۲۶،

(۲) [...] اللہ اخش، تاریخ میں اسلامی تہذیب کا حصہ، تاریخ غیر مذکور، اڈیشن ۱۹۲۶ء، [...]، جلد دوم، ص ۵۸،

کرنے کے لئے تمام ضروری صلاحیتیں اور قوتیں عطا کی ہیں :

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ۔

اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں علم رکھنے والوں کے لئے۔ (۱)

قرآن کریم میں بہت سے سائنسی اصولوں اور ان کے موضوعات کا ٹھیک ٹھیک تذکرہ اور تشریح ہے۔ مثلاً مسئلہ آفرینش Cosmogony، علم کائنات Cosmology، فلکیات Astronomy، علم تشریح الاعضاء Anatomy، ارضیات Geology، معدنیات Minerology، فلزاتیات Metalourgy، موسمیات Meteorology، زراعت Agriculture، فن باغبانی Horticulture، گلہ بانی Animal Husbandry، ڈیری فارمنگ Dairy Farming، فن جہاز رانی Navigation، غذا کی حفاظت Food Preservation، راشننگ Rationing، اور ذخیرہ اندوزی Storage۔

کچھ مخصوص سائنسی موضوعات جن کا تذکرہ قرآن کریم میں ہے یہ ہیں :

۱۔ زندگی کی ساخت اور نوعیت (علوم حیاتیات)

۲۔ آسمان، سورج، چاند، تارے، رات، دن، سال (خلا اور سیاروں سے متعلق علوم)۔

۳۔ ہوا، طوفان، بجلی، بادل، بارش، برف باری، (موسمیات)،

۱۔ سورۃ الروم آیت ۲۲۔

۴۔ سمندر، دریا، چشمے، سیلاب (ذخائرِ آب)،

۵۔ زمین، پہاڑ، چٹانیں، دھاتیں، قیمتی دھاتیں (ارضیات)،

۶۔ پودے، پیڑ، سبزہ زار، پھل، سبزیاں (شجریات)،

۷۔ پالتو جانور، مویشی، اونٹ، گھوڑے، بھیڑ بکریاں (مویشی بانی اور گلّہ بانی)،

۸۔ جنگلی جانور مثلاً ہاتھی، بھیڑیے، کتّے اور بندر (جنگل کی زندگی سے متعلق علم)،

۹۔ مچھّر، ٹڈیاں، چیونٹیاں، مکھیاں، مکڑیاں، شہد کی مکھیاں، جوں (علم الحشرات)،

۱۰۔ مینڈک اور مچھلیاں (بحری حیاتیات)،

قرآن میں جانوروں اور کیڑوں کے نام پر کئی سورتیں ہیں، مثلاً النمل (چیونٹی) سورۃ العنکبوت (مکڑی)، سورۃ النحل (شہد کی مکھیاں) اور سورۃ البقرہ (گائے) نظام شمسی اور خلا سے متعلق سائنسی ان موضوعات میں ملتا ہے جن کا تذکرہ قرآن میں اکثر بیشتر مقامات پر آیا ہے۔ ذیل میں کچھ مثالیں دی جارہی ہیں۔

وَآيَةٌ لَّهُمُ اللَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُم مُّظْلِمُونَ
وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ
الْعَلِيمِ O لَا الشَّمْسُ يَنبَغِي لَهَا أَن تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا
اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ O

ان کے لئے ایک اور نشانی رات ہے۔ ہم اس کے اوپر سے دن ہٹا دیتے ہیں تو ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے اور سورج وہ اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جاتا ہے۔ یہ زبردست علم ہستی

اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جاتا ہے۔ یہ زبردست علم ہستی کا باندھا ہوا حساب ہے اور چاند اس کے لئے ہم نے منزلیں مقرر کردی ہیں یہاں تک کہ ان سے گذرتا ہوا وہ پھر کھجور کی سوکھی شاخ کے مانند رہ جاتا ہے، نہ سورج کے بس میں ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جاسکتی ہے، سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔ (۱)

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝

اِنَّ فِیْ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ ۝

وہی ہے جس نے سورج کو اجیالا بنایا اور چاند کو چمک دی اور چاند کے گھٹنے بڑھنے کی منزلیں ٹھیک ٹھیک مقرر کردیں، تاکہ تم اس سے برسوں اور تاریخوں کے حساب معلوم کرو۔ اللہ نے یہ سب کچھ برحق ہی پیدا کیا ہے۔ وہ اپنی نشانیوں کو کھول کھول کر پیش کر رہا ہے۔ ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔ یقیناً رات اور دن کے الٹ پھیر میں ، اور ہر اس چیز میں جو اللہ نے زمین اور آسمانوں میں پیدا کی ہے، نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو تقویٰ کی روش اختیار کرتے ہیں۔ (۲)

۱۔ سورۃ یٰس آیت ۳۸۔۴۰

۱۔ سورۃ یونس آیت ۵۔۶

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ وَ الْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ O وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ O

اور آسمان کو ہم نے اپنے زور سے بنایا ہے اور ہم اس کی قدرت رکھتے ہیں۔ زمین کو ہم نے بچھایا اور ہم بڑے اچھے ہموار کرنے والے ہیں اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے ہیں، شاید کہ تم اس سے سبق لو۔(۱)

کائنات کی ساخت کے بعد قرآن میں سب سے زیادہ موسمیات اور بارش کا تذکرہ ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ وَ يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَاءُ وَ يَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَاءُ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ O

کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ بادل کو آہستہ آہستہ چلاتا ہے پھر اس کے ٹکڑوں کو باہم جوڑتا ہے۔ پھر اسے سمیٹ کر ایک کثیف ابر بنا دیتا ہے، پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے خول میں سے بارش کے قطرے ٹپکتے چلے آتے ہیں اور وہ آسمان سے ان پہاڑوں کی بدولت جو اس میں بلند ہیں اولے برساتا ہے پھر جسے چاہتا ہے اس نے نقصان پہنچاتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے ان سے بچالیتا ہے۔ اس کی بجلی کی چمک نگاہوں کو

---

(۱) الذاریات آیت ۴۷-۴۹،

خیرہ کیے دیتی ہے۔(۱)

وَمِنْ آیٰتِہٖ یُرِیْکُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحْیٖ بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِہَا O

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تمہیں بجلی کی چمک دکھاتا ہے خوف کے ساتھ بھی اور طمع کے ساتھ بھی اور آسمان سے پانی برساتا ہے پھر اس کے ذریعہ سے زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے۔(۲)

یٰاَیُّہَا النَّاسُ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَیْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَیِّنَ لَکُمْ وَ نُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ثُمَّ نُخْرِجُکُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّکُمْ وَ مِنْکُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی وَ مِنْکُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰۤی اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِکَیْلَا یَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَیْئًا O

لوگو! اگر تمہیں زندگی بعد موت کے بارے میں کچھ شک ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے، پھر نطفے سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر گوشت کی بوٹی سے جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بے شکل بھی (یہ ہم اس لئے بتا رہے ہیں) تاکہ تم پر حقیقت واضح کریں۔ ہم جس نطفے کو چاہتے ہیں ایک وقت خاص تک رحموں میں ٹھہرائے رکھتے ہیں، پھر تم کو بچے کی صورت میں نکال لاتے

۱۔ سورۂ نور آیت ۴۳۔

۲۔ سورۂ الروم آیت ۲۴۔

ہیں (پھر تمہیں پرورش کرتے ہیں) تاکہ تم اپنی جوانی کو
پہنچو اور تم میں سے کوئی پہلے ہی واپس بلا لیا جاتا ہے اور کوئی
بدترین عمر کی طرف پھیر دیا جاتا ہے تاکہ سب کچھ جاننے
کے بعد پھر کچھ نہ جانے۔ (۱)

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ
اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ۝

زمین میں چلنے والے کسی جانور اور ہوا میں پروں سے اڑنے
والے کسی پرندے کو دیکھ لو یہ سب تمہاری ہی طرح کی
انواع ہیں۔ (۲)

یہ چند مثالیں ثابت کرتی ہیں کہ قرآن کریم سائنسی دلچسپی کے بہت موضوعات کو زیر بحث لاتا ہے اور اس کے ذریعہ مومنوں کو سوچنے سمجھنے، غور و فکر کرنے، تلاش و جستجو میں لگنے اور صحیح نتیجہ اخذ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ قرآن کا مرکزی موضوع اللہ ہے، پھر بھی وہ اس کی ذات، اس کی صورت شکل اور اس کی ہیئت کا ذکر نہیں کرتا بلکہ ہمارے اردگرد بکھری ہوئی اللہ کی نشانیوں کا تذکرہ کرتا ہے۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اللہ کو سمجھنے اور اس کی معرفت حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی خلق اللہ کے تمام پہلوؤں پر غور و فکر، ان کا تحلیل و تجزیہ اور ان کے متعلق مزید تلاش و جستجو کرے۔

قرآن کریم ان دو فقروں کا بار بار استعمال کرتا ہے۔ ''وہ تدبّر کیوں نہیں کرتے؟'' وہ غور و فکر کیوں نہیں کرتے؟'' مشہور شاعر اور فلسفی علامہ محمد اقبال اپنی بنیادی تصنیف ''فکرِ اسلامی کی تشکیل نو'' میں لکھتے ہیں کہ قرآن بار بار

---

(۱) سورۃ الحج آیت ۵۔

انسانوں کو تدبّر و تفکر کرنے کی تاکید کرتا ہے، اس سے مقصود انسان میں
ہستی کا شعور بیدار کرنا ہے۔ جس کی نشانیاں چاروں طرف مظاہر فطرت
پھیلی ہوئی ہیں۔ لیکن قابل ذکر نکتہ قرآن کا عام تجرلی و عملی نقطۂ نظر ہے
نقطۂ نظر سے پیروان قرآن کے اندر اصل کے تئیں احترام کا جذبہ پیدا
تھا۔ اور آخر کار اسی چیز نے انہیں جدید سائنس کا بانی بنایا۔ ایک ایسے دور
جب کہ خدا کی تلاش میں مرئی اور محسوس چیزوں کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ انسا
کے اندر عملی اور تجرلی جذبہ بیدار کرنا بڑی اہم بات تھی۔(۱)

علامہ غزالی اور ابن خلدون کی طرح علامہ اقبال بھی کہتے ہیں کہ
تفکر میں داخلی تدبّر شامل ہے اور جستجو سے علم کو اخلاقی اور قدری معیار
نہیں رہنا چاہئے۔ یہی وہ نکتہ ہے جو سائنس کے تئیں قرآنی نقطۂ نظر کو
نقطۂ نظر سے بالکل مختلف بناتا ہے۔

سائنس کے تعلق سے قرآنی زاویۂ نگاہ :

یہ بات بیان کی جاچکی ہے کہ اسلام اور سائنس کے درمیان کوئی
نہیں ہے اور اس سے ہم یہ سمجھے ہیں کہ مظاہر فطرت کے مطالعہ کا عقلی اور
طریقہ کار سائنس ہے۔(۲)

البتہ کشمکش اس وقت پیدا ہو سکتی ہے جب سائنس اور اس کے طریقہ
کار کو اسلام کے دوسرے اقدام پر فوقیت دی جائے گی۔ اسلام کی رو سے

۱۔ محمد اقبال، فکرِ اسلامی کی تشکیلِ نو، اشرف، لاہور، ۱۹۷۱ء طبع، ثانی ص ۱۴
۲۔ سائنس اور اسلام پر مزید بحث کے لئے ملاحظہ ہو، ایم ایچ صدر کا مقالہ
"سائنس کے تئیں اسلامی نقطۂ نظر، مطبوعہ پاکستان جنرل آف سائنس،
ص ۶۔ ۳، ۹، ۱۹۷۹ء،

علم بجائے خود مقصود نہیں ہے بلکہ یہ تو صرف اللہ کی معرفت حاصل کرنے اور امت کے مسائل حل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ قرآن مومنوں کو علم کی زینت بڑھانے کے مقصد سے نہیں بلکہ اللہ کی آیات کو اور اس کے ذریعہ اللہ کی معرفت حاصل کرنے کے مقصد سے سائنس کی تلاش جستجو کی تاکید کرتا ہے۔

اس کے علاوہ قرآن کریم اس حقیقت پر زور دیتا ہے کہ مظاہر فطرت سے انسان کا ایک رشتہ ہے اور فطرت کی قوتوں پر تصرف کرنے کی اس کی فطری صلاحیتوں کا استعمال غلبہ و اقتدار کی خواہش کی تکمیل کے لئے نہیں بلکہ روحانی زندگی کی پرواز کو بلند کرنے کے لئے ہونا چاہئے۔ قرآن اہل ایمان کو حصول علم کا حکم دیتا ہے۔ لیکن یہ بھی تاکید کرتا ہے کہ وہ اپنی اصلیت کو نگاہوں سے او جھل نہ ہونے دیں۔

وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ○ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ
سُلَالَةٍ مِنْ مَاءٍ مَهِينٍ ○ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ
وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَا
تَشْكُرُونَ ○

اس نے انسان کی تخلیق کی ابتداء گارے سے کی، پھر اس کی نسل ایک ایسے ست سے چلائی جو حقیر پانی کی طرح ہے پھر اس کو نک سک سے درست کیا اور اس کے اندر اپنی روح پھونک دی اور تم کو کان دئے، آنکھیں دیں اور دل دیئے۔ تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔(۱)

اسی لئے کوئی تجربی اور عملی کام مکمل طور سے، قلب، وجدان، ضمیر اور شعور کو نظر انداز کر کے انجام نہیں دیا جاسکتا۔ اس طرح قرآن کریم

۱۔ سورۂ سجدہ آیت ۷۔۹،

سائنس کو تمام تر انسانی تجربات کے ڈھانچہ کے اندر دیکھتا ہے۔ عقل اور حصول علم دونوں کا اسلامی سوسائٹی میں بڑا اہم مقام ہے لیکن دونوں قرآنی اقدار اور اصول اخلاق کے ماتحت ہیں۔ اس ڈھانچہ میں عقل اور وحی قدم بہ قدم سفر طے کرتے ہیں۔

دوسری طرف جدید سائنس عقل کو اخلاق واقدار کی حدود و قیود سے بالاتر تصور کرتی ہے۔ جدید سائنس کے قائدین عام طور سے یوم آخرت یا زندگی بعد موت جیسے بنیادی دینی تصور سے غافل ہیں۔ یہ چیزیں اسلام کے بنیادی اقدار میں سے ہیں۔ سائنس داں خدا اور بندوں دونوں کے تئیں کچھ ذمہ داریاں رکھتا ہے۔ آخرت میں اسے خدا کے حضور، ان ذمہ داریوں کے بارے میں جواب دہی کرنی ہوگی۔ راغب النجار کہتے ہیں کہ خالق کائنات پر ایمان مسلمان سائنس دانوں کو اپنی سرگرمیوں کے تئیں زیادہ شعور بنادیا ہے۔ یہ ایمان ان کی عقل کو ایسے اقتدار اعلیٰ کے زیر نگیں کر دیتا ہے جس کے حضور وہ اپنے تمام اعمال کے لئے جوابدہ ہیں۔ قرآن کریم کہتا ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ط وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ○

''جو کوئی حق کے بغیر قتل نفس کا مرتکب ہوتا ہے، اس کا جرم ایسا ہے گویا اس نے تمام انسانیت کو قتل کر دیا۔ اور جو کوئی ایک انسان کی جان بچاتا ہے گویا اس نے تمام انسانیت کی جان بچائی۔''(۱)

۱۔ سورۂ مائدہ آیت ۳۲،

لہٰذا ہم اپنی سائنسی تلاش و جستجو بغیر سوچے سمجھے جاری نہیں رکھ سکتے۔ کیونکہ اگر ہماری سرگرمیاں کسی ایک نفس کی بھی موت کا سبب بنتی ہیں، خواہ وہ بالواسطہ ہی ہو۔ ہمیں اس کے لئے اللہ کو جواب دینا پڑے گا۔(۱)

جدید سائنس اور سائنس کے تئیں قرآنی زاویۂ نگاہ کے مابین بنیادی فرق یہ ہے کہ اسلام کی رو سے سائنس کے ذرائع وسائل اور اس کے مقاصد میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں اسلام کے اخلاقی اور قدری اصولوں کے ماتحت ہوتے ہیں۔ سائنس امت مسلمہ کے حق میں ایک لازمی سرگرمی ہے۔ کیونکہ یہ آیات الٰہی کے فہم میں اضافہ کرتی اور اس کے نتیجہ میں امت کو رب کائنات کے قریب لاتی ہے۔ چونکہ سائنس دانوں کو اپنی سرگرمیوں کے بارے میں اللہ کو جواب دینا ہے لہٰذا انہیں چاہئے کہ وہ ایک طرف امت کی خدمت کریں اور دوسری طرف اس کے اخلاقی اداروں کو تحفظ فراہم کریں اور اس کو مزید ترقی دیں۔

سائنس کے استعمال میں جو طریقہ وہ کام میں لاتے ہیں اس میں اس معاشرہ کی اقدار کی جھلک ہونی چاہئے۔ جس کی خدمت مقصود ہے۔ اس طرح سائنس سے متعلق قرآن کا نقطۂ نظر بیک وقت متحرک بھی ہے اور ساکن بھی، عقل، معروضیت اور حق اور خوب سے خوب تر کی تلاش کی حوصلہ افزائی کرتا ہے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اس کوشش کو پوری سختی سے اسلامی اخلاق واقدار کے دائرے میں مقید رکھتا ہے۔

اسلام اور سائنس کے درمیان نہ کوئی تنازعہ ہے اور نہ کبھی پہلے رہا ہے۔ لیکن جب قائدین سائنس، سائنس سے کچھ قدروں کا انتساب کریں گے

۱۔ بحوالہ ضیاء الدین سردار، مقالہ بعنوان 'احیاء اسلام۔ سائنس کی ترقی کا سبب' مطبوعہ نیچر، ۲۸۲، ص ۷۔ ۳۵۴، ۱۹۷۹ء، ص ۲۱۔

تو اس وقت ان قدروں اور اسلامی قدروں کے درمیان کشمکش ضرور پیدا ہو گی۔ مثال کے طور پر جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سائنس کو مسائل انسانیت یا اخلاق اور قدری معیار پر توجہ دیئے بغیر خود اپنا راستہ متعین کرنے کی اجازت ملنی چاہیے۔ ان کی راہیں اسلام کی اس ہدایت سے ہم آہنگ نہیں ہو سکتیں کہ سائنس کے وسائل اور مقاصد دونوں قرآنی آئیڈیل کے مطابق ہونے چاہئیں۔ اسی طرح جو لوگ سمجھتے ہیں کہ سائنس حقیقت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے اور تجربہ اور طریقہ کار کی دوسری تمام شکلوں کو خارج کر دیتی ہے۔ ان کی اسلام سے نہیں نبھ سکتی۔ اس وقت کش مکش ان افراد اور سائنس دانوں، جو سائنس سے غیر مستحکم اقدار منسوب کرنے پر بضد ہیں، اور اسلامی تعلیمات کے درمیان ہو گی۔

یہ تنازعہ یا تو نامعقول جسارت کی وجہ سے ہے یا اس کا سبب سائنس کے حدود کا غلط اندازہ ہے۔ کیونکہ سائنس قطعی طور سے ہمیں عاجزی کے صحیح مفہوم سے آشنا کرتی اور ہمیں انسانی صلاحیتوں کی کمزوریوں اور محدودیت کی یاد دہانی کراتی ہے۔ قرآن کریم بھی مسلسل ہمیں یاد دلاتا ہے کہ اس سے قبل کہ ہم اپنی دریافتوں، اپنے تعقل اور نتیجہ سے متاثر ہوں ہم اپنی محدودیت سے باخبر رہیں۔

اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ
مُّبِيْنٌ ○ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ يُّحْيِ
الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ○ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ
وَّهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُ ○ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَ
خْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ○ اَوَلَيْسَ الَّذِيْ
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ

بَلٰی وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ O اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ O فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ O

کیا انسان دیکھتا نہیں ہے کہ ہم نے اُسے نطفہ سے پیدا کیا اور پھر وہ صریح جھگڑالو بن گیا؟ اب وہ ہم پر مثالیں چسپاں کرتا ہے اور اپنی پیدائش کو بھول جاتا ہے کہتا ہے۔ کون ان ہڈیوں کو زندہ کرے گا جب کہ یہ بوسیدہ ہو چکی ہوں۔ اس سے کہو انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے پہلے انہیں پیدا کیا تھا اور وہ تخلیق کا ہر کام جانتا ہے۔ وہی جس نے تمہارے لئے ہرے بھرے درخت سے آگ پیدا کر دی اور تم اس سے اپنے چولہے روشن کرتے ہو۔ کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسوں کو پیدا کر سکے؟ کیوں نہیں جب کہ وہ ماہر خلاق ہے۔ وہ تو جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا کام بس یہ ہے کہ اسے حکم دے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے پاک ہے وہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا مکمل اقتدار ہے اور اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو۔ (۱)

۱۔ سورۂ یٰسین آیت ۷۷ ۔ ۸۳۔

اسلامی تہذیب و تمدن میں علوم و فنون

انسانی تہذیبوں کے اسلامی عہد میں سائنسی علوم و فنون کی راہوں پر جو دیو قامت شخصیتیں جلوہ گر ہوئیں ان کی عظمتوں کے مقام کی صحیح نشاندہی مزید تحقیق و تفتیش کی محتاج ہے۔ بہر حال اس حوالے سے کتنے ہی نام ذہن میں ابھرتے ہیں۔ جابر ابن حیان، ابن الہیثم، الخوارزمی، الرازی، بو علی سینا، البیرونی، الکندی اور عمر خیام اور کن کن کے نام گنوائے جائیں۔ انسانی تہذیبوں کے اسلامی دور کی خصوصیات یہ رہی ہے کہ اس میں انسانی تہذیب ایک وحدت کی حامل تھیں، جس کے گھیرے میں سارے ہی علوم و فنون آتے ہیں۔ مجملہ ان کے فنون لطیفہ بھی، اور اس میں حالیہ نقطۂ نظر سے فنی اور سائنسی ثقافتوں کی تقسیم کا کوئی سوال نہ تھا۔ لیکن اس جامعیت اور ہمہ گیری کے باوصف ان میں سے ہر ایک کی وابستگی کسی نہ کسی مخصوص شعبۂ علم سے ہوتی تھی، جس میں ان کے تحقیقی کارناموں نے انہیں دوام بخشا ہے، مثلاً ریاضی میں الکندی اور الخوارزمی، طب و حکمت میں الرازی اور ابن سینا۔

چنانچہ اس عنوان سے ابن الہیثم کی مخصوص آماجگاہ علم النور اور بصریات تھی، جس کی بنیادی مسائل کے حل میں ان کو شرف اولیت حاصل ہے۔ جیسا کہ کتاب المناظر سے صراحت کے ساتھ واضح ہوتا ہے، موجودہ نظریہ بصارت کی ابتداء ابن الہیثم ہی سے ہوئی اور روشنی کے انعکاس اور ایک حد تک انعطاف کے قوانین بھی اس کے منضبط کئے ہوئے ہیں۔ یورپ کے نشاۃ ثانیہ میں بعد کے آنے والوں نے اس موضوع پر اس کی نگارشات سے پورا

استفادہ کیا ہے۔ اس کا خاطر خواہ اعتراف مغرب کے مؤرخین بھی کرنے لگے ہیں، گو اب بھی تحصیل علم میں تجرباتی لائحہ عمل کی ابتدا کا سہرا راجر بیکن کے سر جاتا ہے، جن کا ظہور پوری دو صدیوں کے بعد ہوا۔ البتہ ہمیں یہ فراموش نہ کرنا چاہئے کہ جو کچھ تحقیق و تفتیش گزشتہ صدی سے اب تک اس ضمن میں ہوئی ہے وہ تمام تر مغربی ممالک کے مستشرقین ہی نے انجام دی ہیں، اور ہمیں شدید محاسبہ دراصل خود اپنے سے لازم آتا ہے کہ ہمارے ہاں آج بھی کسی یونیورسٹی میں تاریخ سائنس کا کوئی ادارہ نہیں، جہاں اس موضوع پر تحقیق کی سہولتیں مہیا ہوں۔

اسلامی دور کے مشاہیر علم و فن کے صحیح مرتبے کا اندازہ لگانے کے لئے ضروری ہے کہ انسانی تہذیب اور سائنس اور ٹیکنالوجی کے تاریخی پس منظر پر ایک اجمالی نظر ڈالی جائے اور اس کا جائزہ لیا جائے کہ قدیم تہذیبوں سے یونانیوں نے کس حد تک استفادہ کیا اور پھر اسلامی دور کے سائنس دانوں نے یونانیوں سے کیا کچھ لیا اور ان کی اپنی تخلیقی کاوشوں کا کیا مقام تھا۔

موجودہ سائنس کے انکشافات سے پتا چلتا ہے کہ نوع انسانی (Homosapiens) کو وجود میں آئے ہوئے کوئی دس لاکھ سال کا عرصہ گزرا ہوگا، لیکن اس کی متمدن حیثیت صرف تقریباً دس ہزار سال شمار ہوتی ہے۔ اس نسبتاً مختصر مدت کے ابتدائی دور میں انسان نے علم و فن کی تلاش کے ذریعہ سے جنگ کے لئے طرح طرح کے ہتھیار اور امن کی زندگی کے لئے مختلف اصناف کی اشیاء تیار کیں۔ جن کی بدولت زراعت، تجارت اور زندگی کے دوسرے کتنے ہی شعبوں کے تقاضے پورے ہو سکے۔

ساتھ ہی ساتھ اس نے ریاضیات اور علم ہیئت کے بھی ایسے مراحل طے کیے کہ مصر میں اب سے تقریباً پانچ ہزار سال قبل باضابطہ جنتری کا نشان ملتا ہے۔ مزید برآں اہرام مصر کی تعمیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ انجینئرنگ

کے یہ حیران کن کارنامے کس حد تک ریاضیات کے اعلیٰ شعور کے بغیر انجام نہ پا سکتے تھے۔

دوسری طرف یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ سائنسی نظریات کے سوتے مشاہدات فطرت ہی سے پھوٹتے ہیں، اور تجربوں کی کسوٹی کے بغیر ہوا میں معلق ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس زاویۂ نظر کی بناء پر اب مغرب کے سائنسی مؤرخین کو علوم وفنون کے اس ورثے کا اعتراف ہوتا جا رہا ہے۔ جو یونانیوں کو سمیر اور بابل، سندھ تاس، مصر، چین اور فنا شیائی (Phoenician) تہذیبوں سے ملا۔ اس علمی ورثے کی بنیاد پر پہلے آیونیہ اور پھر یونان کے فلاسفہ نے نظریاتی سائنس کی بنادیں استوار کیں۔ لیکن افلاطون اور ارسطو کے عہد میں تجربات کے عمل کو ایک گھٹیا چیز سمجھا جانے لگا۔ دراصل اس عہد کا بیشتر رجحان مابعد الطبیعیات، اخلاقیات اور عمرانیات سے منسلک رہا۔

اس صورت حال کی سکندر اعظم کے بعد یونانی ریاستوں میں ایک حد تک تلافی ہوئی، لیکن یہ دراصل اسلامی دور کا طرۂ امتیاز ہے کہ اس نے مشاہدے اور تجربے کو سائنس کے نظریات کی تعمیر کے لئے لازم قرار دیا۔ اور اس سے جدید سائنس کی بنیاد پڑی، جس کی اساس پر عربوں کے انحطاط کے بعد مغرب نے وہ ترقیاں حاصل کیں جن کے نتیجے ہی میں اٹھارویں صدی کا صنعتی انقلاب ظہور پذیر ہوا اور گزشتہ صدی کے اواخر سے سائنسی انقلاب کا دور چل رہا ہے جس نے زندگی کے ہر شعبے کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔

علوم وفنون کے تاریخی پس منظر کے سلسلے سے ظاہر ہو گیا ہو گا کہ ان کے ابتدائی مرحلوں کو طے کرنے میں مشرقی ممالک کی پرانی تہذیبوں کا کتنا بڑا حصہ رہا ہے جو آج کل پس ماندہ گردانی جاتی ہیں۔ دوسری طرف اس امر کی بھی وضاحت ہو گئی ہے کہ اسلامی دور کے سائنس دانوں کا معاملہ جن میں سے چند ایک کا حوالہ میں نے دیا ہے صرف اس قدر نہ تھا کہ انہوں نے یونانی اور سائنسی

دور کے درمیان محض ڈاکخانے کا عمل انجام دیا۔ اس خیال کا ازالہ مغرب کے اکثر حالیہ مؤرخین نے کافی بھرپور انداز سے کیا ہے۔

مثلاً رابرٹ بریفالٹ Robert Breffault نے اپنی کتاب The Making Of Humanity میں لکھا ہے:!

"یورپ کی ترقی کا ایک پہلو بھی ایسا نہیں ہے جس میں اسلامی تہذیب کا اثر فیصلہ کن حیثیت کے ساتھ نمایاں نہ ہو، لیکن ان میں سے کسی میں اس کی ہمہ گیری اس شدت کے ساتھ نہیں ابھرتی جتنی اس قوت کے ارتقا میں جو دورِ جدید کی محیرّ العقول فتوحات کا سرچشمہ ہے۔ یعنی سائنس اور سائنسی شعور۔"

اسلامی تمدن میں علم و فنون کے توازن کا جو حوالہ دیا گیا۔

رابرٹ بریفالٹ مزید لکھتا ہے کہ :-

"ہماری سائنس اس بات کے لئے عربوں کی رہینِ منت نہیں کہ انہوں نے چونکا دینے والی ایجادات یا انقلابی نظریئے پیش کئے۔ بلکہ اس نے کہیں زیادہ وہ عربوں کی زیرِ بار یعنی اس کا وجود ہی ان کی بدولت ہے"

"یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ عربوں کے بغیر یورپ کی تہذیب جدید رونما نہیں ہوسکتی تھی، یوں تو یورپی نشوونما کا کوئی پہلو بھی ایسا نہیں کہ جس میں اسلامی تہذیب کا سراغ نہ ملے، مگر نیچرل سائنس اور سائنسی ماحول پیدا جو نئی دنیا کی سب سے منفرد طاقت ہے اور اس کی کامیابی کے سب سے بڑے ماخذ ہیں اس اسلامی تہذیب نے عظیم الشان کردار ادا کیا ہے"

اس کی بنیاد میں صریحاً تعلیم و تربیت کے ہمہ جہتی نظام کی رہینِ منت

ہیں۔ مثال کے طور پر خصوصیت کے ساتھ شیخ الرئیس بو علی سینا سب ہی جانتے ہیں کہ ان کا تخصص فن طب سے تھا۔ چنانچہ ان کی معرکہ الآرا تصنیف القانون فی الطب کو مغرب کی جامعات میں ٹیکسٹ بک کی حیثیت حاصل تھی اور انہیں مغرب میں پرنس آف فزیشنز (Prince Of Physicians) کا لقب دیا جاتا تھا، لیکن ساتھ ہی وہ فلسفہ اور طبیعیات کے علاوہ سائنس کی دوسری اصناف پر بھی حاوی تھے۔ مزید برآں ان کا موسیقی اور رقص کے فنون اور ان کی ریاضیات سے بھی گہرا تعلق تھا اور وہ ایک بلند پایہ شاعر بھی تھے۔

اسلامی دور کے کارہائے نمایاں ہمارے واسطے اس صورت میں مشعل راہ ثابت ہو سکتے ہیں کہ وہ ہم میں خود اعتمادی کا جذبہ پیدا کریں اور محض قدامت پرستی کا جواز ہو کر نہ رہ جائیں۔ ہمارے حوصلے بلند کریں، لیکن ہم کو "پدرم سلطان بود" کے طعنے کا ہدف نہ بنا ڈالیں، جو غالب کے اس تحدیدی قول میں مضمر ہے کہ "مُردہ پرورد ن مبارک کار نیست" اس ضمن میں یہ بھی قابل غور ہے کہ سائنس کی کوئی متعین منزل نہیں۔ جو مقام کل آنکھوں سے اوجھل تھا وہ آج اس کی منزل ہے اور کل ایک نئے سفر کا نقطۂ آغاز ہوگا۔ یہ بھی کہ ان ساری ترقیوں کے لئے سعیٔ پیہم شرط ہے اور اس احساس کے ساتھ کہ سائنس ناپید کنار حقیقتوں کی تلاش میں ہے اور اس میں جو کچھ بھی کامیابیاں حاصل ہوں ان میں زعم و پندار کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

سائنس کا منصب بنیادی طور پر مشاہدات و نظریات کے سہارے قوانین فطرت کا انکشاف ہے، یعنی اس قسم کے سوالات کی چھان بین کہ سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں، ابر کیا چیز ہے، ہوا کیا ہے؟ اور اس کے دائرۂ عمل میں ریاضیات کی جکڑ بندی لازم آتی ہے۔ اس وجہ سے اس کی اپنی حدود متعین ہیں اور اس کا واسطہ حقیقت کے مختلف پہلوؤں سے تو ہے، لیکن حقیقت مطلق یا اخلاقی و جمالیاتی اقدار سے نہیں، کیونکہ وہ ریاضیاتی مساوات کی متحمل نہیں

ہو سکتیں۔ اسی وجہ سے سائنس اور مذہب کا اکثر ادوار میں شدید ٹکراؤ رہا ہے اور اس بنا پر خصوصیت کے ساتھ گلیلیو کو بہت کچھ بھگتنا پڑا۔ لیکن انیسویں صدی میں سائنس کے انکشافات کے پیش نظر اس میں جو ایک طرح کی طاغوتی رعونت گھس آئی تھی وہ رفتہ رفتہ عجز و انکسار میں بدلتی جا رہی ہے۔ اس کے جواز میں دو نوبل ایوارڈ یافتہ سائنسدانوں کے اقوال پیش کروں گا۔

ماکس پلانک جو جدید طبیعیات کی ایک عظیم شخصیت مانے جاتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ مذہب اور سائنس دونوں کا بالآخر اس سوال پر آکر سنگم ہوتا ہے کہ کیا کسی طاقت عالیہ کا وجود ہے۔ جس کی ساری دنیا پر حکمرانی ہو؟ اس سوال پر دونوں کے جواب ملتے جلتے ہیں۔ دونوں ہی متفق ہیں کہ اوّلاً ایک کائناتی نظام عقلی بنیاد پر جاری و ساری ہے۔ جس پر انسان کا کوئی بس نہیں، اور دوسرے یہ کہ اس کائناتی نظام کے ہیولے کا براہ راست عرفان ناممکن ہے۔ اس کا صرف ایک ہلکا سا شعور وجدان سے ہو سکتا ہے۔ جیسے مثلاً ایک دھندلے تاریک شیشے کے بیچ سے دیکھا جائے۔ ...... مذہب اور سائنس دونوں کی راہیں ایک دوسرے سے گریز نہیں کرتیں بلکہ برابر کی پٹریوں پر گامزن ہیں جو ابدیت کی آخری حدوں پر پہنچ کر مل جاتی ہیں۔"

هائزن برگ اپنی ایک تحریر میں کہتے ہیں کہ "جدید طبیعیات کے حوالے سے کہا جا سکتا ہے کہ انسانی عقل میں سمجھنے کی صلاحیت کی کوئی حد نہیں۔ لیکن موجودہ سائنسی نظریے، حقیقت کے صرف ایک نہایت محدود حصے سے متعلق ہیں، اور اس کا بقیہ حصہ جو ابھی تک سمجھ سے بالاتر ہے، وہ لاانتہا ہے۔"

آخر میں ماکس بورن کی ایک تحریر جو نسبتاً تفصیل کے ساتھ پیش ہے کیونکہ اس میں جتنے بھی سوالات اٹھائے جا سکتے تھے، ان کا جواب جہاں تک مل سکتا ہے، مل جاتا ہے:

ہمیں اس ضمن میں احتیاط لازم ہے کہ سائنسی خیالات تجریدی نوعیت کے ہوتے ہیں اور ان کا پھیلاؤ دوسرے موضوعات پر نہیں ہو سکتا جہاں ان کا اطلاق ممکن نہیں۔ انسانی اور اخلاقی اقدار کی بنیاد سائنسی نظریات پر نہیں رکھی جا سکتی۔ تجریدی خیالات سائنس دانوں کے لئے کتنے ہی دلکش اور اطمینان بخش ہوں، ان کے نتائج ہمارے تمدن کے مادّی پہلوؤں کے لئے کتنے ہی وقیع ہوں، لیکن یہ انتہائی خطرناک ہوگا کہ ان کے طریق کار کا اطلاق ان کی حدبندیوں سے آگے بڑھ کر مذہب، اخلاقیات، فنون لطیفہ، ادب اور فنون پر کیا جائے۔

قرآن اور یورپ:

یورپ آج اجرام سماویہ کی ابتدائی تخلیق اور کرۂ ارض کے نشوونما کے نظریئے قائم کر کے بغلیں بجا رہا ہے، لیکن اس حقیقت کو قرآن حکیم نے چودہ سو سال پہلے آشکار کر دیا تھا۔

اولم یرالذین کفروآ ان السموات والارض کانتا رتقا ففتقنٰھما وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ

کیا وہ لوگ جنہوں نے انکار کر دیا، غور نہیں کرتے کہ یہ سب زمین و آسمان باہم ملے ہوئے تھے، پھر ہم نے انہیں جدا کر دیا اور پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی۔ (۱)

اس آیت کریمہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ زمین و آسمان ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے اور جس مادّے کی شکل میں تھے اسے قرآن نے "دُخان" کہا ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰىٓ اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ O

۱۔ سورۃ الانبیاء آیت ۳۰۔

پھر اس نے آسمان کی تخلیق کے اپنے ارادے کو جو دھواں اور وہ دھواں تھا۔ (۱)

دخان کے معنی دھویں کے ہیں یا ایسی بھاپ جو اوپر چڑھی ہوئی ہو اور جب یہ مادہ دخانیہ الگ الگ ہوا تو اجرام سماویہ کی پیدائش ہوئی اور پھر پانی سے زندگی کی ابتدا ہوئی۔ کائنات نے یہ منازل یک وقت طے نہیں کئے اور نہ ہی اپنے آپ کئے بلکہ اللہ نے تخلیق کے مختلف ادوار سے گزار کر اپنے خلیفہ کے لئے درست فرمایا۔ یہ ادوار چھ تھے۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ O

تمہارا پروردگار وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں کو چھ ایام (یعنی چھ معین زمانوں) میں پیدا کئے۔ (۲)

انہیں تمام تخلیقی طریقوں پر فکر کرنے، مادی وسائل کو تلاش کر کے روحانیت کو فروغ دینے اور خدا کی عظمت کا اعتراف کرنے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ O

ان سے کہو زمین میں چلو پھرو اور دیکھو اس نے کس طرح خلق کی ابتداء کی پھر اللہ بار دگر بھی زندگی بخشے گا، اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۳)

۱۔ سورۂ حم السجدہ آیت ۱۱،

۲۔ سورہ اعراف آیت ۵۴،

۳۔ سورۂ عنکبوت آیت ۲۰،

یہی وہ نحوت ہے جسے ہمارے حکماء نے لبیک کہتے ہوئے غور و فکر کے ذریعہ خدا کی عظمت کا اعتراف کیا۔ مولانا رومؒ نے مسئلہ کشش، تجاذبِ اجسام اور تجاذبِ ذرات کا خیال اسی بنیاد پر پیش کیا۔ قاضی سجاد حسین صاحب دفتر اوّل کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

تجاذبِ اجسام کے مطابق کائنات کے تمام اجسام ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں اور اسی تجاذب اور کشش پر نظام کائنات قائم ہے۔ یہی وہ مسئلہ ہے جس کی تفاصیل نیوٹن نے کیں اور یہ نظریہ اسی کے نام سے منسوب ہو گیا جب کہ مولانا بحر العلوم نے سیکڑوں برس پہلے یہ نظریہ بیان فرمادیا تھا۔

جملہ اجزائے جہاں زاں حکم پیش   جفت جفت و عاشقانِ جفت خویش

ترجمہ: دنیا کے تمام اجزاء جوڑ جوڑ ہیں۔ ہر ایک اپنے جوڑے کا عاشق ہے۔

آسماں گوید زمیں را مرحبا   از جہاتِ کشش بماند اندر ہوا

ترجمہ: آسمان زمین کو خوش آمدید کہتا ہے کہ تیری میری مثال لوہے اور مقناطیس کی سی ہے۔

آں حکیمش گفت کز جذب سما   از جہاتِ کشش ماند اندر ہوا

ترجمہ: اس حکیم نے اس سے کہا کہ آسمان کی وجہ کشش جہات کی وجہ سے زمین فضا میں معلق ہے۔

چوں ز مقناطیس قبہ ریختہ   در میاں ماند آہنے آویختہ

ترجمہ: جس طرح مقناطیس کا گنبد ہو اور اس کے درمیان لوہے کا ٹکڑا لٹکا ہو۔

مولانا آگے فرماتے ہیں: "اب یہ بات مسلّمات میں ہو چکی ہے کہ اجسام کی ترکیب ذرات سے ہے اور ان ذرات میں باہمی کشش ہے اور یہ کشش یکساں نہیں۔ بعض اجسام کے ذرّات میں باہمی کشش بہت بڑھی ہوئی ہے اور بعض میں کم جیسے لوہا اور لکڑی۔ اس مسئلے کو سیکڑوں سال قبل مولانا نے یوں

بیان فرمایا:

میل ہر جزئی بہ جزئی می نہد　　　زاتحاد ہر دو تولید جہد

ترجمہ: ہر جزء کا ایک جزء کی طرف میلان ہے۔ دونوں کے اتحاد سے پیدائش ہوتی ہے۔

"ان اشعار میں مولانا نے تجاذب کی کیفیت کو عشق سے تعبیر کیا ہے اور یہ فرمادیا ہے کہ نباتات کے جو اجزاء ہیں وہ جمادی ہیں۔ لیکن چونکہ ان میں اور نباتی اجزاء میں کشش ہے لہذا وہ جمادی اجزاء نباتیت اختیار کر لیتے ہیں، اس طرح نباتی اجزاء حیوانی اجزاء بن جاتے ہیں۔ اگر یہ کشش نہ ہو تو عالم میں مرکبات کا فقدان ہو جائے۔"

یہ اور اس طرح کے بہت سے راز ہائے قدرت ہمارے حکماء و فلسفیوں نے حل کیے اور یورپ انہیں اپناتا چلا گیا۔ انسانی ارتقائی تغیرات کا فلسفہ جو یورپ میں کافی مقبول ہے اور چارلس ڈارون کی عظیم تلاش تسلیم کیا جاتا ہے، اس فلسفہ کو ہمارے مولانا بحر العلوم نے ہی سب سے پہلے پیش کیا۔ فرق صرف یہ ہے کہ مولانا کا فلسفۂ ارتقاء قرآن اور اللہ کی ہدایت کے مطابق ہوتے ہوئے خالص اسلامی ہے اور چارلس ڈراون نے اللہ سے رشتہ منقطع کر کے مولانا سے استفادہ کر کے اُسے غیر اسلامی بنادیا۔ مولانا فرماتے ہیں:

تو ازاں روزے کہ در ہست آمدی　　　آتشی یا خاک یا بادے بدی

گر بداں حالت ترا بودے بقا　　　کے رسیدے مر ترا ایں ارتقا

از مبدل ہستی اوّل نماند　　　ہستیٔ دیگر بجائے او نشاند

ہم چنیں تا صد ہزاراں ہستہا　　　بعد یک دیگر، دوم بہ ز ابتدا

ترجمہ: مولانا فرماتے ہیں: انسان عدم سے وجود میں آیا اور برابر ترقی کرتا آگے بڑھتا رہا اور اب بھی اس کی ترقیوں کی انتہا نہیں ہے۔ سب سے پہلے

عنصری صورت میں وجود میں آیا، یعنی آگ، خاک اور باد کی شکل میں رہا اور پھر اس عنصری صورت سے ترقی کر کے آگے کی صورتیں اختیار کیں اور ہر اگلی صورت پہلی صورت سے افضل اور برتر ہوئی۔

آمدہ اول با اقلیم جماد وز جمادی در نباتی اوفتاد
سالہا اندر نباتی عمر کرد وزجمادی یا دنا ورد از نبرد
وزنباتی چوں بہ حیوانی فتاد نامدش حال نباتی ہیچ یاد

مولانا فرماتے ہیں کہ عنصری صورت کے بعد انسان نے ترکیب میں قدم رکھا اور جمادات کی صورت میں تبدیل ہو کر نباتات کی غذا بنا اور نباتات میں تبدیل ہوا۔ نباتات حیوانات میں تبدیل ہوئے۔

از جمادی مردم و نامی شدم وز نما مردم محیواں سرزدم
مردم از حیوانی و آدم شدم پس چہ ترسم! کے زمردن کم شدم

رحم مادر میں نباتات کی طرح تخم نے جڑ پکڑی اور جس طرح نباتات کی نشو و نما ہوتی ہے۔ نطفہ کی نشو و نما شروع ہوئی، حس و حرکت پیدا ہوئی اور حیوان کی شکل اختیار کی پھر انسانی صورت میں پیدا ہوا۔

چارلس ڈارون کے جانور کی ترقی یہاں سے ختم ہو جاتی ہے، لیکن ہمارے مولانا بحر العلوم کا انسان اسی طرح آگے بھی ترقی کر رہا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

جملہ دیگو بمیرم از بشر تابر آرم از ملائک بال و پر

مولانا فرماتے ہیں کہ بشری زندگی کی موت اسی طرح ہے جس طرح گزشتہ وجود کی موتیں ہوئیں۔ یہ موتیں دراصل اس کی ترقی کی منزلیں ہیں۔ اس موت سے بھی مادّی جسم سے تعلق ٹوٹ جاتا ہے اور ملکوتی دنیا میں اس کی

...ل شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں کی زندگی بالکل نئے قسم کی ہے۔

وز ملک ہم بایدم جستن زجو   کل شئی هالك الا وجهه

باز دیگر از ملک قرباں شوم   آنچہ اندر وہم ناید آں شدم

مولانا فرماتے ہیں :- موت کے بعد انسان ملکوتی دنیا میں قدم رکھتا ... وہاں بھی ارتقائی منزل چلتی رہتی ہے، کیونکہ ذاتِ باری کے علاوہ ہر شئے ... ل ہے۔ لیکن اس کے بعد صورتیں ناقابلِ تصور ہیں۔ اپنی اس منزل پر ہم اس ... گی کے بارے میں نہیں سوچ سکتے تھے۔

بعض لوگ مولانا کی اس فکر کو جو شاعرانہ انداز میں بیان فرمایا ہے۔ "عقیدۂ تناسخ" سے جوڑ دیتے ہیں اور مولانا جیسے عظیم مفکر کو غلط نظر سے دیکھتے ... لیکن مولانا بحر العلوم کا یہ فلسفۂ ارتقاء انسانی قرآن کی مندرجہ آیات کی ... ہے :

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۝ وَالَّيْلِ وَ مَا وَسَقَ ۝ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ۝ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۝

پس نہیں میں قسم کھاتا ہوں شفق کی، اور رات کی اور جو کچھ وہ سمیٹ لیتی ہے اور چاند کی جب کہ وہ ماہِ کامل ہو جاتا ہے، تم کو ضرور درجہ بدرجہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف گزرتے چلے جانا ہے۔(۱)

میرا مقصد یہاں فلسفۂ ارتقاء پر بحث کرنا نہیں ہے۔ میں تو صرف یہ ... چاہتا ہوں کہ قرآن نے اور قرآن پر غور و فکر کرنے والے علماء اور مفکرین ... یورپ کو کیا دیا؟ امام غزالیؒ کی معرکہ آراء تصنیفات جو عقلیات پر ہیں، یا جن ... اجتہاد اور آزادیٔ فکر و رائے سے کام لیا گیا ہے، جیسے مقاصد المقد الفلاسفہ من

---

(۱) سورۃ الانشقاق آیت ۱۶-۱۹،

الضلال (اس میں امام صاحب نے نبوت کی حقیقت بیان کی ہے) اور میزان العمل وغیرہ اسلامی دنیا میں نایاب ہیں، لیکن یورپ نے بڑے اہتمام کے ساتھ ان کو پڑھا، ترجمہ کیے، حواشی لکھے اور سیر حاصل تبصرہ کیا۔ احیاء العلوم کو ہمارے وظیفہ خوار علماء نے جلانے کا فتویٰ دیا اور سپانیہ میں جلائی بھی گئی (اور سپانیہ کا زوال ہوا) لیکن کتب خانہ برن Berne میں اصل اور عمدہ نسخہ آج بھی محفوظ ہے۔ ہاں، امام موصوف کی وہ کتب جو فقہ، تصوف اور اخلاق سے متعلق ہیں، اسلامی ملک کی نگاہ میں قدر سے دیکھی گئیں۔ علامہ شبلی نعمانی نے الغزالی میں ان تمام کتب کی فہرست شائع کی ہے جن کا ترجمہ، یورپ کی متعدد زبانوں میں کیا گیا۔ آج بھی اسلامی دنیا میں مسلم حکماء فلاسفہ، مفکرین اور مجتہدین پر نام نہاد مذہبی علماء و فقہا کی یلغار برابر جاری ہے۔

یورپ کی بد قسمتی :

یورپ آج جس سائنس پر فخر کر رہا ہے وہ کس کی دین ہے وہ ہمارے مفکرین کی دین ہے۔ وہ دین اس قرآن کی ہے جسے ہم نے گنوادیا۔ قرآنِ ممات و آخرت ہمارے حصے میں رہ گیا اور قرآنِ حیات و فطرت یورپ نے لے لیا۔ یورپ نے پورا قرآن ہم سے لیا ہوتا۔ لیکن ایک طرف یورپی سائنسدانوں پر کلیسا کے مظالم نے انہیں کلیسا سے بد ظن کیا، دوسری طرف کلیسا کے ذریعہ اسلام کے خلاف پھیلائی ہوئی بدگمانی نے اور صلیبی جنگوں نے اسلام سے بھی متنفّر کر دیا۔ جس خدا کے کلام سے فیض یاب ہو کر رسول اُمّی ﷺ کے غلاموں نے یورپ کو علم و عمل سے آشنا کیا، افسوس یورپ نے اُسی خدا اور رسول ﷺ سے رشتہ نہ جوڑا اور اپنی ساری ترقی کی بنیاد کے تانے بانے یونانی فلسفہ سے ملا دیے۔ جس میں مادّہ اور محسوسات کو ہی اوّلیت و اہمیت ہے۔ جو چیز محسوس نہ کی جاسکے اس کا کوئی وجود نہیں، لہذا روح کی حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکار کر

دنیا۔ اس لئے وجودِ اعلیٰ کے بھی منکر ہو گئے۔ فرائڈ نے کہا: "انسانی تہذیب تین ارتقائی ادوار سے گزرتی ہے، دورِ وحشت، دورِ مذہب اور دورِ سائنس۔ اب سائنس کا دور ہے لہٰذا مذہب کی باتوں میں اب کوئی معنویت نہیں، وہ فرسودہ ہو چکا ہے اور اپنی تمام قدر و قیمت کھو چکا ہے۔"

مذہب سے رشتہ توڑنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج پوری انسانی زندگی انتشار و خلفشار کا شکار ہو کر ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہی ہے۔ اس کی نظیر اس نام نہاد ترقی کے مقابلے میں پس ماندہ زندگی کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ مادّہ پرستی نے انسان کو حرص و ہوس، خواہشاتِ نفس اور نفرت و عناد کے تیز و تند جذبات کا مرقع بنا دیا ہے۔ اس دائمی اضطراب و پریشانی میں کوئی اعلیٰ ہستی یورپ میں نہیں جس کے سائے میں اہلِ یورپ پناہ لے سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ کے مفکرین اب اس بیماری کا حل سوچنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ ماہر فلکیات Janes Jeans جو ایک ملحد تھا، کہنے پر مجبور ہوا کہ "مذہب انسانی زندگی کی ناگزیر ضرورت ہے کیونکہ خدا پر ایمان لائے بغیر سائنس کے بنیادی مسائل حل ہی نہیں کئے جا سکتے۔" ماہر عمرانیات Jeans Bridge نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ "مذہب اور روحانیت کے امتزاج سے عقیدہ و عمل کے ایک متوازن نظام کی تشکیل پر اسلام سے بہتر کوئی مذہب نہیں۔"

اسلام دینِ فطرت:

Jeans Bridge نے کوئی نئی بات نہیں کہی، قرآن کا خود یہی دعویٰ ہے۔

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ
النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ
الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ O

پس (اے نبی ﷺ اور نبی ﷺ کے پیرو) یک سو ہو کر اپنا رُخ اس فطرت پر جس پر اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی، یہی بالکل راست اور درست دین ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔" (۱)

دنیا میں جس قدر مذاہب اور فلسفے ہیں، صرف اپنے ماننے والوں کے لئے ہی مواقع فراہم کرتے ہیں، جب کہ اسلام ایسا نظام پیش کرتا ہے جس میں ہر مکتبہ فکر اور ہر مسلک کے پیروؤں کے لئے زندہ رہنے، ترقی کرنے اور اپنے فلسفہ کے مطابق زندگی بسر کرنے کا پورا حق محفوظ ہے۔ یہ دین اسی خالقِ حقیقی کا بنایا ہوا ہے۔ جس نے انسان کو تمام فطرتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے، جبکہ دیگر مذاہب و فلسفے انسانی طبیعت میں پوشیدہ بنیادی ضروریاتِ حیات کو پورا نہیں کرتے۔ وہ انسان کے اندر موجود زندہ طاقتور کو موت کے گھاٹ اتار دینا چاہتے ہیں۔ تمام انسانی خواہشات کے معتدلانہ تسکین کا راستہ کسی کے پاس نہیں۔ اس کے برعکس اسلام جب روحانی پاکیزگی اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ حیوانی جذبات کا قلع قمع کر دیا جائے۔ وہ صرف یہ بتاتا ہے کہ نفس کے ہاتھوں میں انسان کی قیادت نہ رہے بلکہ انسان کے ہاتھوں میں نفس کی قیادت ہے۔ اسلام نہ تو فطری خواہشات کا پلڑا جھکانا چاہتا ہے اور نہ ہی روحانیت کا پلڑا دونوں میں صلح قائم کر کے انسان کو انسان کامل بنانا چاہتا ہے تاکہ انسان اندرونی کشمکش سے محفوظ رہے۔ مادیت اور روحانیت کے حسین امتزاج کے لئے قرآن کی تعلیم سنئے۔

یٰبَنِیٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا

۱۔ سورۃ الروم آیت ۳۰،

وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ○ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ
اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ
لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ
كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ○ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ
رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ
بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا
وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ○

اے اولادِ آدم: عبادت کے ہر موقع پر اپنی زینت اختیار کرو۔ یعنی بدن کو زیب و زینت سے آراستہ رکھا کرو۔ نیز کھاؤ پیو مگر حد سے نہ گزر جاؤ۔ خدا انھیں پسند نہیں کرتا جو حد سے گزر جانے والے ہیں۔ ان لوگوں سے کہو "خدا کی زینتیں جو اس نے بندوں کے برتنے کے لئے پیدا کی ہیں اور کھانے پینے کی اچھی چیزیں، کس نے حرام کی ہیں؟ تم کہو۔ یہ نعمتیں تو اسی لئے ہیں کہ ایمان والوں کے کام آئیں دنیا کی زندگی میں اور قیامت میں اور قیامت کے دن خالص انھیں کے لئے ہوں گی۔" اس طرح ہم ان لوگوں کے لئے کھول کھول کر بیان کر دیتے ہیں جو جانتے ہیں۔ ان لوگوں سے کہو۔ "میرے پروردگار نے جو کچھ حرام ٹھہرایا ہے وہ یہ ہے کہ بے حیائی کی باتوں کو حرام کیا ہے چاہے وہ ظاہر ہوں چاہے پوشیدہ اور گناہ اور ناحق زیادتی کو حرام کیا ہے اور اس بات کو بھی حرام کیا ہے کہ تم اللہ کے ساتھ انھیں شریک بناؤ جن کی اللہ نے کوئی سند نہیں نازل کی اور اس بات کو بھی حرام کیا ہے کہ اللہ

کے ذے وہ باتیں لگاؤ جن کا تمہیں علم تک نہیں۔(۱)

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ O

اللہ نے تمہارے لئے تمہارے جنس کی بیویاں بنائی ہیں اور تمہاری ان بیویوں سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے پیدا کئے ہیں اور عمدہ عمدہ چیزوں کی روزی مہیا کی ہے تو کیا یہ لوگ باطل پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی دی ہوئی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں!(۲)

اللہ اور اللہ کے کلام کے مثالی کردار محسن انسانیت ﷺ کے مضامین ملاحظہ فرمائیے۔

ان اللّٰہ یحب ان یریٰ اثر نعمتہ علیٰ عبدہٖ،

اللہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے پر اس کی بخشی ہوئی نعمت کے اثرات ظاہر اور نمایاں رہیں۔ (۳)

التاجر الصدوق الامین مع النبین و الصدیقین والشھدآء،

سچا اور امانت دار تاجر قیامت کے دن نبیوں، صدیقوں اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔ (۴)

۱۔ سورۃ الاعراف آیت ۳۲۔۳۳،

۲۔ سورۃ النحل آیت ۷۲،

۳۔ مشکوٰۃ کتاب اللباس،

۴۔ مشکوٰۃ، کتاب الکسب

طلب کسب الحلال فریضة بعد الفریضة ،

حلال روزی کمانا، نمازوں کے بعد فرض ہے۔(۱)

النزوج النسآء فمن رغب عن سنتی فلیس منی،

میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں تو جس کسی نے میری سنت سے روگردانی کی وہ میرا نہیں۔(۲)

ان لربك علیك حقا و لنفسك علیك حقا ولا ھلك علیك حقا فا عط کل ذی حق حقه ،

''یقیناً تمہارے رب کے تمہارے اوپر حقوق ہیں، تمہارے اپنے نفس کے تمہارے اوپر حقوق ہیں، تمہارے اہل وعیال کے تم پر حقوق ہیں، پس ہر حق دار کے حق ادا کرو۔''(۳)

تاریخ شاہد ہے کہ انسان کے اندر موجود روحانی اور حیوانی خواہشات ...کر اللہ کے مرد کامل حضور علیہ الصلوۃ والسلام ﷺ نے ایک وحدت بنا ... رسول اکرم ﷺ کی قیادت میں عظیم انسانوں کی ایک ایسی جماعت ...ری جس کے سائے سے بھی ظلم وجور، شر و فساد، فتنہ وانتشار، خودسری، ...ستی کے تصورات تک فنا ہوئے تھے۔ کیا صدیق اکبرؓ جیسا جانباز ساتھی ...خ پیش کر سکتی ہے؟ کیا فاروق اعظمؓ کی قوت وجبروت، خود اعتمادی و خدا ...ی اور فقیری و درویشی کی کوئی مثال تاریخ کے اوراق میں موجود ہے؟ کیا ...ن جیسا باحیاوباوفا شخص تاریخ پیش کر سکتی ہے، کیا علی حیدرؓ کرار کے زور بازو ...شان قلندری کا نمونہ کسی قوم کے پاس ہے؟ کیا حضرت ابو عبیدہؓ اور خالدؓ

۱۔ مشکوٰۃ کتاب الکسب،

۲۔ بخاری،

۳۔ بخاری کتاب الصوم،

جیسے ناقابلِ شکست جنرل کسی بھی فوج کے پاس ہوئے ہیں؟ نہیں، اور کبھی نہیں! اگر ہیں تو صرف قصہ کہانیوں میں، جب کہ اسلامی تاریخ ایسے انسانوں سے بھری پڑی ہے۔ اسلام نے انسان کی تمام صلاحیتوں کو ایک وحدت میں پرو کر ہر دور میں ایسے انسان پیدا کیے جنہوں نے تاریخ کے دھاروں کو موڑا۔ یہ نام نہاد مسلمان نہیں تھے، یہ وہ مسلمان تھے جنہوں نے رسول اکرم ﷺ کے اسوہ کو اپنے لئے نمونہ بنایا۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے عملی محبت و عقیدت کا مظاہرہ کیا۔ ان مسلمانوں کی قوتوں کا منبع قرآنی آیات تھیں۔ دیگر فلسفوں کی طرف انہوں نے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

اسلام اور عقیدۂ توحید:

قرونِ اولیٰ اور وسطیٰ کے مسلمان صرف خدا کے غلام تھے۔ خدا پرستی اور بت شکنی ان کے کردار کے دو واضح رخ تھے۔ یہ لوگ نفس کے غلام نہیں تھے۔ اس لئے طاغوت کی مدد گی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، لیکن جب اکثریت نفس کی غلام ہو گئی تو اللہ نے اپنی سنت دہراتے ہوئے طاغوت کی مدد گی قسمت میں لکھ دی اور طاغوت کی مدد گی کرنے والوں کے لئے اللہ کا وعدہ ہے۔

وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ ط أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّأَضَلُّ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ۝

اور وہ جو شریر قوتوں کو پوجنے لگے یہی لوگ ہیں جو سب سے بدتر درجہ میں ہیں اور سیدھی راہ سے سب سے زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔ (۱)

شریر قوتوں کا ساتھ دینا، ان سے وفاداری برتنا، ان کی کامیابی کے

ا۔ سورۃ المائدہ آیت ۶۰۔

لئے جدوجہد کرنا اور اللہ کے ضابطۂ حیات کو چھوڑ کر ان کے فلسفۂ حیات کے مطابق زندگی گزارنا، یہی شریر قوتوں کی بندگی و عبادت ہے۔ اہلِ لغت اور علمائے شریعت نے عبادت اور بندگی کے معنی اس طرح بیان کئے ہیں۔

عبادت کسی کے حضور پوری طرح پست ہو جانے کا نام ہے۔ (۱)

لغت میں عبادت کے معنی اس اطاعت کے ہیں جس میں پوری طرح خضوع (جھکاؤ) ہو۔ (۲)

۱۔ مفردات راغب اصفہانی

۲۔ لسان العرب جلد ۳، ص ۲۷۳۔

مغربی دنیا پر قرآنِ کریم اور اسلامی تہذیب کے اثرات واحسانات

سلطنتِ روما کے شہنشاہ اور بزنطینی سلطنت کے بانی شاہ لیوسوم (۷۱۸ء) کو مشہور یورپی مؤرخ تھیوفینس "قرآنی ذہن رکھنے والا" بتاتا ہے۔ لیو نے اپنی سلطنت کی حکمت عملی کی بنیاد ۷۳۶ء کے ایک اعلان کے ذریعہ قرآنی اصولوں پر قائم کی۔ وہ قرآنی تعلیمات سے اس درجہ متاثر ہوا کہ جب تک جیا اسی پر کاربند رہا۔ اُس کے حسب ذیل جانشین۔

﴿۱﴾...... شہنشاہ قسطنطین پنجم ۷۵۱ء

﴿۲﴾...... شہنشاہ لیو چہارم ۷۷۵ء

﴿۳﴾...... شہنشاہ قسطنطین ششم ۷۸۰ء

اس تحریک پر جو قرآنی اصولوں اور تہذیب کی حامل ہے۔ ۷۸۰ء تک عمل کرتے رہے۔

لیو قسطنطین نے قسطنطنیہ کے مقام پر ۷۵۴ء میں ایک کونسل بلائی جس میں ۳۳۸ بشپوں نے شمولیت کی اور انہوں نے متفقہ طور پر قرآنی اصلاحات اور قرآنی اصولوں کو منظور کیا۔ لیکن راہبوں نے بغاوت کر دی اور انہوں نے شہنشاہ کو "مسلمان ملحد" قرار دیا۔ لیکن شہنشاہ

اوٹو پر مضبوطی سے قائم رہا۔(١)

جرمنی کا فرماں روا اور ہولی رومن امپائر کا شہنشاہ آٹو سوم ١٩٣٠ء قرآن کریم کا بڑا عالم سمجھا جاتا ہے۔ یہی حال اس کے جانشینوں اور راجر دوم اور راجر سوم کا اور ان شہنشاہوں کا ہے جو ١٢٠٠ء تک حکمران رہے۔

٩٥٣ء میں بادشاہ اوٹو نے اپنے قاصد تھان تھارنگ ٹن راہب کو علوم اسلامی کے مراکز کی جانب بھیجا تاکہ وہ علوم قرآنی اور فلسفہ کی کتابیں جمع کر کے لائے۔ وہ شہنشاہ کے لئے بڑی تعداد میں مسودات لے کر آیا، اور اس طرح اسلامی تعلیم کا اس کی سلطنت میں اثر و نفوذ ہوا۔

ش ریسرچ ص ٦، باب اول ٢، V کا کہنا ہے کہ:

جب قرآن کے مطالعہ کے زیر اثر شہنشاہ اوٹو سوم خیال کر رہا تھا کہ اپنی سلطنت میں ایک انقلاب برپا کرے تو ہم دیکھتے ہیں کہ اسی وقت قرآنی تعلیمات اور اخلاق، اور رومی جہالت اور مجرمانہ ذہنیت کے درمیان ایک آویزش شروع ہو گئی، جس کے آگے چل کر دور رس نتائج پیدا ہوئے۔(٢)

پوپ گریگوری پنجم کی وفات پر شہنشاہ اوٹو نے حکم جاری کیا کہ عالم اہل گربرٹ کو پوپ کے منصب کے لئے منتخب کیا جائے۔ اس کے بارے میں اوٹو کا خیال تھا کہ وہ گرجا اور سلطنت میں قرآنی اصلاحات نافذ کر سکے گا۔ لیکن روم اپنے فرومایہ مفاد کو اس طرح قربان کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ وہاں بغاوت ہو گئی۔ شہنشاہ اوٹو کو اپنے پوپ سلویسٹر دوم (یعنی عالم قرآن گربرٹ) کو قائم رکھنے کے لئے طاقت استعمال کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ ایک لمحہ کے لئے ایسا محسوس ہونے لگا کہ اگر یہ اصلاح کئی صدی پہلے روبہ عمل آ گئی ہوتی تو

١۔ لٹ ریسرچ ششم، باب ١٤، یورپ میں عقیدہ کا دور، صفحات ٧١٧-٧١٨۔

عیسائی یورپ، پاپائیت کی اس مذموم و قبیح ذلت سے بچ جاتا جو اس کا انتظار کر رہی تھی۔

ایک فاضل اور راست باز پوپ (گربرٹ سلویسٹر دوم) اور ایک لائق اور نوجوان عالم قرآن شہنشاہ اوٹو منصۂ شہود پر آئے لیکن ان سے جو توقعات وابستہ ہو سکتی تھیں، روم کے مقتدر اعلیٰ اسٹیفانیا نے ان کو نسیاً منسیا کر دیا۔ اُس ظالم امیر کے ہاتھوں صاف دل شہنشاہ زہر کا پیالہ پینے پر آمادہ ہوا۔ اور روم ہلاکت کے گڑھے میں دھکیل دیا گیا۔

پوپ سلویسٹر دوم بھی ناقابل تلافی طور پر ان دواؤں کے ذریعہ جو سازش کے تحت اس کے کھانے میں ملا دی گئی تھیں از کار رفتہ بنا دیا گیا۔ اور وہ بھی اپنے ساتھی شہنشاہ آٹو (سوم) کے پیچھے پیچھے دنیا سے رخصت ہو گیا۔

جرمنی کے عربی علوم کے شیدائیوں کا ایک سلسلہ شہنشاہ راجر اول سے شروع ہوا اور اس کے بیٹے اور دوسرے جانشین راجر دوم (۱۱۳۰ء تا ۱۱۵۴ء) اور فریڈرک سوم پر جا کر نقطۂ عروج پر پہنچا۔ راجر سوم مسلمانوں کے ملبوسات زیب تن کیا کرتا تھا اور اس کے ناقد اس کو ''نیم ملحد مسلم بادشاہ'' کہتے تھے۔ اس کی قباؤں پر عربی عبارتیں تحریر ہوتیں۔ اس کے پوتے ولیم دوم (۱۱۶۶ء تا ۱۱۸۸ء) کے زمانے تک عربی تہذیب اپنے شباب پر تھی۔ ان شہنشاہوں کے درباروں کے خاص رتن مسلمان فضلاء تھے۔ مثلاً الادریسی۔ ان کے سکوں پر عربی عبارتیں درج ہوتی تھیں۔ زیادہ تر پہلا کلمہ اور عربی ہندسے ہوتے۔

صفحہ ۹، برٹش ریسرچ باب۔ مذہبی دور، میں بیان ہوا ہے کہ:

''قرآن خاموشی سے اور بغیر کسی دباؤ کے تمام یورپ میں اپنی روشنی پھیلا رہا تھا۔ نویں صدی سے انگریز، فرانسی اور جرمن

جو علم اور شائستہ طور طریقے سیکھنے کے خواہشمند ہوتے وہ اسلامی درسگاہوں کا رخ کرتے تھے۔"(۱)

جرمنی کا بادشاہ اور ہولی رومن امپائر کا شہنشاہ فریڈرک (۱۲۱۵ء۔۱۳۵۰ء) جو اپنے دور کا بڑا عالم و فاضل تھا۔ (بالخصوص علوم قرآنی کا) اور جو اپنی ذہنی عظمت کے لئے مشہور ہے اس نے نیپلز، فلورنس اور پلرمو میں (۱۲۲۴ء) عربی کے کالج قائم کیے۔ اس کا تذکرہ اس طرح ہوا ہے کہ وہ عبارات مقدسہ پر تلاوت کر رہا ہے، اس نے عظیم مسلمان فلسفی ابن رشد کے دونوں کو اپنے دربار کا پابندِ اقامت منظم بنایا تھا۔ اس کو فخر تھا کہ میرے پاس پچاس ہزار یورپی مسلمانوں کی ایک فوج ہے۔ جو مختلف مناصب پر تعینات تھے۔ اس نے روم کے قریب نیسیرہ اور لوسیرہ کے مقامات پر چھاؤنیاں قائم کی تھیں، جن میں تیس ہزار مسلمان مقیم تھے۔

اس کے لڑکے انزیو نے اپنے باپ کی پالیسی کو جاری رکھا اور عربی مخطوطات بڑی تعداد میں جمع کیے۔ فریڈرک قرآن کے مخالفین سے تیس سال نبرد آزما رہا۔ یہاں تک کہ آخرکار اس کے معتمد "پتردونس" نے جس کو اس نے اٹھا کر بلند مرتبہ پر پہنچا دیا تھا اس کو زہر دے کر مار ڈالا۔

فریڈرک کا لڑکا انزیو قید میں ڈال دیا گیا۔

شہنشاہ فریڈرک کے زوال سے وہ قرآنی اثرات جن کا وہ نمائندہ تھا۔ زائل نہیں ہوئی۔ وہ نہ صرف اس کے بعد بھی قائم رہے بلکہ بعد میں اس قوت پر بھی چھا گئے جس نے وقتی طور پر ان کو اکھاڑ پھینکا تھا۔ دہشت ناک عقوبتوں کے ہوتے ہوئے اور اس کے باوجود کہ وہ بیخ و بن سے اکھاڑ دیے گئے تھے۔ انہوں نے دنیادار لوگوں اور کلیسائی حلقوں میں بھی رسوخ حاصل کر لیا۔ (۲)

۱۔ صفحہ ۹، برٹش ریسرچ باب۔ مذہبی دور،

۲۔ برٹش ریسرچ V2 باب دوانہ: ہم صفحہ ۱۰،

انجام کار قرآنی اصول اعلیٰ کلیسائی طبقات میں بھی محسوس کئے جانے لگے۔ اور ان کا اثر اتنا زیادہ بڑھا کہ پوپ گریگوری نے بھی نجی طور پر اس طرح مسترد کئے گئے اصولوں کو اختیار کر لیا۔

یورپی جامعات بالخصوص آکسفورڈ اور پیرس کا یورپ میں عربی زبان کے پھیلانے میں سب سے بڑا حصہ ہے۔

قرآنی مراکز اور درس گاہوں سے نکلی ہوئی ذہنی شاہراہ جبل البرتات سے ہو کر پراونس میں جا پہنچی اور کوہ آپس سے لورین، جرمنی اور وسطی یورپ میں نیز رودبار انگلستان کو پار کر کے انگلستان میں داخل ہو گئی۔

فرانس کے قابل ذکر شہروں میں سے مارسلیز ہے جہاں ریمنڈ لل نے عربی علوم کا ایک بڑا مرکز قائم کیا تھا۔ اس طرح کے دوسرے مراکز طولون ناربون، مونٹ پلیر جیسے شہروں میں بھی قائم ہو گئے تھے۔ یہ مقامات قرآنی علوم اور فلسفہ کے خاص مراکز قرار پا گئے تھے۔

مشرقی فرانس میں شہر گلونی عربی علوم کی اشاعت کا اہم مرکز بن گیا۔ تقدس مآب پیٹر نے قرآن کا لاطینی میں ترجمہ کرایا۔ عربی سائنس کا لوتھنجن میں داخلہ ہو تو اس کی وجہ سے وہ علاقہ مسلسل قرآنی سائنسی اثر کا مرکز بنا رہا۔

یٹر، کورس اور کولین کے شہر قرآنی تعلیم کی نمو کے لئے نہایت زرخیز ثابت ہوئے۔ لورین سے اس کی اشاعت جرمنی کے دوسرے حصوں میں ہوئی۔ اور وہاں سے یہ تعلیم نارمن انگلستان میں منتقل ہو گئی۔ اس کا ذریعہ وہ لوگ بنے جو یہ تو لورین میں پیدا ہوئے تھے یا انہوں نے وہاں کے عربی کالجوں میں تعلیم پائی تھی۔ تیرہویں صدی کے اختتام تک قرآنی سائنس اور فلسفہ یورپ کو منتقل ہو چکا تھا۔

انگلستان کے بادشاہ جان ۱۲۰۳ء میں ایک خفیہ مشن بھیجا جو ان حضرات پر مشتمل تھا۔

﴿۱﴾...... بیرن ٹامس ہارڈنگ۔ ٹن مشن کا صدر

﴿۲﴾...... بیرن رالف فیٹینی کولاز

﴿۳﴾...... ماسٹر رابرٹ ڈیڈ۔ لندن کا کیتھولک پادری۔

بادشاہ جان نے قرآنی اصولوں پر اپنے عقیدہ کا اظہار کرنے اور ان کو اختیار کرتے ہوئے اس وقت کے امیر محمد علی ناصر کے سامنے اظہار اطاعت کیا اور اس سے وفاداری کا عہد کیا۔ اور اپنی اور اپنی رعایا کی طرف سے الطاف و عنایت کی درخواست کی۔

انگریزی تاریخ کے اس فراموش شدہ واقعہ کو جب بادشاہ جان نے قرآنی نظام زندگی پر اپنے عقیدہ کا اظہار کیا تھا۔ تیرہویں صدی کے وقائع نگار سینٹ البان نے قلم بند کیا ہے۔ ماتھو پارس نیز گیبر بل رونے بھی اپنی کتاب "تاتار خاں کا انگریز" میں تفصیل سے اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ لندن سے متعلق ایک کتاب میں پارلیس رابرٹ ایڈے نے بھی اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔

اس طرح قرآن کا اثر فرانس، جرمنی، انگلستان اور اٹلی میں ہوا جس میں شہریوں کے غریب آدمیوں سے کر کر جرمنی کے شہنشاہوں تک معاشرے کے بہت سے طبقے شامل تھے۔ (۱)

جب مسلمانوں لوگوں نے مصر پر قبضہ کیا تو ان کا علم اور فلسفہ کے سیکھنے کا شوق پورے جوش کے ساتھ دریائے فرات کے کناروں سے لے کر دریائے وادیٔ الکبیر تک ظاہر ہوا۔ (۲)

۱۔ برٹش ریسرچ، باب دوم صفحہ ۷۲،

۲۔ برٹش ریسرچ ص ۱۲۹،

شہنشاہ نپولین بونا پارٹ کا اعتراف

شہنشاہ نپولین نے حسب ذیل بیان جاری کیا۔

''مجھے امید ہے کہ وہ وقت دور نہیں ہے جب میں تمام ممالک کے سارے عقلمند اور تعلیم یافتہ لوگوں کو قرآن کے اصولوں پر متحد کر دوں گا۔ اس لئے کہ صرف یہی اصول سچے ہیں اور صرف ان ہی سے انسان کو حقیقی مسرت حاصل ہو سکتی ہے۔ (۱)

شہنشاہ نے مزید کہا:

''حامل قرآن لوگ سائنس اور ادب سے بے حد شغف رکھتے تھے، صرف قاہرہ میں فلکیات کی چھ ہزار کتابیں ہیں، اور ایک لاکھ کتابیں ریاضی، طبیعیات، کیمیا اور طب سے متعلق ہیں۔''

مشہور جرمن راہب گوئس خیوک، پیٹر مقدس ارک بشپ بانگ مور، ریمنڈ لل، ولیم آف شامپو، ایڈی لارڈ مارلے، مائیکل اسکاٹ وغیرہ نے پیرس، بولونیا، مانٹ پلیئر اور لوور واقع فرانس میں عربی اور قرآنی تعلیم اور سائنس کے اسکول کھولے۔

آرک بشپ ریمنڈس (۱۱۲۵ء لغایت ۱۱۵۱ء) نے قرآنی سائنسوں اور فنون کے مراکز مغرب میں قائم کئے۔

''یورپ کے مختلف حصوں سے طلبہ کھنچ آئے، جن میں جزائر برطانیہ بھی شامل ہیں۔ جہاں سے مائیکل اسکاٹ اور رابرٹ آف چیسٹر نے لبیک کہا اور انہوں نے ۱۱۴۲ء میں عربی الجبرا کا ترجمہ کیا۔ ایڈی لارڈ آف باتھ نے جو راجر

۱۔ شیر فل (Sher Fils) پارس یونیورسٹی، صفحات ۱۰۵۔ ۱۱۲۔

ادین سے قبل عظیم انگریز سائنس داں تھا۔ ریاضی کے کئی رسالوں کو لاطینی میں منتقل کیا اور وہ ابن سینا کی حیوانیات کی عربی اشاعت کا سب سے پہلا مترجم تھا۔"

جیرارڈ آف کریمونا (۱۱۷۸ء) نے جو یورپ کے عربی زبان کے فضلا میں سب سے زیادہ خلاق طبیعت رکھتا تھا۔

عربی کی اکثر کتابوں کو لاطینی زبان میں منتقل کیا۔ جن میں الفرغانی کی المجسطی، الفارابی کی ارسطو کی شرح، اقلیدس کی مبادیات جالینوس اور بقراط کی دوسری کتابیں شامل ہیں۔ جان اشبیلی نے الفرغانی، الکندی اور الشاذلی کی عربی کتابوں کا ترجمہ کیا۔

۱۳ ویں صدی کے اختتام تک عربی سائنس اور فلسفہ عربی سے لاطینی میں ترجمہ ہو کر یورپ کو منتقل ہو چکا تھا۔(۱)

بہت سے یورپی مثل کانسٹنٹائن عربی تصانیف کو جن کا انہوں نے لاطینی میں ترجمہ کیا۔ اپنی تصنیف بتاتے ہیں۔ بہت سے مسلمان مصنفین کی شخصیت کو چھپانے کے لئے ان کے ناموں کو لاطینی شکل دے دی گئی ہے۔ مثلاً جابر بن حیان کا نام گیبر کر کے اس کو یورپ کے علم کیمیا کا باوا آدم قرار دیا گیا ہے۔

ابن ماجہ ابو بکر کے نام کی لاطینی شکل

آویم پاکے Avempace کر دی گئی۔

ابن داؤد کے نام کی لاطینی شکل

آوین دیتھ Avedneth کر دی گئی۔

ابو محمد نصر (فارابی) کے نام کی لاطینی شکل

فارابیوس Farabuis کر دی گئی۔

۱۔ فرانسیسی تحقیق۔ از پروفیسر مسٹی رہوف (پیرس یونیورسٹی)۔

ابو عباس احمد (الفرغانی) کے نام کی لاطینی شکل

الفرگانس Al-Fargarns کر دی گئی۔

الخلیل کے نام کی لاطینی شکل

الکلی Alkli کر دی گئی۔

ابن رشد کے نام کی لاطینی شکل

ایوے روس Averroes کر دی گئی۔

عبداللہ ابن بتانی کے نام کی لاطینی شکل

باتاگنیوس Batagnius کر دی گئی۔

اور ایسے ہی درجنوں اور لوگ ہیں۔ (۱)

پوپ سلویسٹر ثانی قرآن اور قرآنی سائنس کا عظیم پرستار غیر معمولی تبحر کا حامل اور عربی کا ایک بڑا فاضل روم کے مروجہ توہماتی نظام کے خلاف، قرآنی اصولوں اور کلچر پر مبنی انقلاب انگیز اصلاح کا بہت بڑا داعی تھا۔ وہ دسویں صدی عیسوی کی اسلامی یورپی جامعہ طلیطلہ کا ایک ممتاز گریجویٹ تھا۔ اس نے عربی کا ایک کالج ریمز Rheims کے شہر میں قائم کیا تھا۔ پوپ سلویسٹر ثانی کا جانشین پوپ گریگوری پنجم ہوا اور وہ شہنشاہ آٹو کی قرآنی اصلاحات کا بڑا حامی ثابت ہوا۔ اور اس وجہ سے وہ بھی زہریلی دواؤں کے ذریعہ جو قرآن کے مخالفین خفیہ طور پر اس کے کھانے میں ملا دیتے تھے، ناقابل تلافی طور پر ناکارہ کر دیا گیا۔ (۲)

۱۰ویں صدی کے وسط تک نارمن بادشاہوں اور ان کے جانشینوں نے عربی اور قرآنی تعلیم کو پورے اٹلی اور کوہ آلپس کے شمال میں پھیلا دیا۔ یہ

۱۔ برطانوی ریسرچ V2 صفحات ۳۔۷ باب اوّل

۲۔ برٹش ریسرچ ص ۶۱۳

نفوذ فنون نیز سائنس کی اقلیم میں بھی نمایاں ہے۔ اٹلی کے پارچہ بافوں نے تعلیم اور نقش و نگار کے نمونوں کے لئے فنی تعلیم حاملِ قرآن لوگوں سے حاصل کی تھی۔ وینس، پیسا اور اٹلی کے دوسرے شہروں میں مسلمان کاریگر اطالوی لوگوں کو سکھاتے تھے۔ کوئی یورپی بھی خود کو مسلمانوں کے طرز کا لباس زیب تن کئے بغیر خوش پوش نہیں سمجھتا تھا۔ ۱۳ویں صدی کے دوران وینس کا مال دار شہر نہایت سرگرمی سے فنون اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں اسلامی طور طریقوں کو اپنا رہا اور پھیلا رہا تھا۔ ۱۲ویں صدی میں یورپ میں آکسفورڈ، پیرس اور دیگر جامعات کا قیام عمل میں آیا۔ آلات سے نقش و نگار بنانے، چمڑے پر آرائش کرنے اور پیتل پر سونے چاندی کی استرکاری کا کام اٹلی میں رائج ہوا۔(۱)

قرآن کریم کے یورپ میں ظہور کے وقت دیسی یورپی باشندے بربریت اور غیر تہذیب یافتہ حالت میں کورذہن، میلے کچیلے، رہن سہن میں پست، پھلیوں، جانوروں کے چارے، یہاں تک کہ درختوں کی جڑوں اور چھال پر گزر بسر کرنے والے تھے۔ کچے چمڑے کا لباس پہنتے۔ انگلستان، جرمنی اور فرانس کے حکمرانوں تک کی رہائش گاہیں اصطبل سے بہتر نہیں ہوتی تھیں۔ جن میں نہ کھڑکیاں ہوتی تھیں نہ چمنیاں، صرف پادری تھوڑا بہت لکھ پڑھ لیتے تھے۔ وہ انسانی علم سے متنفر تھے۔ اور بگڑے ہوئے مذہبی عقائد، رسومات، قوم پرستی اور جہالت میں غرق۔ مزارات کی تمام جھوٹی سچی کرامتوں، معجزوں اور تبرکات پر سختی سے عقیدہ رکھتے تھے۔ ادنیٰ درجے کی دینی رسومات میں الجھے ہوئے اور کلیسائی منتظمین کے جھگڑوں سے دوچار تھے۔ یورپ انحطاط کے ناقابلِ فہم درجہ کو پہنچا ہوا تھا۔ انسانی مظالم سے پُر اور جرائم میں مبتلا۔

۱۔ برٹش ریسرچ صفحہ ۲۷۔۲۸، باب: عقیدہ کا دور V2،

تاریخ تہذیب اور تشکیل انسانیت کا کہنا ہے کہ :

"یہ بات یقینی ہے کہ قرآن کریم کے بغیر یورپی تہذیب قطعاً نہ ابھر سکتی۔ یہ امر کلی طور پر قابل یقین ہے کہ قرآن کے بغیر یہ تہذیب اس حالت کو نہ پہنچتی جس نے اس کو اس قابل کیا کہ وہ ارتقاء کی تمام سابقہ حالتوں پر سبقت لے گئی۔"(۱)

انسانی تجربہ کا مشکل سے کوئی ایسا پہلو ہوگا جس میں قرآن مجید نے مغربی روایت کو مالا مال نہ کیا ہو۔ کھانے اور مشروبات ادویہ اور علاج معالجہ، سامانِ حرب اور نقاہت، صنعتیں، تجارت، انکشافات اور ایجادات، بحری فنیات اور جملہ صنعت کارانہ ذوق اور خوش اطواریاں۔ موجودہ دور کی سائنس کی بہت سی مصطلحات کو کام میں نہ لاکر ریاضیات، فلکیات، طب وغیرہ۔ قرآنی ودیعت کے تمام اجزاء کی ایک تفصیلی فہرست کے لئے متعدد صفحات درکار ہوں گے پھر بھی وہ نامکمل رہے گی۔

اسلامی دنیا کے وجود ہی نے یورپی تہذیب کو تشکیل دینے میں بہت بڑا کردار ادا کیا ہے۔ جدید دور کے مؤرخ پروفیسر ایچ۔اے۔آر گبس کا کہنا ہے کہ اپنی تمدنی زندگی کی مکمل ترقی کے لئے یورپ ان محرکات اور صلاحیتوں کے بغیر جو قرآنی تہذیب اور تمدن میں شامل ہیں کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

پروفیسر ہارٹ وگ ہرشفیلڈ، جامعہ لندن کا کہنا ہے کہ :

قرآن تمام علوم وفنون کا سرچشمہ تھا۔(۲)

۱۔ متوسط دور کے اسلام کی تاریخ، شکاگو یونیورسٹی، صفحہ ۳۴۲، ریاستہائے متحدہ امریکہ۔

اسلامی تہذیب وتمدن کے مغرب پر اثرات واحسانات :

عربوں نے جب اپنی شاندار ترقی اور نشوونما کا آغاز کیا اس وقت وہ یورپ میں آباد ہو چکے تھے۔ اس ترقی کے لئے انہوں نے اس شۓ کو اختیار کیا جو اس وقت قرآنی قوانین کی مسلّمہ پالیسی بن چکی تھی۔ انہوں نے دیسی یورپی فرمانرواؤں کی حالت کے قطعی برخلاف، نفاست و نظافت کی ایک عمدہ مثال قائم کرتے ہوئے خود کو علوم کے سرپرست کی حیثیت سے پیش کیا۔ یورپی آبادیاں جو قرآنی قوانین کے زیرِ انتظام آئیں، خوشحالی و فارغ البالی کے انتہائی نقطہ پر پہنچ گئیں۔ ان آبادیوں میں عوام کے لئے پختہ سڑکیں تھیں۔ جن پر شہروں کے دس میل باہر تک پبلک لیمپ لگائے گئے تھے۔ جبکہ اس کے سات سو سال بعد تک بھی لندن میں ایک بھی پبلک لیمپ نہیں تھا۔ اور پیرس میں صدیوں بعد تک یہ حالت رہی کہ جب کبھی کوئی شخص بارش ہوتے ہوئے باہر سے آتا اور اپنی دہلیز میں قدم رکھتا تو اس کے پاؤں ٹخنوں تک کیچڑ میں لتھڑے ہوئے ہوتے تھے۔

ان (حاملِ قرآن لوگوں) کی رہائش گاہوں کو جو یورپ میں بنائی گئی تھیں اور باغیچوں کو نہایت شاندار طریقہ پر سنگ مرمر کی شہ نشینوں اور فرشوں سے زینت دی گئی تھی۔ معلّق باغات، گرتے ہوئے پانی کی چادروں پر مشتمل ہوئی، رنگین ومطلاء ومذہبِ شیشوں کے محراب دار کمرے جن کے اوپر سے پانی کی نالیاں گزاری گئی تھیں۔ نفیس پچی کاری کے کام کے فرش اور دیواریں۔ فوارے جن میں پارہ بھرا ہوا تھا۔ ایسے کمرے جن میں موسم گرما میں پھولوں کے باغیچوں سے جھروکے وار میناروں، دیواروں میں جمے ہوئے نلوں کے ذریعہ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آتے رہے تھے۔ نیچے بنے ہوئے محرابی چھت کے

ہو کر بڑی مقدار میں آتی تھی۔ چھتوں سے جن میں ابھرواں کام سے آراستہ کارنیس ہوتی تھیں۔ شیشے کے بڑے بڑے جھاڑ آویزاں ہوتے تھے، جن میں سے ہر ایک میں نازک و نفیس سنگ مرمر کے استوانوں کے ۱۸۰۴ شمعوں کے فانوس لگے ہوتے تھے۔ ان استوانوں کے زبردست وزن کو دیکھ کر تماش بین دریائے حیرت میں غرق ہو جاتے تھے۔

خواتین کی خلوت گاہوں میں سبز منقش پتھر لگے ہوتے تھے۔ جن میں لاجورد کی تہہ جمائی جاتی تھی اور ان کو طغروں اور تحریروں سے مزین کیا جاتا تھا۔ سونے اور قیمتی ملاکیٹ سے منبت کاری کی جاتی تھی۔ بلوری ظروف، چینی کے برتن اور نفیس پچی کاری کا کام ہوتا تھا۔

موسم سرما میں کمروں میں قیمتی کپڑوں کے پردے لٹکائے جاتے تھے۔ فرش پر زردوزی قالین بچھے ہوتے تھے۔ قرآن پر ایمان رکھنے والے لوگ فنون لطیفہ کے ان نمونوں کی جگہ جن کی مذہبی اعتبار سے ممانعت تھی۔ اسلحہ وغیرہ اور باغ سے متعلق چیزیں لگاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شروع دور کے عربوں میں فنون لطیفہ کے ماہرین پیدا نہیں ہوئے۔ قرآن کریم نے ان لوگوں کو سائنس دان، عملی انسان اور سپاہی بنا دیا۔ خوب صورت پھولوں، نایاب پودوں سے صحنوں اور اندرونی کمروں تک کو سجایا جاتا تھا۔ گرم اور ٹھنڈا پانی سنگ مرمر کے حوضوں سے ہوتا ہوا ان طاقچوں میں پہنچتا تھا جہاں ہوا کی لہر کو مصنوعی طور پر گزار کر القصر میں پہنچایا جاتا تھا۔ خواتین کی تفریح کے لئے گنبد بازگشت ہوتے تھے۔ بچوں کے لئے بھول بھلیاں اور سنگ مرمر سے بنے ہوئے کھیلنے کے صحن اور خود مالک خانہ کے لئے بڑے بڑے کتب خانے ہوتے تھے۔ جو اتنے عظیم ہوتے تھے کہ ان کی محض فہرستیں ہی پچاس جلدوں میں بنتی تھیں۔ کتابوں کی نقل، جلد بندی اور زیب و زینت کے لئے الگ الگ حصے ہوتے تھے۔ خوش

عمارتیں اور پبلک ہال سونے اور موتیوں سے سجائے جاتے تھے۔ جن میں یونانی، اطالوی، ہسپانوی اور افریقی سنگ مرمر کے ستون ہوتے تھے۔ انہوں کا مقولہ یہ ہوتا تھا۔

''اے انسان! اس دنیا پر بھروسہ نہ کر''

ابتدائی دور سے عربوں سے کوئی قوم بھی یورپ کے اندر واقع باغات کو خوب صورت اور بیش قیمت بنانے میں گوئے سبقت نہیں لے گئی۔ اہل یورپ اس معاملے میں ان کے ممنون احسان ہیں کہ انہوں نے سب سے پہلے گندم، چاول، گنے اور کپاس کی کاشت کو رواج دیا۔ عربوں نے یورپ میں اعلیٰ درجے کے میوے، ترکاریاں، آب رسانی کے کام، مصنوعی جھیلیں، جن میں دستر خوان کے لئے مچھلیاں پالی جاتی تھیں، داخل کیں۔

انہوں نے ریشم، سوت اور کتان کے کپڑوں اور کھڈی سے متعلق جملہ آلات کے کارخانوں کو یورپ میں رواج دیا۔ یورپی باشندے اپنی تمام ذاتی آسائشوں کے لئے ان مسلمانوں کے ممنون احسان ہیں۔ وہ مذہباً پاک صاف رہتے اور یورپ کے باشندوں کے انداز پر کوئی کپڑا اس طرح نہیں پہنتے تھے کہ وہ دھجیاں ہو کر ہی بدن سے اترتا ہو۔ انہوں نے یورپین کو اس طرح زیر جامہ پہننا سکھایا کہ اس کو بدلنا بھی ہوتا اور دھونا بھی پڑتا۔

یونانی اپنی تمدنی ترقی کے پورے دور میں مادی حقائق پر تجریدی تصور کو ترجیح دیتا رہا۔ سائنسی معلومات حاصل کرنے کے لئے یونانیوں کا طریقہ زیادہ فکری اور تصوری تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یونانیوں کے ہاتھوں سائنس اس نہایت سے کوئی ترقی نہ کر سکی۔

یونانیوں نے کبھی بھی کوئی تجربہ نہیں کیا۔ فلسفہ اور سائنس میں کبھی کوئی ترقی نہیں کی۔ وہ سوائے سطحی سطح کے کوئی اچھا ادب نہ پیش کر سکے۔ کبھی کوئی قابل ذکر نظم یا ٹریجیڈی مرتب نہ کر سکے۔ ان کے سطحی ادب کی روح، اگر

اس کو مطلق ادب کہا جاسکتا ہے۔ پیٹرارک فوٹیس (۸۲۰ء تا ۸۹۱ء) کی کمائی میں دھندلا جاتی ہے جس نے اپنے کتب خانہ سے دور بغداد میں مقیم رہ کر ان دوسو آٹھ کتابوں کا جن کا وہ پہلے مطالعہ کر چکا تھا، خلاصہ تیار کیا۔

یونانی تہذیب، ذہانت کی کمی کی وجہ سے نہیں بلکہ اخلاق اور کردار کی کمی کے سبب ناکامی پر منتج ہوئی۔ اخلاق کی وہ کمی بھی شخصی نہیں بلکہ عمومی تھی، یونانی تہذیب اپنی سرشت کے اعتبار سے غیر اہلِ کتاب لوگوں کی تھی اور اس میں شخصیت کا کوئی مناسب تصور نہیں تھا۔ جبکہ اخلاقیات کو شخصیت سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہ چیز ہمیشہ الہامی کتابوں کے مقررہ عقائد کے تحت پروان چڑھی ہے۔ اس میں نہ صرف تن پروری کو دبانا پڑتا ہے بلکہ انفرادی امنگ کو بڑی حد تک عوام کی مرضی کا تابع کر دینا پڑتا ہے۔ اس کی روح سب کے ساتھ مساوی برتاؤ اور ساتھ مل کر کام کرنے کا جذبہ ہے۔

یونانی فلسفہ تجربہ کی عقلی تعبیر کی کوشش اور تجرباتی طریقے کا مخالف تھا۔ یونانی فکر پر وہ فلسفہ غالب تھا جس کو یونانی علم کا سرتاج قرار دیتے تھے۔

یونانی محض عمومیت کو ترجیح دیتے، اسے مرتب کرتے اور نظریات قائم کر لیتے تھے۔ لیکن تجرباتی طور پر تحقیق و تجسس یونانی مزاج سے قطعاً بعید تھا۔ وہ چیز قرآن کی قوت تھی جس نے تجرباتی تحقیق کی روح کو جنم دیا اور جدید سائنس کی بنیاد رکھی، دنیا عرصہ دراز تک غلط فہمی میں مبتلا رہی، لیکن حالیہ تحقیق نے یہ ناقابلِ تردید تاریخی حقیقت منکشف کی ہے کہ یونانی نہیں بلکہ حاملِ قرآن لوگ جدید سائنس کے بانی تھے۔

سائنس کے مفروضات ان مشاہدہ شدہ حقائق پر مبنی ہیں۔ جن کی تصدیق جب تنقید و تجربہ کے ذریعہ کرلی تو وہ قوانینِ فطرت قرار دے دئے گئے۔ جس چیز کو یونانی سائنس کہا جاتا ہے اس میں یہ بات مفقود ہے اسی طرح

سائنسی معلومات کے لئے مشاہدہ اور تجربہ دو ماخذ ہیں۔ ارسطو کو یونانی سائنس کا باوا آدم سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اس کی سائنس کی ترجیحات واقعات کو جمع کرنے اور ان کی درجہ بندی کرنے پر تھی۔ اس کو ذکاوت قرار دیا جاسکتا ہے، سائنس نہیں۔

یونانی صداقت و تناسب پر بہت زور دیتے تھے۔ رومی قوت و افادیت پر، عیسائی محبت اور انسانی ہمدردی پر وہ سائنس کو نہ صرف بیکار چیز سمجھتے بلکہ مہلک قرار دیتے تھے۔

بازنطین کے پاس علوم و فنون کے دنیا کے بہترین نمونے تھے۔ لیکن ایک ہزار سال کی مدت میں وہاں کے لوگوں نے کبھی کوئی نیا اور طبع زاد کام نہیں کیا۔

انحطاط و زوالِ سلطنت روما از ایڈورڈ گبن میں مرقوم ہے۔

پوری بازنطینی سلطنت میں مخطوطات کے بڑے بڑے ذخیرے اعلانیہ طور پر ضائع کردئے گئے تھے۔ علماء نے اپنی کتابوں کو اس خوف سے نذرِ آتش کردیا کہ کہیں مخبر اپنی دشمنی نہ نکالیں اور ان علماء کو قانون کی زد میں آکر تاوان نہ دینا پڑے۔ بطلیموسی دور کے سکندریہ میں دو کتب خانے تھے۔ ایک "بروشیم" اور دوسرا "سرافیم" جو تھیوڈرسیس کے عہدِ حکومت کے دوران ۳۹۰ء میں عیسائیوں کے ہاتھوں تاراج ہو چکا تھا۔ لہٰذا مسلمانوں کے واسطے تباہ کرنے کو کچھ بھی نہیں بچا تھا۔ مؤرخین غلط بیانی سے کام لیتے ہیں۔ جو اس کا الزام مسلمانوں کے سر تھوپتے ہیں۔

گبن اس سے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ!

"جیسے جیسے سلطنتِ (روما) زوال پذیر ہوتی جاتی ہے عیسائیت کو عروج ہوتا جاتا ہے۔ اور عیسائیت کا عروج تمدن کے زوال سے عبارت ہے۔"

گبن مزید لکھتا ہے۔

"روم کے بگڑے ہوئے اور دولت مند امراء ہر برائی کے جس کو وہ اختیار کر سکتے تھے مرتکب ہوتے تھے۔ محلات ہی نہیں بلکہ شاہی جھیلیں بھی بیسواؤں اور ہر طرح کے فواحش اور ذمائیم سے پر ہوتی تھیں۔ عیسائی مذہب اور بربریت دونوں کو مساوی طور پر غلبہ حاصل تھا۔ یہ المناک صورت حال صدیوں تک قائم رہی۔ یہاں تک کہ بارہویں صدی اختتام کو پہنچی۔"(۱)

رومی کلیسائی نظام، بازنطینی نظام کی طرح ذہنی ترقی کے مقابلہ میں اٹل طور پر قائم تھا۔ یہ اخلاقی قدروں کو بہتر بنانے کا تو مشورہ دیتا تھا۔ لیکن دماغ کو کچل دینا چاہتا تھا۔ تاہم بالآخر یہ حالت اختتام کو پہنچی اور دوسرے اصولوں کے بروئے کار آنے سے زیادہ مستحکم اور مؤثر ہوگیا۔ یہی وہ اصول ہیں جن کا ہم قرآنی اصولوں کے عنوان کے تحت ذکر کر سکتے ہیں۔

پروفیسر ڈبلیو۔ ایل۔ اِچ اپنی یورپی اخلاقیات کی تاریخ میں بیان کرتے ہیں۔

"بازنطینی سلطنت کے بارے میں جس نے اپنی اخلاقیات مسیحی ماخذات سے حاصل کی تھی، یہ عالمگیر فیصلہ ہے کہ یہ کلیتہً ذلیل اور فرومایہ اصول پر مبنی تھی۔ اور یہ دور امتیازی طور پر دھوکے اور فریب کا دور تھا۔ اس کے نظریات ان لوگوں کے پیش کردہ تھے جنہوں نے بغیر علم کے صالح اور نیکوکار ہونے کو بے حقیقت سمجھا چھوڑ دیا تھا۔ بازنطین کی تاریخ پادریوں، خواجہ سراؤں اور بداعمال عورتوں کی سازشوں کی ایک اکتا دینے والی داستان ہے۔"

آخرکار مسلمانوں نے بازنطینی سلطنت کی اس ناشائستگی اور کج روی کا خاتمہ کیا۔

۱۔ دی نئی ریسرچ صفحہ ۱۲۹۔

...س ہے۔ ایم روڈویل (ایک معروف عالم بشپ) کہتا ہے۔ :

"قرآن میں ایسے مستحکم اصول و قواعد موجود ہیں جن کی بنیاد پر قوموں اور سلطنتوں کی تشکیل و تعمیر ہو سکتی ہے۔"

مثبت علم کا حصول اور اس کی ترتیب و تنظیم ہی وہ چیز ہے جس کو رومی کرنی کا نام دیا جاتا ہے، اور جو حقیقتہً اجتماعی اور ترقی پذیر شے ہے۔ قرآن ماننے والوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ قدرت کی گتھیوں کو سلجھا کر ان پر قابو اور ہماری اپنی ضرورتوں کی تسکین کی خاطر ان کا رخ بدلیں۔ (۱)

حاملینِ قرآن سائنسی معلومات کو کام میں لانے کی غرض سے عملی ں کو اختیار کرنے میں کہیں زیادہ حقیقت پسند اور باعمل تھے۔ قرآن نے ٹس کے لئے ایک نیا نقطۂ نظر عطا کیا اور جدید سائنس کو بڑھانے اور ترقی ی میں ایک ایسا کشادہ منظر عطا کیا جس سے دنیا کلیتہً نا آشنا تھی۔

جس وقت حاملینِ قرآن نے بازنطینی اور ایرانی سلطنتوں میں نفوذ کیا سے صدیوں پہلے یونانی سائنس کا وجود ختم ہو چکا تھا۔

رومی کلچر ان ہی خطوط پر ایک فطری ردِ عمل تھا۔ وہ استحکام کی معنوی ل پر اس قدر سختی سے مصر تھے کہ اس کی وجہ سے یونانیوں کی تحقیق میں دلچسپی کی روایت گلا گھونٹ کر مر گئی۔ رومیوں نے اپنی انتہائی ترقی اور عالی کے زمانے میں سائنس کی بہت ہی کم ہمت افزائی کی۔ اور اپنی پوری سلطنت کو وسعت دینے اور زندگی کی جملہ تعیشات فراہم کرنے پر مرکوز

رومی اور مصری، یونانی اور عربی علوم کے مابین درمیانی کڑی کی سے عمل کرنے میں قاصر رہے۔ مصر کی سرزمین کسی سائنسی ترقی کے

...ل ریسرچ V2 صفحہ ۱۳۴۔

لئے سازگار نہیں تھی۔ مصری ایک طرف ایک ایسی قوم سے تعلق رکھتے تھے جو کٹر عیسائی تھی، دوسری طرف وہ جادو اور سحر کے توہمات میں گرفتار تھے۔ ان کی فکر و نظر پر دینیات کا غلبہ تھا۔

دینیات کا غلبہ جس کی بنیاد عقیدہ اور اوہام پرستی پر تھی۔ اس نے لاطینی دنیا میں سائنسی اور ذہنی ترقی کی توقع کو ختم کر دیا۔ سائنسی علوم کی بربادی، روحانی افادیت پسندی کی بنیاد پر شروع ہوئی اور عیسائیت کے تقدس و پارسائی نے اسے مکمل کر دیا۔

عیسائی اصول تقریباً عقیدہ پر مبنی تھا۔ قرآنی اصول کی بنیاد عقیدہ، دلیل، عقل اور عمل پر تھی۔

خطامت کا یونانی دور نہایت طویل تھا۔ لیکن وہ خطامت دھوکہ اور فریب کی جانب لے جاتی تھی۔ یونانی جمہوری طریقے، کلیتہً دھوکے میں ڈالنے والے ہونے کی وجہ سے ہمیشہ برسر آوردہ لوگوں کے ہاتھوں میں رہے۔ اور وہ ہر کام انجام دیتے تھے۔ صحیح عموی جذبہ اور تاثر کے اظہار کے لئے کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ بڑے لوگ اپنے ساتھی شہریوں کو حقیر اور ذلیل اشیاء کی طرح سمجھتے تھے۔ جن کو ایک دوسرے سے ٹکرایا جاتا رہے۔ ان کے نزدیک زندگی کا مقصد حکومت کرنے اور ہوائے نفس کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ محبت، ایثار، شفقت بے معنی چیزیں ہیں۔ اور یہ کہ قسمیں کھانا محض فریب دہی کے لئے اچھا ہے۔ یونان کی شہرت کلیتہً ایتھنز کے چند افراد کی وجہ سے ہے۔ باقی ملک نے علم پروری میں قطعاً کوئی حصہ نہیں لیا۔ یونان کے عظیم ترین عالم افلاطون کی درس و تدریس خاص طور پر ریاضی کی تھی۔ اس طرح اس کا فلسفہ قدرتی طور پر ریاضیاتی فلسفہ تھا، جس میں تجربہ کو کوئی دخل نہ تھا۔ یہی حال ارسطو کا تھا۔ (۱)

۱۔ برٹش ریسرچ صفحہ ۴۶، جلد ۲، باب: یورپ میں عقلیت کا دور،

مسلسل ادوار میں قوم مسلم کی ذہنی حالت کا اندازہ اس چیز سے لگایا جا سکتا ہے کہ جو اس حالت کو جانچنے کا معیار ہے، یعنی سائنسی اظہارات، سائنس کے نمونوں اور ان کے ان کاموں کو جو ہم تک پہنچے ہیں۔

اگرچہ بہت سی قرآنی علوم کی کتابیں اور ان کے مسودات ضائع ہو گئے ہیں اور ان سے بھی کہیں زیادہ دانستہ طور پر تباہ کر دئے گئے ہیں۔ جو کچھ ہنوز باقی ہے اس کی تعداد بھی ہزاروں تک پہنچتی ہے۔

عربی سائنس کے خزینے اب کھولے جانے شروع ہوئے ہیں۔ دنیا کے کتب خانوں میں ہزاروں مسودات موجود ہیں۔ مثلاً اسپین میں اسکوریال کا کتب خانہ، چند کی فہرست بنالی گئی ہے۔ کچھ کو ترتیب دیا گیا ہے۔ اور بعض کا ذکر کیا گیا ہے۔ گزشتہ چند سالوں کے دوران، مواد کے اس انبار نے جس کی اشاعت ہوئی ہے سائنسی فکر کی تاریخ کے سارے سابقہ خیال اور نظریہ کو تلپٹ کر کے رکھ دیا ہے۔ موجودہ زمانہ میں بھی حاملِ قرآن قوم کے سائنسی کارناموں کی تاریخ کا خاکہ اچھی سے اچھی صورت میں بھی محض تجربی ہوگا۔ قرآن کی مالدار اور لچکدار زبان کو بہر حال جدید ٹیکنک کی زبان بنتا تھا۔

یہ امر قابلِ افسوس ہے کہ ہمیں عربی کے دورِ عروج کی صدیوں (۷۰۰ء-۱۱۵۰ء) کا علم نہایت ناقص حالت میں ملتا ہے۔ سائنس، ادب اور فلسفہ کے عربی کے ہزاروں مسودات دنیا کے کتب خانوں میں دبے پڑے ہیں۔ صرف قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) میں تیس مسجدوں کے کتب خانے ہیں۔ قاہرہ، دمشق، بغداد، مراکش، وسط ایشیا میں بڑے بڑے ذخیرے موجود ہیں، ان کی فہرستیں تک نہیں بنیں، میڈرڈ (تاریخ اندلس کاشر مجریط) کے قریب اسکوریال کے بڑے کتب خانہ کے عربی مخطوطات کی فہرست کو مشکل سے ہی مکمل کیا جا سکتا ہے۔ ہمیں مسلمانوں کے ان صدیوں کے سائنسی نظریات کے

بارے میں جو کچھ معلوم ہے وہ اس سرمایہ کا ایک ٹکڑا ہے جو بچ گیا ہے اور جو کچھ جا چکا ہے وہ اس کا ایک جزو قلیل ہے جو اس وقت تخلیق کیا گیا تھا۔ ان صفحات میں جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے وہ ایک ٹکڑے کی کسر کا ایک ریزہ ہے۔ (۱)

جب یورپی کتب خانوں کا تمام قیمتی مواد منظر عام پر آ جائے گا تو پتہ چلے گا کہ عربی زبان کا مغربی تمدن و تہذیب پر اثر اس سے کہیں زیادہ ہے۔ جتنا ابھی تک سمجھا گیا ہے۔ یورپی مؤرخین جنہوں نے عربی سائنس اور ادب کو نظر انداز کیا ہے، انہوں نے ہمارے مضمون کا نہ صرف نامکمل بلکہ غلط منظر پیش کیا ہے۔ (۲)

مسلم تہذیب کی بے پناہ برتری کو برابر محسوس کیا جاتا رہا ہے۔ نہ صرف اس وجہ سے کہ درجہ اوّل کے سائنس داں مسلمان تھے بلکہ اس لئے بھی کہ تہذیبی اثرات لازمی طور پر افزائش پذیر تھے۔ مسلم تہذیب اور سائنس کی برتری یورپ میں بھی اس درجہ مسلّم تھی کہ باوجود یہ کہ دوسری زبانیں مثلاً لاطینی، یونانی وغیرہ کو بھی فضلاء کام میں لاتے تھے۔ لیکن ان زبانوں میں کوئی نئی چیز نہیں ہوتی تھی۔ تمام نئی معلومات اور جدید نظریات کی اشاعت عربی زبان میں ہوتی تھی۔ یہ نہایت عجیب بات ہے کہ اس طرح قرآن کی زبان سائنسی ترقی کے لئے بین الاقوامی ذریعہ بن گئی۔ سب سے زیادہ قیمتی، انتہائی اور بیجنل اور بے حد معنی خیز کتابیں عربی میں لکھی جاتی تھیں۔ آٹھویں صدی کے دوسرے نصف سے لگا کر ۱۲ویں صدی کے اختتام تک ذہنی نوع انسان کی سائنسی اور ترقی پذیر زبان عربی رہی۔ اس دور میں کوئی بھی شخص جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونا اور مکمل معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا اس کو عربی زبان سیکھنی پڑتی تھی۔ (چنانچہ

۱۔ امریکن ریسرچ۔ ہارورڈ یونیورسٹی۔ صفحہ ۲۵۷،

۲۔ کارنیجی ریسرچ واشنگٹن پبلی کیشن نمبر ۳۷۶،

بڑی تعداد میں یورپی حضرات نے عربی سیکھی) جیسا کہ اس وقت کوئی شخص جو ذاتی ترقی کرنا چاہتا ہے اس کو یورپ کی بڑی زبانوں میں سے کسی ایک پر عبور حاصل کرنا پڑتا ہے۔ ان بیانات کے دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ سائنس کی پوری تاریخ ان دعووں کا کھلا ثبوت ہے۔

مسلمانوں میں تجسس کی روح اس درجہ بیدار ہوگئی تھی کہ جتنا بھی ممکن ہو تا اس کو تکمیل کی حد تک پہنچانے کے لئے گہرا مطالعہ کرتے تھے۔ تدریجی طور پر ان میں سائنسی ذہن بڑی حد تک قدرت کی جانب سے ودیعت ہوا تھا۔ مسلم تہذیب ان بہت سے مراکز سے پھیلی جو جنوب مغربی یورپ اور المغرب سے وسط ایشیاء تک پھیلے ہوئے تھے۔ ان کو یہ موقع نصیب ہوا کہ وہ ریاضی، فلکیات، کیمیا، ٹیکنالوجی، جغرافیہ اور طب میں بے شمار اور قابل ذکر تحقیقات کر سکے۔ وہ تیرھویں چودھویں اور پندرھویں صدیوں میں برابر بڑے بڑے سائنس داں پیدا کرتے رہے۔

یہاں چند درخشاں نام بغیر ان کے مغربی مترادفات کے پیش کر دینا کافی ہوگا۔

''جابر بن حیان، الکندی، الخوارزمی، الرازی، ثابت بن قرہ، البتانی، حنین ابن اسحٰق، الفارابی، ابراہیم ابن سنان، المسعودی، ابن سینا، ابن یونس، الکرخی، ابن الہیثم، علی بن عیسیٰ، البیرونی، الطبری، ابوالوحی، علی ابن عباس، ابوالقاسم، ابن الجزار، الغزالی، الزرقالی، عمر خیام۔''

یہ ناموں کا ایک شاندار مجمع ہے جس میں اضافہ کرنا مشکل نہ ہوگا۔ اگر کوئی شخص آپ سے یہ کہے کہ یورپ اس وقت بالکل بنجر تھا تو اس کے سامنے ان لوگوں کے نام پیش کر دو۔ ان جملہ مشاہیر کی شہرت نسبتاً نہایت قلیل مدت میں

''یورپی زبانوں میں عربی کی فنی اور غیر فنی شکلیں بھری پڑی ہیں۔ اگر تاریخ کو لپیٹ کر رکھ دیا جائے تو لسانی شہادت اس بات کے اظہار کے لئے کافی ہوگی کہ سیکڑوں کی تعداد میں قرآنی الاصل الفاظ ان زبانوں میں موجود ہیں۔

یورپ کو قرآن نے سائنسی، معاشیاتی، سیاسی، معاشرتی اور ادبی تصورات دیئے ہیں۔ انگریزی زبانوں میں تقریباً ایک ہزار عربی الاصل الفاظ رائج ہیں اور کئی ہزار ان کے مشتقات ہیں۔''(۱)

کنسائز آکسفورڈ ڈکشنری Concise Oxford Dictionary میں ایسے ۴۰۵ الفاظ شامل ہیں۔ جن میں سے ۲۸۵ الفاظ پاکٹ آکسفورڈ ڈکشنری Pocket Oxford Dictionary میں شامل کر لئے گئے ہیں۔

برٹش ریسرچ صفحہ ۴۲ باب۔ ''یورپ میں دینداری کا عہد'' میں بیان ہوا ہے۔

''ہمیں افسوس ہے کہ یورپ کے ادب نے حامل قرآن لوگوں کے سائنسی احسان کو بڑے منظم طریقہ پر نظر انداز کرنے کی ترکیب نکالی ہے۔ نہ صرف اعلیٰ سائنسی مسائل میں بلکہ زندگی کے طور طریقوں، آداب و رسوم، خوش اطواریوں، پاکیزہ طرز معاشرت، ذاتی صفائی اور حفظان صحت وغیرہ میں بھی یہی کچھ ہوا ہے۔''(۲)

''تمدن کی کہانی'' ہارورڈ یونیورسٹی کا کہنا ہے:

''اہل مغرب نے کوشش کی ہے کہ وہ قرآن اور اس کے اصولوں کو

۱۔ واٹ ٹیلر ایس۔ ای۔ مذہبی سالہ نمبر ۳۳، صفحہ ۱۲۳ لندن، کلرینڈن پریس ۱۹۳۳ء کا بیان ہے:

...کرکے، توڑ مروڑ کر، غلط بیانی اور غلط تعبیر کر کے اور غیر صحیح شکل میں پیش کیں۔ اس شرارت آمیز پروپیگنڈے نے جو ہوا کھڑا کیا تھا اس کی پردہ ...اب بہت سے وہ غیر مسلم مغربی مصنفین کر رہے ہیں جنہوں نے اصل قرآن کا مطالعہ کیا ہے یا جواب مطالعہ کر رہے ہیں۔"

"تاریخ انسانیت کا کہنا ہے۔"

"قرآن کے بغیر جدید یورپی تمدن قطعانہ ابھرتا اور بغیر قرآن کے یہ وہ رخ اختیار نہ کرتا جس نے یورپ کو اس قابل کیا کہ وہ ارتقا کے تمام پہلوؤں اور ادوار پر گوئے سبقت لے گیا۔"

...اے۔ گلن نیو نارڈ بیان کرتے ہیں :

"ابھی تک یورپ نے کبھی بھی دیانت داری اور صدق دل سے اس بھاری قرض کا اعتراف نہیں کیا ہے جو عربی تہذیب تمدن کا اس پر واجب ہے۔"

امریکن ریسرچ۔ تشکیل انسانیت کی تاریخ کا بیان ہے کہ :

"گزشتہ صدی تک کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی جس سے قرآن کی ...اور اس کی تاریخ کا صحیح علم حاصل ہو سکتا۔ حضرت محمد ﷺ اور قرآن ...متعلق جو بیانات یورپ میں انیسویں صدی کے آغاز سے پہلے شائع ہوئے وہ ..."اولی عجائبات" قرار دئے جا سکتے ہیں۔ آج کل کے زمانے میں بھی جب ...تر اور صحیح تر علم کا حصول آسان ہو گیا ہے، ازمنۂ متوسطہ کی کسی تاریخ ...اسلامی ثقافت کا ذکر موجود بھی ہے تو محض ضمنی حیثیت سے اور صرف ...اعتراف" کے طور پر بربریت کی حالت سے یورپ کے احیاء نو کی ...اد لکھی جا رہی ہے۔ لیکن اس میں قرآنی اثر کا کوئی ذکر نہیں سوائے اس

مخلصی'' کے نعرے جیسے شہزادہ ڈنمارک کی تاریخ میں ہملیٹ کا ذکر نہ ہو۔''

''ڈاکٹر اوسبورن ٹیلر نے تو کمال ہی کر دیا۔ از منۂ متوسطہ کے ارتقا پر دو ضخیم جلدیں لکھ دیں لیکن قرآنی ثقافت کے وجود کی طرف کہیں تک نہیں کیا۔''

''ظاہر ہے کہ قرآن اور یورپ کے رابطے میں قانون فطرت ملتوی نہیں ہو گیا تھا، اور اب اس کے گراں قدر ثبوت مہیا ہو چکے ہیں۔ کہ اس رابطے کی یادداشتوں کو دبانے، بگاڑنے اور محو کر دینے کی سازشیں جاری رہی۔ اس کی وسعت اور اہمیت بلاشبہ اس قدر زیادہ تھی کہ آج کل کے ساتھ اس کا اظہار بھی ممکن نہیں ہے۔ معدوم حیات کے ارضیاتی طرح اس معاملہ میں ہمارا علم صرف ان بکھری ہوئی شہادتوں سے ماخوذ اتفاق سے باقی رہ گئیں، اور ان قوتوں کے ہاتھ سے بچ گئیں جو انہیں بالکل دینے پر تلی ہوئی تھیں۔ اگر ان حالات کو ذہن میں رکھا جائے کہ شہادتوں کیا گیا، بگاڑا گیا اور ہر واحد حقیقت کے متعلق پیہم و متواتر متعصبانہ غلط گئیں تو اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ ہم اسلامی اثر کے بارے میں جو بیان کریں گے وہ حقیقت کے مقابلہ میں کم تو ہو سکتا ہے، زیادہ ہرگز سکتا۔''

''یہ اغلب خیال ہے کہ اگر قرآن نہ ہوتا تو جدید یورپی تہذیب پیدا ہوئی ہوتی اور یہ قطعی اور یقینی ہے کہ یورپی تہذیب ایسی نوعیت اختیار نہ جس کی وجہ سے وہ ارتقا کی تمام ماقبل منزلوں سے آگے بڑھ گئی ہے کیونکہ یورپ کی نشو و نما کا کوئی، ایک پہلو بھی ایسا نہیں ہے، جس میں ثقافتِ اسلامی قطعی اثر کا سراغ نہ مل سکے۔ لیکن اس کا نہایت واضح اور مہتم بالشان

امریکن ریسرچ۔ تشکیل انسانیت کی تاریخ لندن ۱۹۲۹ء صفحہ ۳۴۷

ہے کہ یورپ میں وہ قوت پیدا ہو گئی جو دنیائے حاضر کے اعلیٰ ترین امتیازی قوت اور اس کی کامیابی کا سب سے بڑا سر چشمہ ہے۔ یعنی طبعی سائنس اور سائنسی روح۔

”یورپ کی حقیقی نشاۃ ثانیہ پندرہویں صدی میں نہیں بلکہ عرب اور قرآنی ثقافت کے احیاء کے زیر اثر وجود میں آئی۔ یورپ کی حیات نو کا گہوارہ اٹلی نہیں ہسپانیہ تھا۔ یہ برّ اعظم بربریت کے گڑھوں میں گرتے گرتے جہالت اور ذلت و خواری کی تاریک ترین گہرائیوں میں پہنچ چکا تھا۔ حالانکہ اسی زمانے میں دنیائے اسلام کے شہر فاس، بغداد، قاہرہ، قرطبہ، طلیطلہ وغیرہ تہذیب اور ذہنی سرگرمیوں کے روز افزوں مرکز بن چکے تھے۔ وہیں وہ زندگی نمودار ہوئی جس کو آئندہ چل کر انسانی ارتقا کی ایک نئی منزل کی شکل اختیار کرنا تھا۔ جس وقت سے اس ثقافت کے اثرات کو محسوس کیا گیا۔ اسی زمانے سے ایک نئی زندگی کی حرکت شروع ہوئی۔“

”تقریباً پانچ سو سال تک یورپ کی حالت پست سے پست تر ہوتی گئی۔ حالات برابر بد سے بدتر ہوتے چلے گئے، یہاں تک کہ ۸ویں صدی میں حالات چھٹی اور ساتویں صدی سے بھی زیادہ مایوس کُن تاریک اور قطعاً ناقابلِ اصلاح ہو گئے تھے۔ اگر ہم ۸ویں صدی کے اس تاریک برّ اعظم کو باقی دنیا سے الگ تھلک رکھتے اور اس کے اپنے وسائل کے سہارے پر چھوڑ دیتے تو یہ اندازہ کرنے کے لئے ہمارے پاس کوئی بنیاد نہیں رہ جاتی۔ کہ اس کے اندر موجود زندگی کے کسی عنصر کی بدولت یہ ذرا بھی متمدن ہو سکتا۔ زوال کے اس تاریک دور میں خواہ کوئی امکانات ہوتے، اس کے حق میں خواہ کتنے بھی موافق و مساعد حالات ہوتے لیکن اس میں زندگی کے کوئی ایسے فطری علاقہ رکھنے والے تخم موجود نہیں تھے۔ جو اپنی ذاتی قوت کی بدولت ابھرنے کی طاقت رکھتے ہوں۔“

"قابل فہم بات یہ ہے کہ یورپ کا یہ حشر ہوتا کہ منقلب ماہیت ہو کر وہ ایک طرح کا وحشت زدہ حبشہ بن جاتا۔"

"دنیائے اسلام کے فرماں روا، بغداد، مصر، شیراز، قرطبہ، دمشق وغیرہ کے حکمران ذہنی ثقافت کے لازوال خزانوں اور ان کی مسرتوں کو اپنے درباروں کی بہترین شوکت وعظمت خیال کرتے تھے۔ اس امر کی کوئی مثال نہ پہلے موجود تھی نہ اب تک ہے کہ کسی وسیع سلطنت کے طول و عرض میں حکمران طبقہ اتنے بڑے پیمانہ پر حصول علم کی مجنونانہ خواہش سے سرشار ہو گئے ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حصول علم ان کے لئے زندگی کا خاص مقصد بن گیا ہے۔ خلیفہ تھے۔ کتب خانے تھے، رصد گاہیں تھیں۔ وہ اپنے امور سلطنت اور فرصت کے مشاغل سے غفلت برت لیتے تھے، لیکن اہل علم کے خطبات کو سننے اور ان سے مسائل سائنس و ریاضی کے متعلق مذاکرات کرنے میں ہرگز کوتاہی نہ کرتے۔ مسودات و مخطوطات اور نباتاتی نمونوں سے لدے ہوئے کارواں بخارا سے دجلہ تک اور مصر سے اندلس تک رواں دواں رہتے تھے۔ صرف کتابوں اور معلموں کے حصول کی خاطر دنیا کے تمام حصوں میں سفیر بھیجے جاتے۔ ہر مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ ملحق ہوتا تھا۔ حکمران اور امراء کتب خانوں کے قیام، مدارس کے لئے اوقاف کے انتظام اور غرب طلبہ کے لئے وظائف کے اہتمام میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانا چاہتے تھے۔ اہل علم کو بلا امتیاز رنگ ونسل و مذہب دوسرے سب لوگوں پر فوقیت دی جاتی تھی۔ ان پر دولت وثروت اور اعزازات کی بارش کر دی جاتی۔ وہ والئیوں کے حاکم مقرر کر دئے جاتے، جب خلفاء کسی سفریا مہم پر روانہ ہوتے تو اہل علم کا ایک گروہ اور کتابوں سے لدے ہوئے اونٹوں کی قطار ہمراہ ہوتی۔"

"اس حقیقت کو کہ اسلام کے اثر سے یورپ میں زندگی کی ایک نئی لہر

...ال برتا گیا ہے اور نہایت ہٹیلے پن سے اس کا استخفاف کیا گیا ہے۔ یورپ کسی ...ار کتے" کا شرمندۂ احسان ہو، اس اعتراف کو مسیحی تاریخ میں کوئی مقام ...اصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اور بعد کے تمام تصورات پر دروغ گوئی اور غلط بیانی کا ...ظہور رہا ہے۔ روایات قدیم کی گرفت ان کے شدید مخالفین پر بھی قائم رہی ہے۔ ...اس کی ایک مثال یہ ہے کہ خود گبن بھی اسلام کو بہ نظر استخفاف دیکھتا ہے۔"

شمالی علاقہ کے عرب اور بالخصوص وہ لوگ جن کی سکونت حجاز اور شام ...عراق کے سرحدی علاقوں میں تھی بنیادی طور پر بری خطہ کے لوگ تھے جن کو ...سمندر اور جہاز رانی سے بہت کم واقفیت تھی۔ یہ عظیم اسلامی فتوحات کی انتہائی ...اول خصوصیات میں سے ایک ہے کہ ان لوگوں نے اتنی سرعت سے خود کو ...اس طرح کی سرگرمیوں کا عادی بنالیا۔ شام اور مصر پر قبضہ کے چند ہی سالوں ...کے اندر عرب کی خشکی سے گھرے ہوئے صحراؤں کے ان باشندوں نے ایسے ...بحری بیڑے بنائے اور ایسا مستعد عملہ تیار کرلیا جنہوں نے بازنطین کی طاقت ور ...اور تجربہ کار افواج کا مقابلہ کیا اور ان کو شکست دی۔ (۱)

مسلم بحریہ کی تخلیق کا سرا بنیادی طور پر دو آدمیوں کے سر ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور مصر کے والی حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی ...سرح رضی اللہ عنہ۔

مسلمانوں نے بحری بیڑے کے لئے ضروری سامان اور جہاز راں مہیا ...کئے اور سمندر پر ویسی ہی شاندار فتوحات حاصل کیں، جیسی مسلمانوں کی بری ...افواج نے خشکی میں کی تھیں۔ مثلاً

"۶۵۵ء میں عظیم بحری جنگ میں محض ۲۰۰ جہازوں کے مسلم ...بیڑے نے اناطولیہ کے ساحل سے کچھ فاصلے پر ایک ہزار بازنطینی جہازوں کے

بڑے کو شکست فاش دی۔"

مصر کے فاطمی خلفا کے پاس ۵۰۰ بحری کپتانوں سے کسی طرح کم نہیں تھے۔ جنھوں نے ان خلفاء کے حکم سے سمندر کو اپنے سفینوں کی بازی گاہ بنا رکھا تھا۔ علاوہ ازیں ۹ ویں صدی عیسوی تک مسلمانوں کے تجارتی جہازوں کی کثیر تعداد نے بحیرہ روم کے بندرگاہوں کو بحیرہ عرب سے ملا دیا تھا۔

نغمۂ فلک Song Of The Sky

پروفیسر گائی مرخی یو۔ایس۔اے،(U.S.A)

عربوں کی جہازرانی کا علم غیر مسلسل طور پر صدیوں میں بڑھا جس میں سب سے بڑا قدم اس وقت اٹھا جب عرب جہازرانوں نے کافی بڑے بڑے جہاز بنائے تاکہ وہ ساحل کو چھوڑ کر بحیرہ عمان کا مقابلہ کر سکیں اور بحر ہند کا سینہ چیرتے ہوئے اس کے پار جا سکیں۔ اس وقت انہوں نے پندرہ مخصوص ستاروں کے طلوع و غروب کا اندراج کیا۔ جن کو انہوں نے اس غرض سے منتخب کیا تھا کہ ان کی مدد سے ان کے گردونواح کو وقفوں میں تقسیم کر سکیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صحیح شمال اور جنوب کے ساتھ مل کر ان سے آج کل کے قطب نما کے بتیس نقاط مقرر ہوئے۔

عربی قطب نما کے نقاط کے یقیناً عربی نام تھے اور ان کا تعلق مخصوص ہواؤں کے ساتھ تھا تاکہ جہازوں کو ہواؤں کے اعتبار سے مختلف زاویوں پر چلایا جا سکے۔ جب کہ سورج کے اردگرد کے ستارے نظروں سے اوجھل ہوتے تھے۔

شمالی تجارتی ہواؤں کو ان کی انفرادی موسمی خصوصیات سے پہچانا جا سکتا تھا۔ یعنی ان کی یبوست یا رطوبت کے لحاظ سے اور ان کے درجۂ حرارت کے اعتبار سے عرب ملاحوں کو بہ آسانی ہوا کی صحیح سمت کا پتہ چل جاتا تھا۔

جزائر شرق میں وہاں کے باشندوں کے عربوں سے تعلقات قائم ہوئے تو انہوں نے ان سے ستاروں اور مجامع النجوم کا علم حاصل کیا اور اس کو بے حد ترقی دی۔

"مشہور شاعر لیکن حقیقتاً ایک عظیم ریاضی داں عمر خیام نے متحرک ستاروں (سیاروں) کا بڑی حد تک جائزہ لیا اور تصویری (ریاضی) کے یونانی حجتی نظام کو مسترد کر دیا۔ تاکہ ہمیں حساب سے زیادہ آگاہی حاصل ہو۔ اس نے اپنا جبر و الجبرا عربی زبان میں تحریر کیا۔ جو اس وقت کی علمی زبان تھی۔ اور شاعری میں اس کی رباعیات دائمی شہرت کا سبب بنیں۔"

ترجمہ:

میں ان کے ساتھ تخم حکمت بوتا ہوں،
اور اپنے ہاتھوں سے اس کی افزائش کے لئے لکھتا ہوں،
اور یہی وہ کل کھیتی ہے جو کاٹی گئی،
کہ میں دنیا میں پانی کی طرح آتا ہوں اور ہوا کے مانند چلا جاتا ہوں۔

اسلام کا مغربی دنیا پر احسان

تہذیب کی کہانی ...... ہارورڈ یونیورسٹی یو۔ ایس۔ اے،
پروفیسر گاڈفرے لی مابیین...... پیرس یونیورسٹی،
پروفیسر لیو نیر ہارورڈ یونیورسٹی،
ڈاکٹر جیفرے عظیم ماہر علم الانسان۔ امریکہ،
ڈاکٹر کریمر

سر آر۔ ایف۔ برٹوم

"مسلمانوں نے معلوم کر لیا تھا اور ۷ ویں صدی کے وسط میں سائنسی طریقہ پر ثابت کر دیا تھا کہ زمین مع اپنے تمام ارضی اور بحری حصوں کے مجوف آسمان کے بیچوں بیچ گیند کی شکل کا ایک کرّہ ہے، جو فضا میں معلق ہے اور چاروں طرف سے آسمان مساوی فاصلوں پر رہتے ہوئے اس کو محیط ہے۔ خواہ اوپر کی طرف سے دیکھئے خواہ نیچے سے اور خواہ اطراف سے، یہ فاصلہ سب طرف سے برابر ہے۔ جس طرح انڈے کی زردی چھلکے کے اندر ہوتی ہے۔ اسی طرح زمین آسمان کے بیچوں بیچ واقع ہے۔ بعد میں اس کا تجربہ کیا گیا اور بڑے بڑے جغرافیہ دانوں، مثلاً خزداذبہ، مسعودی، فضل، ابن حوقل وغیرہ نے، آٹھویں صدی میں اس کا ثبوت فراہم کر دیا۔ یہ دریافتیں کتابوں، سیمیناروں تک محدود نہیں رہیں، بلکہ ان کو عمل کی کسوٹی پر کسا گیا۔ جب حاملِ قرآن لوگ جنوب مغربی یورپ میں داخل ہوئے تو انہیں اپنے سامنے کہر میں لپٹا ہوا اوقیانوس کا بحر ناپید اکنار دکھائی دیا اور تھوڑے ہی عرصہ بعد انہوں نے قرآنی جوش و ولولے کے ساتھ مشاہدہ کے لئے اس کا کھوج لگانا شروع کر دیا۔ اس دریافت کا جو حال بیان کیا گیا ہے اس کے مطابق کہر میں لپٹے ہوئے اس سمندر (اٹلانٹک) میں بہت سے عجائبات ہیں جن کو ان لوگوں نے تفصیل سے بیان کیا ہے، جنہوں نے اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال کر اس مہم کا آغاز کیا۔ ان میں سے کچھ لوگ سمندری مہم پر واپس گئے تاکہ یہ معلوم کریں کہ کونسی نئی اور عجیب شئے وہاں موجود ہے اور یہ بھی دریافت کریں کہ اس کا اختتام کہاں ہوتا ہے۔

وہ شہر جہاں سے یہ مہم جو جن کا حجاز کے ایک معزز قبیلہ سے تعلق تھا، روانہ ہوئے اور بحر محیط میں بڑھتے چلے گئے۔ لشبونہ (لزبن) تھا۔ المغررین

دراصل آٹھ افراد تھے۔ جو سب کے سب تایا، چچازاد بھائی تھے۔ انہوں نے ہاری کشتیوں کا ایک بیڑا تیار کیا۔ ان کشتیوں میں پانی اور کافی مقدار میں سامانِ خورد و نوش بھر لیا جو ان کے لئے کئی ماہ تک کافی ہوتا۔ اس کے بعد وہ اپنی مہم پر روانہ ہوئے۔ سمندر کی لہریں بے حد تند و تیز تھیں اور راستہ میں بڑے خطرات تھے۔ سمندر کے جانور خوفناک اور ہوائیں طوفان خیز تھیں۔ وہ بہت سے جزائر سے گزرے جن میں سے کچھ آباد تھے اور کچھ سمندر میں ڈوبے ہوئے۔ کوئی جہاز راں ان جزیروں کے اندر نہیں جاتا تھا بلکہ ان کے ساحل کے قریب بچتے ہوئے پاس سے گزر جاتا تھا۔

جب مشرقی ہوا چلنا شروع ہوئی تو انہوں نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے۔ گیارہ دن تک اپنے سفر کو جاری رکھا۔ وہ سمندر کے ایک ایسے حصہ میں پہنچے جہاں لہریں بہت تند و تیز تھیں، پانی متعفّن تھا۔ متعدد مقامات پر پانی اتھلا اور وقت خراب تھی۔ یہ حالات ایسے تھے کہ جن میں ان کے بھیڑوں کے غول کی تباہی یقینی تھی۔ بھیڑوں کی تعداد کثیر تھی۔ آخر کار ایک جزیرے کے ساحل پر پہنچے جہاں کافی چراگاہیں تھیں اور چونکہ وہاں مویشیوں کا کوئی گلّہ نہیں تھا۔ اس لئے چراگاہوں میں کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ یہ جہاز راں وہاں اتر گئے۔ انہیں پانی کا ایک چشمہ ملا۔ انہوں نے چند بھیڑوں کو ذبح کیا۔ پتہ چلا کہ گوشت اچھا نہیں ہے لہٰذا کسی نے نہیں کھایا۔ صرف کھالیں رکھ لیں اور وہاں سے روانہ ہو گئے۔ اس کے بعد مزید بارہ دن تک ان کا سفر جاری رہا۔ پھر انہیں ایک جزیرہ ملا جو آباد دکھائی دیتا تھا۔ کھیت زیر کاشت تھے وہ کشتیوں کو اس جزیرہ کے ساحل پر لے گئے تاکہ وہاں کے حالات معلوم کریں۔ لیکن جلد ہی بھونکتے ہوئے کتّوں نے ان کو گھیر لیا۔ پھر وہ سب قید کر لئے گئے اور ایک شکستہ سی جھونپڑی میں جو وہاں بنی ہوئی تھی بھیج دیا گیا۔

ان جہاز رانوں نے دیکھا کہ وہاں کے باشندوں کی رنگت سرخ ہے۔ بدن پر بال نہیں اور سروں پر بال ہیں۔ نیز وہ لوگ طویل القامت ہیں۔ ان کی عورتیں غیر معمولی طور پر خوب صورت تھیں۔ جہاز راں تین دن تک گاؤں کے اس مکان میں بند رہے۔ چوتھے دن ایک شخص ان کے پاس آیا۔ وہ عربی بولتا تھا۔ اس نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو؟ انھوں نے تمام ضروری معلومات اس کو دیں۔ اس شخص نے ان سے وعدہ کیا کہ تمہیں ہر طرح کی سہولت دی جائے گی۔ اس نے ان کو یہ بھی بتایا کہ میں یہاں کے بادشاہ کا ترجمان ہوں۔ اگلے دن وہ بادشاہ کے سامنے پیش ہوگئے۔ اس نے بھی ان سے وہی سوال کئے اور انھوں نے وہی جوابات دئے۔ اسے بتایا کہ ہم نے یہ بحری مہم یہ جاننے کے لئے اختیار کی ہے کہ ان اطراف میں کیا کیا نئی عجیب چیزیں ہیں۔ اور یہ پتہ لگائیں کہ سمندر کہاں جاکر ختم ہوتا ہے۔

جب بادشاہ نے یہ باتیں سنیں تو اس نے جہاز رانوں کو یقین دلایا کہ ان کو جان کی امان ہے اور کہا کہ آپ لوگوں کو خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے اس مکان میں آگئے جہاں انہیں قیدی بناکر رکھا گیا تھا۔ وہاں وہ اس وقت تک رہے جب تک مغربی ہوا چلنی شروع ہوئی۔ پھر ان مقامی باشندوں نے ایک کشتی تیار کی۔ جہاز رانوں کی آنکھوں پر پٹیاں باندھیں اور ان کو کشتی پر سوار کر کے کچھ روز سمندر میں چلتے رہے۔ اس کے بعد وہ ایک خشکی پر اترے۔ جہاز رانوں کے ہاتھ پیچھے کی طرف باندھ کر ان کو ساحل پر چھوڑ دیا۔ وہاں وہ اس وقت تک رہے جب تک طلوع آفتاب کے بعد دھوپ میں تمازت پیدا نہیں ہوگئی۔ ان کی حالت قابل رحم تھی۔ انہیں آدمیوں کے بولنے کی آوازیں سنائی دیں۔ انھوں نے چیخنا شروع کر دیا۔ لوگ ان کے قریب آئے اور انہیں رسیوں میں بندھا ہوا پایا۔ دریافت کرنے پر

انھوں نے ان کو پوری داستان سنائی۔ یہ لوگ بربر قوم کے تھے ان میں سے ایک نے ان جہاز رانوں سے پوچھا" جانتے ہو کہ تم اپنے ملک سے کتنے فاصلہ پر ہو؟" انھوں نے جواب دیا" نہیں"

یہ وہ بیان ہے جو ادریسی نے اپنے یہاں درج کیا ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ جہاز راں جزائر کینری پہنچ گئے تھے۔

ایک دوسری دلچسپ روداد وہ ہے جو فضل اللہ عمری (٢٤٩ء) نے بیان کی ہے جس کی دائرۃ المعارف ابھی تک محض جزوی طور پر مرتب کی گئی ہے اور جس کا ترجمہ ایک فرانسیسی پروفیسر گوادے نے فروئے موموبینی (Gaudefroy Beombynee) نے کیا ہے۔

ایک اور روداد نکس دیا تول Nuxdiatul نے ١١٦٦ء میں ریکارڈ کی جو پیرس سے شائع ہوئی اور جس میں بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے سالار علی ابن یوسف تاشقین نے اپنے امیر البحران عمر کو جس کی شہرت رفشالوز (Req-shalauzz) کے نام سے ہے بحر اوقیانوس کے بعض جزیروں پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔

ایک عیسائی تاجر جوزف بشارا Joseph Bashara کو جو میکسیکو (یو۔ ایس۔ اے) کا باشندہ تھا میکسیکو کی پہاڑیوں میں جہاں ١٩٣٠ء میں کھدائی ہوئی تھی، عربوں کے آٹھویں صدی کے کچھ سونے کے سکے ملے۔

امریکہ کو لمبس کی نہیں بلکہ عربوں کی دریافت ہے

پروفیسر لیو وینیر Leo Wiener اپنی تحقیق میں بیان کرتا ہے کہ امریکہ کو کولمبس نے نہیں بلکہ صدیوں پہلے عربوں نے دریافت کیا تھا۔ امریکی زبان میں عربی الفاظ، فرانسیسی، پرتگالی، انگریزی، لاطینی سے بہت پہلے ۱۳۰۰ء میں ملتے ہیں۔

ایک اور محقق سے پتہ چلا ہے کہ میکسیکو کے پہاڑوں میں ایک امریکی تاجر جو ان علاقوں میں تجارت کرتا تھا جنگل سے ڈھکی ہوئی ایک وادی میں پہنچا، جہاں کے باشندوں سے اس نے رات گزارنے کے لئے جگہ مانگی تو قبیلہ کے آدمیوں نے اس سے عربی زبان میں گفتگو کی اور یہ انکشاف کیا کہ ہم یہاں صدیوں سے رہتے چلے آرہے ہیں۔

امریکہ کے مشہور عالم انسانیات ڈاکٹر جیفری Dr. Jaffary نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ عربوں نے کولمبس سے کوئی صدی پہلے امریکہ کو دریافت کر لیا تھا۔

یونانی، رومی، بازنطینی قرآنی تہذیب ہیں اور تمدن دریافت کردہ :

۱۔ برٹش ریسرچ ..... جامعات : آکسفورڈ، کیمبرج، لندن کے فضلائے تاریخ و ماہرین لسانیات۔

۲۔ امریکن ریسرچ ..... ہارورڈ، شکاگو، کیلیفورنیا، کارنیجی انسٹی ٹیوٹس کے فضلائے تاریخ۔

۳۔ فرنچ ریسرچ ..... پیرس یونیورسٹی فضلائے تاریخ۔

۴۔ جرمن ریسرچ...... جامعات فضلاء ماہرین لسانیات۔

ان یورپی کتب خانوں کی موجودہ شہادتیں جن میں سائنس، فنون اور تمام جدید خیالات، تحقیقات، دریافتوں اور دائرۃ المعارف سے متعلق عربی کے ابتدائی مخطوطات لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ یہ سب متفقہ طور پر اعلان کرتے ہیں کہ:

۸ویں صدی (عیسوی) سے ۵۰۰ سال بعد تک عربی، یورپ کی زبان اور قرآن وہاں کا ضابطۂ حیات رہا۔ یہی نہیں بلکہ عربی نوع بشر کی سائنسی زبان رہی۔ تمام کتابیں عربی میں لکھی جاتی تھیں۔ یورپی حضرات جو تکمیل علم کرنا چاہتے تھے انہیں عربی سیکھنی پڑتی تھی۔ (۱)

قرآن اپنی روشنی غیر محسوس طریقہ سے اور خاموشی کے ساتھ تمام یورپ میں پھیلا رہا تھا۔ قرآن کی واضح مثال اور عملی نمونہ یورپ کی بے چین طبیعتوں میں جوش و ولولہ پیدا کر رہا تھا۔

یورپی تواریخ (پروفیسر دوزی اور پروفیسر الویرو) کا کہنا ہے کہ:

"کس قدر قابل افسوس بات ہے کہ یورپی لوگ خود اپنی زبان بھول گئے ہیں۔ ہزاروں نفوس میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہے جو لاطینی میں ایک بھی لفظ لکھ سکے۔ وہ صرف کثیر سے عربی کے پورے پورے کتب خانے جمع کر لیتے ہیں۔ لیکن واحسرتا! وہ عیسائی جو اپنے ذہن و ذکا میں نہایت ممتاز ہیں سوائے عربی کے کسی دوسری زبان سے کوئی واقفیت نہیں رکھتے، یہاں تک کہ انجیل اور عہد نامہ قدیم بھی عربی زبان میں پڑھتے ہیں۔

۱۲ویں صدی کے فضلائے یورپ کی سوانح عمریوں سے پتہ چلتا ہے کہ تقریباً ان سب نے قرآنی ضابطۂ حیات کو اپنا لیا تھا۔ (۲)

۱۔ برٹش ریسرچ صفحہ ۴، باب ۱،

۲۔ امریکن ریسرچ صفحہ ۱۲۴،

اگرچہ یہودیوں کی سرکاری زبان عبرانی تھی۔ لیکن وہ عربی کو مقدم سمجھتے تھے۔ عظیم مصنف گولڈ زیہر نے عربی کی خاطر عبرانی کو ترک کر دیا تھا۔ ربی ڈیوڈ عمحی Rabbi David Aimhi، جس کا عیسائیوں پر بے حد اثر تھا، اس نے عربی زبان سے بہت کچھ حاصل کیا تھا۔ آرامی زبان، عربی کے مقابلے میں ایک نادار اور کم مایہ زبان تھی اور کلاسیکی عبرانی بھی اپنی اعلیٰ ترین شکل تک میں صرف اپنے وسائل اور سرمایہ کی بنیاد پر عربی کے مدمقابل نہیں ہو سکتی تھی۔ عربی زبان اپنے تخلیقی عمل سے ترقی کر کے خود کو اس شکل میں ڈھال لیتی ہے جس کی جدید سائنسوں اور فنون کو اپنے قابل فہم اظہار کے لئے ضرورت ہوتی ہے۔(۱)

فرنچ ریسرچ۔ اسلامی دنیا Lemonde Islamique پیرس یونیورسٹی ۱۹۲۶ء کا بیان ہے:

"عربی زبان کے خزینے اب کھولے جانے شروع ہوئے ہیں۔ ابھی تک جو مواد دستیاب ہوا ہے اس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ قرآن کی گراں مایہ زبان کا جدید ٹیکنیک کی زبان بننا مقدر تھا۔"

شکاگو یونیورسٹی۔ تاریخ اسلام کا بیان ہے کہ:

"رفعت و عظمت کے اعتبار سے کوئی زبان بھی عربی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس کے تفوق و افضلیت، اس کی معروضی ہیئت و خصوصیات اور اس کے وسیع ذخیرہ الفاظ پر مبنی ہیں۔ اس کا اسلوب اور صرفی و نحوی خاصیتیں کسی دوسری جگہ نہیں پائی جاتیں۔"(۲)

۱۔ امریکہ ریسرچ۔ کارنیگی ریسرچ صفحات ۱۷، ۴۱، ۵۵۱۔

۲۔ شکاگو یونیورسٹی تاریخ اسلام صفحہ ۳۷۔

برٹش ریسرچ کا بیان ہے کہ :

"ڈاکٹر ایچ۔ جی۔ فارمر کا کہنا ہے کہ یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے کہ ڈاکٹر مرابلس، ایڈی لارڈ آف باتھ اور راجر بیکن نے اپنے شاگردوں کو ترغیب دی کہ وہ اپنے اپنے اسکولوں کو چھوڑ کر عربی مدارس میں داخل ہوں۔"

ڈاکٹر واٹ ٹیلر کلیر نیڈن پریس لندن، عظیم ترین ماہر لسانیات کا کہنا ہے کہ :

"یورپی زبانوں میں عربی کی فنی اور غیر فنی اصطلاحات بھری پڑی ہیں۔ انگریزی زبان میں تقریباً ایک ہزار عربی الاصل الفاظ اور کئی ہزار عربی الفاظ کے مشتقات موجود ہیں۔ کنسائز آکسفورڈ ڈکشنری میں ان الفاظ میں سے ۵۰۴ موجود ہیں، جن میں سے ۲۸۳ الفاظ پاکٹ آکسفورڈ ڈکشنری میں شامل کر لئے گئے ہیں۔"

ماڈرن آکسفورڈ ہسٹریز (سر مٹین اینڈ مارٹ) کا بیان ہے کہ :

تمام یورپی جامعات بالخصوص آکسفورڈ یونیورسٹی اور پیرس یونیورسٹی کا یورپ میں عربی زبان کو پھیلانے میں بڑا حصہ رہا ہے۔"

جرمن ریسرچ :

"عربی زبان روزانہ زندگی میں شدید ضرورت کے موقعوں پر خود کو حسب منشاء بدل لیتی ہے۔ یہ روزانہ زندگی جب اور پبلک معاملات میں نظام فطرت کے بنیادی اصولوں کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کرنے پر مجبور ہوتی ہے اس وقت عربی پوری قوت اور تسکین بخش طریقہ پر اپنا عمل دکھاتی ہے۔"

برٹش ریسرچ :

شہنشاہ لیوسوم اور اس کے جانشینوں نے ۷۲۶ء سے ۷۸۰ء تک

راجر سوم سلطنت روما کے شہنشاہوں نے قرآن کا مطالعہ کیا اور وہ ۱۲۰۰ء تک قرآنی اصولوں کو اپنائے رہے۔ سلطنت روما کے جرمن شہنشاہ، عظیم فرمانروا فریڈرک نے جو خود قرآن کا بڑا عالم تھا، قرآنی اصولوں کی اشاعت و تبلیغ کی۔ انگلستان کے بادشاہ جان، نیز شہنشاہ نپولین اور عظیم یورپی نائٹ شمپلر، پاپائے اعظم سلوسٹر دوم، مشہور برطانوی ڈاکٹر ریمنڈ پیٹر مقدس، رابرٹ آف چیسٹر ایڈورڈ مارلے مائیکل اسکاٹ، پوپ گربرٹ، شوبے کا آرچ بشپ ریونیالیم، آرچ بشپ نیو مرد وغیرہ وہ لوگ تھے جنہوں نے پیرس، آکسفورڈ، بولونیا، مونٹ پلیر، پدوا، وینس وغیرہ وغیرہ مقامات پر قرآنی علوم کے مدارس کھولے۔ (۱)

جرمن ریسرچز قرآن کی تفاسیر اور انشاء پر جدید تحقیقات از پروفیسر بارٹ وگ ہرشیلڈ ڈاکٹر اسٹین گاس، ڈاکٹر کیمبری کا بیان ہے۔

"یہ کہ قرآن تمام علوم و فنون کا سرچشمہ تھا۔ کبھی کوئی قوم اس سرعت سے تہذیب و تمدن کی جانب نہیں بڑھی، جس سرعت سے قرآن کے ذریعہ عربوں نے ترقی کی۔ جہاں تک قائل کرنے کی قوت، فصاحت، وبلاغت اور انشاء کا تعلق ہے۔ اس میں کوئی چیز بھی قرآن تک نہیں پہنچتی۔ قرآن فطرت اور اس میں ہونے والے عمومی واقعات پر غور و فکر کرنے اور اس کا گہرا مطالعہ کرنے پر بہت زور دیتا ہے۔"

امریکن ریسرچز،

برٹش ریسرچز،

حاملین قرآن حضرات نے کولمبس سے پانچ سو سال پہلے امریکہ کو

۱۔ برٹش ریسرچ۔ باب۔ یورپ میں عقیدہ کا دور 7-V, '8-V, 2-V، صفحات ۳۳۸، ۳۱۳، V.

دریافت کر لیا تھا۔ انہوں نے سب سے پہلے ہوائی جہاز بنایا (ابن فرناس ۸۸۸ء)، دوربین ایجاد کی (ابن ہیثم (۹۰۳ء) بحری قطب نما ایجاد کیا (ابن ماجہ) جس سے کھلے سمندروں میں سفر کرنا ممکن ہوا۔ فن جراحی کو ترقی دی اور آلات جراحی بنائے (ابوالقاسم ۹۳۶ء) عربی اعداد یعنی نو ہندسوں اور صفر کو رواج دیا۔ جس سے ریاضیات میں زبردست انقلاب رونما ہو گیا۔ روئی سے کاغذ بنانے کا فن دریافت کیا اور طباعت کے کام کی ابتداء کی (۷۵۰ عیسوی) بھاری ترشوں، درپیمائی، ہیئتی آلات، رصد گاہوں، گردش کرنے والے ارضی کروں، ماسکونی ترازو، کیمیاوی آلات، کروی اصطرلابوں، مشاہداتی ہیئت کو جنم دیا۔

"بحر الکاہل، بحر اوقیانوس، بحر ہند سے گزرنے والے تمام سمندری راستوں کو دریافت کیا اور ان کے نقشے بنائے اور اس وقت تک نامعلوم دریائے وانگا اور وادی ڈینیوب سے گزرنے والے خشکی کے راستوں کا پتہ چلایا۔ جوہری نظریے کو رواج دیا۔ نظریۂ ارتقاء دریافت کیا۔ تجارت اور کاروبار کے اصول، عمارات و ثوالت کی نور پیمائی اعلیٰ درجے کے ٹھیک ٹھیک ناپنے والے آلات، گھنٹے، گھڑیاں، گشتی شفاخانے رائج کئے۔ نظام پارات کے نمونے تیار کئے گئے۔ (ابن عباس ۸۸۰ء)، پتھر سے شیشہ بنانے اور حرارت سے مرغیاں پیدا کرنے کی مشینیں ایجاد کیں۔"

کارنیجی ریسرچ واشنگٹن پر تحریر ہے۔

"ہم قرآن سے سائنس کا تعلق قائم کئے بغیر اس کی صحیح فہم تک کیسے رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔" (۱)

شکاگو یونیورسٹی ہسٹری کا بیان ہے۔

"انسانی تجربہ اور زندگی کا مشکل ہی ایسا کوئی گوشہ ہوگا جہاں قرآن

نے مغربی روایت کو مالا مال نہ کیا ہو۔ سائنس، مشروبات، جڑی بوٹیاں، ادویہ، اسلحہ و نقارات، صنعت و حرفت، تجارت، نقاشات و ایجادات، بحری ٹیکنیک اور جملہ اقسام کا فنی ذوق اور خوش اطواری سب وہیں سے حاصل ہوئیں۔ جدید سائنس کی اصطلاحات کا ذکر نہ کر کے قرآن کا جو کچھ حصہ ہے اس کی ایک حوالہ جاتی فہرست ہی دینے کے لئے بہت سے صفحات درکار ہوں گے اور پھر بھی وہ نامکمل قرار دی جائے گی۔"(۱)

برٹش ریسرچ۔ باب دوم کا کہنا ہے کہ۔

"یونان کے لوگ نہیں بلکہ حاملین قرآن جدید سائنس کے موجد تھے۔ دنیا اس غلط فہمی میں مبتلا رہی ہے، لیکن حالیہ تحقیقات سے یہ ناقابل تردید حقیقت سامنے آئی ہے کہ قرآن نے معروضی قسم کی تحقیقات اور تجرباتی معلومات کو اپنے ماننے والوں کے لئے لازمی قرار دیا ہے۔ یونانیوں نے بعض نظریات قائم کئے تھے لیکن تجرباتی معلومات کو عمومیت کا درجہ دینا یونانی مزاج کے لئے قطعاً ایک بیگانہ شئے تھی۔"(۲)

"قرآنی اثر جس نے اپنا اظہار یکساں طور پر یورپ، ایشیا اور افریقہ میں کیا بنیادی طور پر عقلی تھا، جس کی قدر و قیمت کو سمجھنا ہمارے لئے ضروری ہے۔ قرآن جو بنیاد ہے اس کو ہر معیار پر جانچا جا چکا ہے۔ یہ کتاب لوگوں کی تنقید کے صبر آزما امتحان میں اپنی صداقت و برتری کو بلحاظ عالمگیریت، کاملیت اور یک رنگی پوری طرح منوا چکی ہے۔"(۳)

ہم نے کوشش کی ہے کہ صداقت و دیانت اور آزادی کے ساتھ یہ بتا

۱۔ شکاگو یونیورسٹی ہسٹری صفحات ۱۳۳۔۱۳۴ ۱۹۵۴ء

۲۔ برٹش ریسرچ۔ باب دوم صفحات ۱۳۸، ۴۰، ۱۴۴، ۲۳۲،

۳۔ برٹش ریسرچ، دوم صفحہ ۲۳۸

ہیں کہ یورپ اور امریکہ دونوں اپنی سائنس اور علوم کی روشنی کے لئے
قرآن کے کتنے زیادہ مرہون احسان ہیں۔

ر ولیم اسکاٹ اپنی کتاب 'ہسٹری آف سیراسنز' میں لکھتا ہے:

"کوئی شخص بھی قرآن کے اس غیر معمولی مسلک کی تیز رفتار ترقی اور
اثر کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا جو اپنے جلو میں امن و سلامتی، نظم و
، علم و فضل، دولت و ثروت، سائنس، فنون اور مسرت و شادمانی لے کر
آ۔"

ری آف پاسٹ اینڈ پریزینٹ سویلزیشن از پروفیسر بیک کیلیفورنیا
ورسٹی میں مرقوم ہے۔

"قرآنی سلطنت کی عظیم تہذیب پر دنیا کا کوئی علاقہ بھی کبھی سبقت
لے گیا۔"

فیسر گزیوت اپنی تاریخ تہذیب میں فرماتے ہیں۔

"یورپ کی جدید ترقی و تہذیب میں سب سے زیادہ قوی الاثر عنصر
ان کا ظہور تھا۔"

"یہ تصور غلط ہے کہ اسلام کی ترقی تلوار کے زور سے ہوئی۔ تلوار کسی
کے تسلیم شدہ مسلک کو تبدیل کر سکتی ہے لیکن وہ انسان کے ضمیر پر
انداز نہیں ہو سکتی۔"(۱)

پی۔ اسکاٹ "ہسٹری آف مورش ایمپائر" میں رقمطراز ہے۔

"قرآنی تہذیب اپنے ان علاقوں میں جو جہالت میں ڈوبے ہوئے تھے
فضل، نظم وضبط، امن وامان اور خوشحالی و مسرت لے کر آئی۔"

پ میں عقیدہ کا دور باب یازدہم صفحہ ۳۳۲،

قرآن اور تسخیر کائنات

”نزول قرآن سے پہلے سائنس اور ٹیکنالوجی کو اسرار نہانی یا الٰہی مستیات خیال کیا جاتا تھا، جو مخصوص جماعتوں کو حاصل ہوتی تھیں، اور جن کو نہ ظاہر کیا جاتا تھا اور نہ جن کی اشاعت کی جاتی تھی۔

یونانیوں، چینیوں، ایرانیوں اور ہندوستانیوں کا علم نہایت محدود تھا اس کو بیرونی دنیا میں پھیلانا گناہ سمجھا جاتا تھا۔ افلاطون اعظم جیسے مشہور فلسفی نے ایک مرتبہ اپنے شاگرد ارسطو کو سرزنش کی تھی کہ اس نے علم کو عوام الناس کے لئے اس قدر سہل الحصول کیوں بنادیا ہے۔

دنیا میں جس نے سب سے پہلے اپنے ماننے والوں کو علم کی اشاعت کرنے اور قدرت کے رازوں کو کھولنے اور نیچر کی قوتوں پر قابو پانے کا حکم دیا وہ صرف قرآن تھا۔

إِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝

ترجمہ: بلاشبہ آسمانوں اور زمین میں ایمان والوں کے لئے خدا کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ تمہاری پیدائش میں بھی اور جانوروں میں بھی جن کو وہ پھیلاتا ہے، یقین کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔(۱)

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

۱۔ سورۂ جاثیہ آیت ۳، ۴

ترجمہ: اور اسی نے وہ سب جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، اپنی طرف سے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے۔ اس میں نشانیاں ہیں، ان لوگوں کے لئے جو غور کرتے ہیں۔ (۱)

قرآن، علم کو ایک مقدس شے قرار دیتا ہے لہٰذا دینی اعتبار سے اس کو اسلامی نظام سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ قرآنی تہذیب میں تعلیم کی حیثیت ہمیشہ سے ایک بنیادی عامل کی سی رہی ہے۔

قرآنی تہذیب کی بین الاقوامی اور وسیع المشربی نوعیت نے جو اس کے اسلامی انقلاب کی عالمگیر حیثیت سے اخذ کی گئی ہے اور جو اسلامی دنیا کے جغرافیائی اعتبار سے پھیلاؤ میں منعکس ہوئی ہے اس کو اس قابل کیا کہ وہ انسانی معاشرے میں حقیقی طور پر بین الاقوامی نوعیت کی اولین سائنس کو تخلیق کر سکی۔

ایک قادر مطلق اللہ کا عقیدہ انسان کی فطرت اور اس کے خمیر میں پیوست ہے۔ یہ شعوری کیفیت پیچھے کی طرف چل کر انتہائی قدیم تہذیبوں تک پہنچتی ہے۔ اس کی جڑیں انسان کے تصور اور جذبات میں قائم ہیں۔

قرآن اس شعور کو انسان کی عین فطرت قرار دیتا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ: تو تم پوری یکسوئی کے ساتھ خدا کے دین کے راستہ پر چلے چلو اور خدا کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے،

۱۔ سورۂ جاثیہ آیت ۱۳،

اختیار کئے رہو، خدا کی بنائی ہوئی فطرت میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا، یہی سید ھا دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے(۱)

دوسرے انداز سے ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ O

☆...... اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔(۲)

☆...... کیا وہ لوگ جن کو علم ہے، ان کے برابر سمجھے جائیں گے جن کو علم نہیں ہے۔

احادیث:

☆...... علم حاصل کرو خواہ وہ چین میں ہو۔

☆...... علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔

☆...... عالم کے قلم کی سیاہی شہید کے خون سے زیادہ افضل ہے۔

☆...... بنی نوع انسان میں فضیلت و برتری کا معیار علم ہے۔

قرآن اور سنت میں ایسی صدہا عبارتیں ہیں جن میں علم کی اس طرح کے الفاظ میں تعریف کی گئی ہے۔

ابتدائی دینی جوش و جذبہ مسلمان سائنس دانوں میں خواہ وہ ریاضی داں ہوتے، خواہ ماہر طبیعیات، ہیئت داں یا ماہر کیمیا وغیرہ، بہت زیادہ تھا۔ جب وہ خود کو سائنسی تحقیقات، دریافتوں، مشاہدات اور ایجادات کے لئے وقف کرتے اس وقت ان کے پیش نظر اللہ کی عظمت اور مخلوق کی خدمت کے سوا کچھ نہ ہوتا تھا۔

۱۔ سورۂ روم آیت ۳۰

۲۔ سورۂ زمر آیت ۹

تمدن کی عام ترقی کے لئے قرآنی سائنس کی اہمیت شک و شبہ سے بالاتر ہے اور اس کی بہت سی شہادتیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ جسے حامل قرآن حضرات نے عرب سے یورپ کو منتقل کئے اور اس سے بھی زیادہ اہم حقیقت یہ ہے کہ (ہارورڈ یونیورسٹی) سائنس کی یادگار تاریخ نے مسلم سائنس دانوں کے کاموں کے لئے بڑی تعداد میں ابواب مختص کئے ہیں۔ جس کی بنیاد اس خیال پر ہے کہ زیر غور زمانہ کو ان ہی سے نامزد کیا جاسکتا ہے اور یہ کہ نوع بشر کا خاص کام حامل قرآن حضرات ہی نے انجام دیا تھا۔

ایک اور مثال اس مقام کی نشاندہی سے جو تمدن کی تاریخ میں قرآنی سائنس کو حاصل ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی پرنسٹن یونیورسٹی میں نصب سنگ مرمر کے ایک مجسمے سے دی جاسکتی ہے جو ایک ایسی اجنبی شخصیت کو ظاہر کرتا ہے جو ایک مشرقی طرز کے لمبے سے چغہ اور پُرشکوہ دستار میں ملبوس ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک کھلا ہوا مخطوطہ ہے، جس پر عربی رسم الخط میں تحریر "کتاب الحاوی" کے لفظ پڑھے جاسکتے ہیں۔ یہ کہ جن لوگوں نے اس عیسائی عبادت گاہ کو وجود بخشا اس کو وقف کی شکل میں لائے۔ انہوں نے اس کتاب کے مصنف یعنی ۹ویں صدی کے الرازی (رہیزیز) کو عیسائیوں کی عبادت گاہ کی بنیاد پر دنیا کی عظیم ہستیوں کے درمیان نمائندگی کے قابل سمجھا۔ یہ بات اس مقام کے اظہار کے لئے کافی ہے جو تاریخ تمدن میں مسلم سائنس کو حاصل تھا۔

جہاں تک کتابوں یعنی قرآنی تہذیب کے مسودات و مخطوطات کا تعلق ہے اس کے بارے میں یہ جاننا کافی ہے کہ بہت کچھ تباہ و برباد کئے جانے کے بعد آج کے دن بھی تقریباً پانچ لاکھ مخطوطے Manuscripts اسلامی دنیا کے مختلف کتب خانوں اور یورپ اور امریکہ کی بڑی بڑی لائبریریوں میں موجود ہیں۔ اس سرمایہ کا ایک بڑا حصہ سائنسی مضامین پر مشتمل ہے جن میں وہ

اصلی تصانیف شامل ہیں جن کو مسلم فضلا نے خود تحریر فرمایا۔
مثلاً:

﴿۱﴾ رے کا کتب خانہ جس میں ۴۰۰ سے زیادہ بار شتر کے بقدر کتابیں تھیں۔ اوران کی فہرست دس جلدوں پر مشتمل تھی۔

﴿۲﴾ قاہرہ کا کتب خانہ جس میں چالیس گودام تھے اور ان میں علوم وفنون کی تمام شاخوں کی کتابیں موجود تھیں۔ ان میں سے اٹھارہ ہزار وہ کتابیں تھیں جن کا تعلق قدیم علوم سے تھا۔

﴿۳﴾ خلیفہ الحکم (۱۰۰۵ء) کے سب سے بڑے کتب خانے میں مطالعے کے کمرے، خصوصی مطالعے کے ہال اور اچھا مشاہرہ پانے والے لائبریرین تھے۔ علماء اور فضلا کو وظائف دیئے جاتے تھے تاکہ وہ اپنے مطالعہ کو جاری رکھ سکیں۔ وہاں جملہ علوم کی کتابیں موجود تھیں۔

﴿۴﴾ موصل کا کتب خانہ جہاں طلبہ نہ صرف بغیر فیس دیئے مطالعہ کر سکتے تھے بلکہ ان کو کاغذ و قلم تک فراہم کیا جاتا تھا۔

﴿۵﴾ شیراز کا کتب خانہ۔ اس کا انتظام ایک ناظم اور اس کے نائبین کے سپرد تھا۔

﴿۶﴾ تمام حکمران اپنے محلات میں لوگوں کے قیام اور علوم کی مختلف شاخوں کے لئے کمرے بنواتے تھے۔ اور وہاں درس دینے کے لئے جو اساتذہ مقرر تھے ان کو مشاہرے دیئے جاتے تھے۔

﴿۷﴾ امراء اور دولت مند حضرات بڑے بڑے کتب خانے قائم کرنے میں ایک دوسرے سے بازی لے جاتے۔ ان کو فضلاء کی نگرانی میں چھوڑ دیا جاتا تھا، جن کو بڑے بڑے وظائف ملتے تھے۔

﴿۸﴾ ۱۰۴۳ عیسوی میں قسطاط کے کتب خانہ میں صرف فلکیات، ہندسے

﴿۹﴾ تمام مسجدوں، شفاخانوں، مقبروں، قبوں اور عبادت گاہوں سے ملحق بڑے بڑے کتب خانے ہوتے تھے۔ لیکن تحریری مواد کی اس غیر معمولی کثرت سے یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہئے کہ مسلمانوں کا علم صرف کتابی ہو کر رہ گیا تھا۔ بلکہ علم کو براہ راست مشاہدۂ قدرت اور تجربہ سے بھی حاصل کیا جاتا تھا۔ جس کا اظہار اسپتالوں کی تحقیقی تجربہ گاہوں اور مشاہداتی آلات و تجرباتی سامان دونوں سے ہوتا ہے۔

ڈاکٹر گستاؤلیبان کی تاریخ میں مرقوم ہے۔

"بغداد کے کتب خانہ میں چالیس لاکھ کتابیں تھیں، اور تنہا قاہرہ کے کتب خانہ میں ۱۰ لاکھ مجلدات تھیں۔ طرابلس الشام کے کتب خانہ میں ۳۰ لاکھ کتابیں تھیں، جبکہ اکیلے اسپین میں مسلم انتظامیہ کے تحت سائنس، ریاضی اور ... ۷۰ تا ۸۰ ہزار کتابیں ہر سال لکھی جاتی تھیں۔"(۱)

قرآن محض مراقبہ اور مطالعۂ فطرت پر ہی زور نہیں دیتا بلکہ یہ سائنسی ... گاہوں کے سلسلے میں بھی رہبری کرتا ہے، یہ دنیا میں سب سے پہلا ماٰخذ ہے ... نے تحقیق کے استقرائی طریقے سکھائے۔ قرآن وہ بنیادی اصول بتاتا ہے ... اصل ان ہی کے سہارے طبعی سائنس میں کثرت میں یکسانیت کی دریافت ... کی تھی۔ وہ اصول اس طرح بیان ہوئے ہیں۔

﴿۱﴾ ...... فطرت میں وحدت

﴿۲﴾ ...... بنی نوع انسان میں وحدت

﴿۳﴾ ...... علم میں وحدت

(الف) قرآن نے سائنسی تحقیق اور معلومات کے لئے بنیادی اہمیت کا وہ گراں قدر سائنسی تصور پیش کیا جس سے اس پر عقیدہ

رکھنے والوں کو اس حد تک یقین ہو گیا کہ حقیقت تجرباتی تحقیق سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

(ب) قرآن نے قدرت کی ان قوتوں کی تسخیر کے لئے راستہ کھول دیا جن کو لوگ اس سے پہلے پوجتے تھے جب ایک طرف مکمل وحدانیت پر زور دیا جانے لگا اور دوسری جانب انسان کے خلیفۃ اللہ ہونے کا عقیدہ پختہ ہوا، جس سے چپکے رہنے کے نتیجے میں وہ تاریخ میں جدید سائنس کے بانی بن کر ابھرے۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ط

اس نے زمین و آسمان کی ساری ہی چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔(۱)

قرآن مجید میں دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ٥

اور وہی ہے جس نے تابع کر دیا دریا کو تاکہ تم تازہ گوشت اس میں سے کھاؤ اور اس میں سے زیور نکالو جس کو تم پہنتے ہو اور تو دیکھتا ہے کشتیوں کو کہ اس میں پانی کو چیرتی ہوئی جاتی ہیں، تاکہ تم اللہ کی روزی تلاش کرو اور تاکہ شکر ادا کرو۔(۲)

۳...... قرآن نے یہ تصور دیا کہ :

(الف) کائنات وسعت حاصل کر رہی ہے جب کہ پہلے ایک یکساں

ا۔ سورۂ جاثیہ آیت ۱۳،

۲۔ نحل آیت ۱۴

حالت پر قائم رہنے والی کائنات کا تصور عام تھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ط یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ ط

سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا اور فرشتوں کو پیغام رساں مقرر کرنے والا ہے۔ (ایسے فرشتے) جن کے دو دو اور تین تین اور چار چار بازو ہیں۔ وہ اپنی مخلوق کی ساخت میں جیسا چاہتا ہے اضافہ کرتا ہے۔ (۱)

(ب) کائنات مخلوق ہونے کے ساتھ ساتھ ارتقا پذیر ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَمَا یَسْتَوِی الْبَحْرٰنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ط وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِیًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا ج وَتَرَی الْفُلْكَ فِیْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ O

دو سمندر برابر نہیں، یہ ہے میٹھا پیاس بجھانے والا جس کا پینا خوش گوار ہے، اور وہ ہے کھاری، کڑوا، ہر ایک سے تم تازہ گوشت کھاتے ہو اور زیور نکالتے ہو جسے تم پہنتے ہو اور تم اس میں کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ چیرتی ہوئی چلی جارہی ہیں تاکہ تم اس کا فضل ڈھونڈو اور شکر ادا کرو۔ (۲)

(ج) اشیاء میں زوجین (جوروں) اور ایک دوسرے کے مخالف

۱۔ سورۂ فاطر آیت ۱،

۲۔ سورۂ فاطر آیت ۱۲،

کے اصول مقرر ہیں۔

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ٥

اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے ہیں۔ شاید کہ تم اس سے سبق لو۔ (۱)

(i) بجلی میں مثبت اور منفی :

سُبْحٰنَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ ٥ (۲)

پاک ہے وہ ذات جس نے جملہ اقسام کے جوڑے پیدا کیے۔ خواہ وہ زمین کی نباتات میں سے ہوں یا خود ان کی اپنی (یعنی نوع انسان کی) جنس میں سے یا ان اشیاء میں سے جن کو یہ جانتے تک نہیں ہیں۔

(ii) ایک جوہر کی ترکیب و تشکیل میں پروٹان Proton اور الیکٹران Electron کا ملاپ،

(iii) ذرّات Particles اور مخالف ذرّات Anti- Particles،

(iv) مادّہ Matter اور مخالف مادّہ Anti- Matter،

۴..... عمومی طور پر حیاتیاتی ارتقاء کا تصور۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ط

ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی۔ (۳)

۵..... پودوں کی زندگی یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مادّہ حیات Proto

---

۱۔ سورۃ الذاریات آیت ۴۹۔

۲۔ سورۃ یٰس آیت ۳۶۔

۳۔ سورۃ الانبیاء آیت ۳۰۔

plasm کی ترکیب میں اسی فی صد پانی شامل ہے۔ ارتقاء کا تصور۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ O

پاک ہے وہ ذات جس نے جملہ اقسام کے جوڑے پیدا کئے خواہ وہ زمین کی نباتات میں سے ہوں یا خود ان کی اپنی جنس (یعنی نوع انسانی) میں سے ان اشیاء میں سے جن کو یہ جانتے تک نہیں ہیں۔(۱)

اِنَّهٗ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ط

بیشک پیدائش کی ابتدا ہی کرتا ہے۔ پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے ان کو انصاف کے ساتھ جزا دے۔(۲)

وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا، (۳) حالانکہ اس نے تم کو طرح طرح سے بنایا

وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا،

اور اللہ نے تمہارے لئے زمین سے نباتات اگائی۔(۴)

قرآن بار بار ہمارے دماغ پر یہ تاثر قائم رکھتا ہے کہ ہم کائنات اور اس کی موجودات کی تخلیق پر غور و فکر کریں۔

اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ O وَفِیْ

۱۔ سورۂ یٰس آیت ۳۶،

۲۔ سورۂ یونس آیت ۴،

۳۔ سورۂ نوح آیت ۱۴،

خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوقِنُوْنَ ۝

حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں بے شمار نشانیاں ہیں ایمان لانے والوں کے لئے اور تمہاری اپنی پیدائش اور ان حیوانات میں جن کو اللہ (زمین میں) پھیلا رہا ہے۔ (۱)

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۚ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۝ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝

پھر اس بوند (نطفہ) کو لوتھڑے کی شکل دی۔ پھر لوتھڑے کو بوٹی بنایا۔ پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں۔ پھر ہڈیوں کو گوشت چڑھایا۔ پھر اسے ایک دوسری ہی مخلوق بنا کر کھڑا کیا۔ پس بڑا ہی برکت ہے اللہ سب کاریگروں سے اچھا کاریگر۔ (۲)

وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ

اور (اللہ) نے تم کو کان دئے، آنکھیں دیں اور دل دئے۔ روشنی کی کرنوں سے ہمارے لئے یہ ممکن ہوتا ہے کہ ہم شکلوں میں امتیاز کر سکیں۔ اور اپنے اردگرد کی چیزوں کی صحیح جائے وقوع کا اندازہ کر سکیں۔ (۳)

۱۔ سورۂ جاثیہ آیت ۳۔۴۔

۲۔ سورۂ مؤمنون آیت ۱۴۔

۳۔ سورۂ نحل آیت ۷۸۔

کیمبرج یونیورسٹی اور لندن یونیورسٹی نے بیان کیا ہے کہ :

"قرآن پاک، جدید سائنس کا اس اعتبار سے ماخذ قرار دیا جاسکتا ہے کہ قرآن نے فطری حوادث میں کام کرنے والے قوانین کے غیر متغیر ہونے کا یقین عطا کیا ہے اور یہ چیز سائنسی تحقیق اور بیرونی خلا میں ہونے والے واقعات اور سانحات کی بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔" (۱)

قرآن پاک کا کائنات کی تخلیق کے بارے میں ارشاد ہے :

فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ط

جو زمین اور آسمانوں کا خالق اور جو روزی دیتا ہے روزی لیتا نہیں ہے۔ (۲)

مطلب یہ ہے کہ جب کائنات میں کچھ بھی نہیں تھا اس وقت اللہ تعالیٰ نے پہلے آسمانوں اور زمین کو تخلیق کیا۔

دوسری جگہ قرآن میں فرمایا۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ O

وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے اور جس بات کا وہ فیصلہ کرتا ہے اس کے لئے بس یہ حکم دیتا ہے کہ ہو جا، اور وہ ہو جاتی ہے۔ (۳)

یعنی اس کے تخلیق کرنے کا قانون اس طرح پر ہے کہ جب وہ کوئی چیز پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو حکم دیتا ہے کہ "ہو جا" پس وہ ہو جاتی ہے۔

۱۔ کیمبرج یونیورسٹی اور لندن یونیورسٹی نے ۱۹۷۰ء میں صفحات ۴۳ اور ۱۳۷۔

۲۔ سورۂ انعام آیت ۱۴۔

۳۔ سورۂ بقرہ آیت ۱۱۷۔

قرآن مجید نے تخلیق کے لئے دو مختلف الفاظ استعمال کئے ہیں، جو فی الحقیقت تخلیق کے دو مختلف مدارج کو ظاہر کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک لفظ ''امر'' ہے اور دوسرا ''خلق''

خلق...... جس کے معنی ہیں کوئی نئی چیز موجودہ عناصر سے پیدا کرنا۔ یہ وہ مرحلہ ہے جہاں کوئی معروض اپنی ظاہری شکل میں وصورت پذیر ہوتا ہے۔ اس سے پہلے وہ معروض اپنے وجود کے عمل سے گزر رہا ہوتا ہے۔

یہ نقش آرائی کا درجہ ''عالم امر'' کہلاتا ہے۔ اس نقش آرائی کی نوعیت کیا ہے اور کس طرح اس کو عمل میں لایا جاتا ہے؟

یہ چیز انسانی تخیل اور فہم و ادراک سے ماوراء ہے۔ اس کو ''مشیت الٰہی'' کہا جاتا ہے۔ جس کے بارے میں بحث وحجت کی کوئی گنجائش نہیں۔

ایک اور جگہ فرمایا۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۝

اے نبی ﷺ کہو کہ اگر سمندر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لئے روشنائی بن جائے تو وہ ختم ہو جائے مگر میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں۔ بلکہ اگر اتنی ہی روشنائی ہم اور لے آئیں تو وہ بھی کفایت نہ کرے۔ (۱)

یعنی اگر دنیا کے سمندر اس کی تخلیق کے معروضات کو لکھنے کے لئے روشنائی بن جائیں اور اتنی ہی اور آجائے تو معروضات کے بیان کے لئے وہ بھی کفایت نہ کرے۔

ہم دل کش اور انتہائی حسین مخلوق کا مشاہدہ کرتے ہیں، لیکن خالق کو

۱۔ سورۃ الکہف آیت ۱۰۹۔

نہیں دیکھے۔ تاہم قرآن کا ارشاد ہے!

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ

کوئی نگاہ اللہ کا جو خالق ہے ادراک نہیں کر سکتی۔(۱)

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۝ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝

زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں، یقین لانے والوں کے لئے اور خود ہمارے اپنے وجود میں بھی۔ کیا تم کو سوجھتا نہیں ؟(۲)

مطلب یہ ہے کہ قرآن بار بار یہ کہتا ہے کہ نیچر کا جو سراغ لگاؤ اور اللہ کی مخلوق کا گہرا مطالعہ کرو۔ زمین میں ان لوگوں کے لئے واضح نشانیاں ہیں کھوج لگاتے اور تحقیق کرتے ہیں۔ اور خود انسان کے اپنے وجود میں بھی۔ اس آیت میں اللہ بطور استفہام فرماتا ہے۔

"تو کیا تم نہیں دیکھو گے۔" "اپنی بصارت کو کام میں لاؤ۔"

اللہ کی مخلوق کو جاننا ہی اللہ کو جاننا ہے۔ یعنی مخلوق کی معرفت ہی سے اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

ایک اور جگہ قرآن کریم میں فرمایا:

وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ

اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے جو چاہے کرے۔(۳)

یعنی وہ اپنی مرضی کا مختار ہے اور اپنی مرضی کے مطابق عمل کرتا ہے۔

یہاں "مرضی" سے مراد "من کی موج" یا "خواہشاتِ نفسانی نہیں

۱۔ سورۂ انعام آیت ۱۰۳۔

۲۔ سورۂ ذاریات آیت ۲۱۔

۳۔ سورۂ ابراہیم آیت ۲۷۔

ہے بلکہ مرضی کا مطلب یہ ہے "قانونِ قدرت"

ایک اور جگہ قرآن کریم میں فرمایا!

وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ

اور اسی نے کشتی کو قاعدہ کا پابند بنایا ہے۔ کہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہے۔ (۱)

یعنی جہاز اس کے وضع کردہ قانون کے مطابق سمندر میں چلتے ہیں۔

ایک اور جگہ قرآن کریم میں فرمایا:

وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ

اور وہی آسمان کو اس طرح تھامے ہوئے ہے کہ اس کی اذن کے بغیر وہ زمین پر نہیں گر سکتا۔ (۲)

یعنی اللہ تعالیٰ اجرام فلکی کو اس طرح سنبھالے ہوئے ہے کہ اس کے حکم کے بغیر وہ زمین پر نہیں گر سکتے۔

ایک اور جگہ فرمایا:

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ

وہ اپنے کاموں کے لئے (کسی کے آگے) جواب دہ نہیں ہے۔ (۳)

مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اس کے کاموں کے لئے اس سے باز پرس نہیں کر سکتا۔ جیسے کوئی دریافت کرے کہ آخر!

﴿۱﴾...... کسی ایک عنصر کو ایک مخصوص خاصیت کیوں دی گئی ہے؟

۱۔ سورۃ الحج آیت ۶۵،

۲۔ سورۃ الحج آیت ۶۵،

۳۔ سورۃ الانبیاء آیت ۲۳،

﴿۲﴾...... زہر کیوں موت کا سبب ہوتا ہے ؟
﴿۳﴾...... آگ کیوں جلاتی ہے ؟

جہاز پانی میں تیرتا ہے۔ اس پر باز پُرس نہیں کی جاسکتی۔ یہ قانونِ قدرت ہے کہ اگر کسی جسم کا وزن اتنے پانی کے وزن سے کم ہو جس کو اس جسم نے ہٹایا ہے تو وہ جسم تیرتا ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا۔

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا (۱)

اللہ کا حکم ایک قطعی طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ مادّہ (۲) کے گونا گوں قوانین کچھ اصولوں پر مبنی ضابطوں اور رویّوں سے منسلک ہیں۔

۱۔ سورہ الاحزاب ۳۳ آیت ۳۸۔

۲۔ اس آیت کے سیاق و سباق سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا تعلق انبیاء علیہم السلام کے ان کاموں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں تفویض کئے ہیں۔ چنانچہ اس سے پہلے کی عبارت اس طرح پر ہے۔ "نبی ﷺ پر کسی ایسے کام میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے جو اللہ نے اس کے لئے مقرر کر دیا ہو۔ یہی اللہ کی سنت ان سب انبیاء کے معاملہ میں رہی ہے جو پہلے گزر چکے ہیں۔ اور اللہ کا حکم ایک قطعی طے شدہ فیصلہ ہے۔"

لیکن ان مغربی محققین نے اپنے رجحان طبیعت کے مطابق اس کو مادّی معاملات پر منطبق کر دیا ہے۔

قرآن مجید کا اعجاز تاثیر

پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث :-

"پیغمبروں میں سے ہر پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے ایسے معجزات دیئے جن کو دیکھ کر لوگ ایمان لائے اور مجھ کو جو معجزہ عطا ہوا ہے، وہ قرآن ہے"۔(۱)

یہ ارشاد ہماری تلاش کے صحیح رخ کو متعین کرتا ہے، وہ بتاتا ہے کہ رسول کی رسالت کو پہچاننے کے لئے آج ہمارے پاس جو سب سے بڑا ذریعہ ہے وہ، وہ کتاب ہے جس کو رسول نے یہ کہہ کر پیش کیا تھا کہ وہ اس کے پاس خدا کی طرف سے اتری ہے، قرآن، رسول کا نمائندہ بھی ہے، اور رسول کے رسول برحق ہونے کی دلیل بھی۔

قرآن کی وہ کیا خصوصیات ہیں، جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ وہ خدا کی طرف سے اترا ہے۔

۱۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی چیز جو قرآن کے طالب علم کو متاثر کرتی ہے، وہ قرآن کا چیلنج ہے، جو چودہ سو برس پہلے سے دنیا کے سامنے ہے، مگر آج تک اس کا جواب نہ دیا جا سکا۔ قرآن میں بار بار یہ اعلان کیا گیا ہے، کہ جو لوگ قرآن کے کتاب الٰہی ہونے کے بارے میں مشتبہ ہیں، اور اس کو محض اپنے جیسے ایک انسان کی تصنیف سمجھتے ہیں، وہ ایسی ایک کتاب بنا کر پیش کریں، بلکہ اس کے جیسی ایک سورہ ہی بنا کر دکھا دیں۔

وَإِنْ كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ

۱۔ بخاری، باب الاعتصام،

مِنْ مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَآءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝

اپنے بندے پر اپنا جو کلام ہم نے اتارا ہے اگر اس کے (کلام الٰہی ہونے کے) بارے میں تمہیں شبہ ہے تو اس کے جیسی ایک سورہ لکھ کر لے آؤ اور خدا کے سوا اپنے تمام شہداء کو بلالو، اگر تم اپنے خیال میں سچے ہو۔(۱)

یہ ایک حیرت انگیز دعویٰ ہے، جو ساری انسانی تاریخ میں کسی بھی مصنف نے نہیں کیا اور نہ بقید ہوش و حواس کوئی مصنف ایسا دعویٰ کرنے کی جرأت کر سکتا، کیونکہ کسی بھی انسان کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ ایک ایسی کتاب لکھ دے جس کے ہم پایہ کتاب دوسرے انسان نہ لکھ سکتے ہوں، ہر انسانی تصنیف کے جواب میں اسی درجہ کی دوسری انسانی تصنیف تیار کی جاسکتی ہے، قرآن کا یہ کہنا کہ وہ ایک ایسا کلام ہے جیسا کلام انسانی ذہن تخلیق نہیں کر سکتا، اور ڈیڑھ ہزار برس تک کسی انسان کا اس پر قادر نہ ہونا، قطعی طور پر ثابت کر دیتا ہے کہ یہ ایک غیر انسانی کلام ہے، یہ خدائی منبع Divine Origin سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں، اور جو چیز خدائی منبع سے نکلی ہو اس کا جواب کون دے سکتا ہے۔

تاریخ میں چند مثالیں ملتی ہیں جبکہ اس چیلنج کو قبول کیا گیا، سب سے پہلا واقعہ لبید بن ربیعہ کا ہے، جو عربوں میں اپنے قوت کلام اور تیزی طبع کے لئے مشہور تھا۔ اس نے جواب میں ایک نظم لکھی جو کعبہ کے پھاٹک پر آویزاں کی گئی اور یہ ایک ایسا اعزاز تھا جو صرف کسی اعلیٰ ترین شخص ہی کو ملتا تھا، اس واقعہ کے جلد ہی بعد کسی مسلمان نے قرآن کی ایک سورت لکھ کر اس کے

۱۔ سورہ بقرہ آیت ۲۳۔

قریب آویزاں کر دی، لبید (جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے) جب اگلے روز کعبہ کے دروازہ پر آئے اور سورت کو پڑھا تو ابتدائی فقروں کے بعد ہی وہ غیر معمولی طور پر متاثر ہوئے اور اعلان کیا کہ بلا شبہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے، اور میں اس پر ایمان لاتا ہوں۔(۱) حتیٰ کہ عرب کا یہ مشہور شاعر قرآن کے ادب سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس کی شاعری چھوٹ گئی، بعد کو ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے اشعار کی فرمائش کی تو انہوں نے جواب دیا۔

"جب خدا نے مجھے بقرہ اور آل عمران جیسا کلام دیا ہے تو اب میرے لئے زیبا نہیں۔"(۲)

دوسرا اس سے زیادہ عجیب واقعہ ابن المقفع کا ہے جس کو نقل کرتے ہوئے ایک معروف مستشرق Wollaton لکھتا ہے:

The Muhammad's boast as to the literary excellence of the Quran was not unfounded, is further evidenced by a circumstance, which occourred about a century after the establishment of Islam.(3)

یعنی یہ بات کہ قرآن کے اعجاز کلام کے بارے میں محمد ﷺ کی شیخی غلط نہیں تھی، یہ اس واقعہ سے ثابت ہو جاتا ہے جو اسلام کے قیام کے سو سال بعد پیش آیا۔

۱۔ Mohammad the Holy Prophet by H.G. Sarwar, P. 448

۲۔ استیعاب ابن عبدالبر، ترجمہ لبید،

۳۔ Mohammad, his life and Doctrines, By Wollaton P.143,

واقعہ یہ ہے کہ منکرین مذہب کی ایک جماعت نے یہ دیکھ کر کہ قرآن لوگوں کو بڑی شدت سے متاثر کر رہا ہے، یہ طے کیا کہ اس کے جواب میں ایک کتاب تیار کی جائے، انہوں نے اس مقصد کے لئے ابن المقفع سے رجوع کیا، جو اس زمانے کا ایک زبردست عالم، بے مثال ادیب اور غیر معمولی ذہین و طباع آدمی تھا، ابن مقفع کو اپنے اوپر اتنا اعتماد تھا کہ وہ راضی ہو گیا، اس نے کہا کہ میں ایک سال میں یہ کام کر دوں گا۔ البتہ اس نے یہ شرط لگائی کہ اس پوری مدت میں اس کی تمام ضروریات کا مکمل انتظام ہونا چاہئے تاکہ وہ کامل یکسوئی کے ساتھ اپنے ذہن کو اپنے کام میں مرکوز رکھے۔

نصف مدت گزر گئی تو اس کے ساتھیوں نے یہ جاننا چاہا کہ اب تک کیا کام ہوا ہے۔ وہ جب اس کے پاس گئے تو انہوں نے اس کو اس حال میں پایا کہ وہ بیٹھا ہوا ہے۔ قلم اس کے ہاتھ میں ہے، گہرے مطالعہ میں مستغرق ہے، اس مشہور ایرانی ادیب کے سامنے ایک سادہ کاغذ پڑا ہوا ہے، اس کی نشست کے پاس لکھ لکھ کر پھاڑے ہوئے کاغذات کا ایک انبار ہے اور اسی طرح سارے کمرہ میں کاغذات کا ڈھیر لگا ہوا ہے، اس انتہائی قابل اور فصیح اللسان شخص نے اپنی بہترین قوت صرف کر کے قرآن کا جواب لکھنے کی کوشش کی، مگر وہ بری طرح ناکام رہا۔ اس نے پریشانی کے عالم میں اعتراف کیا کہ صرف ایک فقرہ لکھنے کی جدوجہد میں اس کے چھ مہینے گزر گئے، مگر وہ لکھ نہ سکا، چنانچہ ناامید اور شرمندہ ہو کر وہ اس خدمت سے دست بردار ہو گیا۔

اس طرح قرآن کا چیلنج بدستور آج تک قائم ہے، اور صدیاں پر صدیاں گزر گئیں مگر کوئی اس کا جواب نہ دے سکا، قرآن کی یہ ایک حیرت انگیز خصوصیت ہے جو بلا اشتباہ یہ ثابت کرتی ہے کہ مافوق ہستی کا کلام ہے، اگر آدمی کے اندر فی الواقع سوچنے کی صلاحیت ہو تو یہی واقعہ ایمان لانے کے لئے کافی ہے۔

قرآن کے اس معجزانہ کلام کا نتیجہ تھا کہ عرب کے لوگ، جو فصاحت و بلاغت میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، اور جن کو اپنے کلام کی برتری کا اتنا احساس تھا کہ عرب کے سوا بقیہ دنیا کو عجم (گونگا) کہتے تھے، وہ قرآن کے کلام کے آگے جھکنے پر مجبور ہو گئے، تمام لوگوں کو اس کے برتر ادب کا اعتراف کرنا پڑا، ضماد ازدی نام کے ایک عرب آپ ﷺ کے پاس آئے، وہ ابھی اسلام نہیں لائے تھے، آپ ﷺ نے انہیں قرآن کا کچھ حصہ پڑھ کر سنایا، وہ سن کر حیران رہ گئے، ان کی زبان سے بے اختیار یہ فقرہ نکلا۔

"خدا کی قسم میں نے کاہنوں کی بولی، جادوگروں کے منتر اور شاعروں کے قصائد سنے ہیں، مگر تمہارا کلام کچھ اور ہی ہے، یہ تو سمندر تک میں اثر کر جائے گا۔"(۱)

اس طرح کے بے شمار اعترافات ہیں، جو قدیم تاریخ میں بھی موجود ہیں، اور حال کے واقعات میں بھی۔

۲۔ دوسری چیز قرآن کی پیشین گوئیاں ہیں، یہ پیشین گوئیاں حیرت انگیز طور پر بالکل صحیح ثابت ہوئیں۔

تاریخ میں ہمیں بہت سے ایسے ذہین اور حوصلہ مند لوگ ملتے ہیں جنہوں نے اپنے یا دوسرے کے بارے میں پیش گوئی کی جرأت کی ہے، مگر ہمیں معلوم ہے کہ زمانے نے کبھی ایسے لوگوں کی تصدیق نہیں کی، موافق حالات، غیر معمولی صلاحیت، اعوان و انصار کی کثرت اور ابتدائی کامیابیوں نے اکثر لوگوں کو اس دھوکے میں ڈال دیا ہے کہ وہ ایک ایسے انجام کی طرف بڑھ رہے ہیں، جو عین اس کی مرضی کے مطابق ہے، انہوں نے فوراً ایک یقینی انجام کا دعویٰ کر دیا، مگر تاریخ نے ہمیشہ اس قسم کے دعوؤں کی تردید کی ہے، اس کے

۱۔ مسلم، باب تخفیف الصلوٰۃ،

عکس بالکل مخالف اور نا قابلِ قیاس حالات میں بھی قرآن کے الفاظ اس طرح صحیح ثابت ہوئے کہ ان کی توجیہہ کے لئے تمام انسانی علوم بالکل ناکافی ہیں، ہم انسانی تجربات کی روشنی میں کسی طرح ان کو سمجھ نہیں سکتے۔ ان کی توجیہہ کی واحد صورت صرف یہ ہے کہ ان کو غیر انسانی ہستی کی طرف منسوب کیا جائے۔

نپولین بوناپارٹ اپنے وقت کا عظیم جنرل تھا، اس کی ابتدائی کامیابیاں بتاتی تھیں کہ وہ سیزر اور اسکندر کے لئے بھی ایک قابل رشک فاتح ثابت ہوگا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نپولین کے ذہن میں یہ خیال پرورش پانے لگا کہ وہ تقدیر کا مالک ہے، اس کو اپنے اوپر اتنا اعتماد ہوگیا کہ اپنے قریبی مشیروں تک کے مشورے کو قبول کرنا اس نے چھوڑ دیا، اس کا کہنا تھا کہ کامل غلبہ کے سوا میرا کوئی دوسرا انجام نہیں ہوسکتا۔ مگر اس کا جو انجام ہوا وہ سب کو معلوم ہے، ۱۲ جون ۱۸۱۵ء کو نپولین اپنی سب سے بڑی فوج لے کر پیرس سے روانہ ہوا کہ دشمن کو اس کے راستے ہی میں ختم کردے، اس کے چھ دن بعد واٹرلو (بلجیم) میں ڈیوک آف ولنگٹن Duke of Wellington نے خود اس کو فیصلہ کن شکست دینے میں کامیابی حاصل کی، جو اس وقت برطانیہ، ہالینڈ اور جرمنی کی فوجوں کی قیادت کررہا تھا، اب نپولین کی ساری امیدیں ختم ہوگئیں، وہ اپنا تخت چھوڑ کر امریکہ کے ارادے سے بھاگ کھڑا ہوا، مگر ابھی ساحل پر پہنچا تھا، کہ دشمن کے نگراں دستوں نے اسے پکڑ لیا، اور اس کو مجبور کیا کہ وہ ایک برطانوی جہاز پر سوار ہو، اس کے بعد اس کو جلاوطنی کی زندگی گزارنے کے لئے جنوبی اٹلانٹک کے جزیرہ سینٹ ہیلینا پہنچا دیا گیا، جہاں وہ تنہائی اور تلخ حالات میں پڑا پڑا ۵ مئی ۱۸۲۱ء کو مرگیا۔

مشہور کمیونسٹ مینی فسٹو جو ۱۸۴۰ء میں شائع ہوا، اس میں سب سے پہلے جس ملک میں اشتراکی انقلاب کی امید ظاہر کی گئی تھی، وہ جرمنی ہے، مگر

ایک سو بیس سال گزرنے کے بعد بھی جرمنی اب تک اس 'انقلاب' سے ناآشنا ہے، مئی ۱۸۴۹ء میں کارل مارکس نے لکھا تھا۔ "سرخ جمہوریت پیرس کے اوپر سے جھانک رہی ہے" اس پیشین گوئی کو ایک صدی سے زیادہ مدّت گزر گئی، مگر ابھی تک پیرس کے اوپر سرخ جمہوریت کا آفتاب نہیں نکلا۔

اڈولف ہٹلر نے ۱۴ مارچ ۱۹۲۶ء کو میونخ کی مشہور تقریر میں کہا تھا:

"میں اپنے راستہ پر اعتماد کے ساتھ چل رہا ہوں کہ غلبہ میرے حق میں مقدّر ہو چکا ہے۔(۱)

مگر ساری دنیا جانتی ہے کہ جرمنی کے اس عظیم ڈکٹیٹر کے حق میں جو چیز مقدّر تھی وہ یہ کہ وہ شکست کھائے اور خودکشی کرکے اپنی جان دے۔

یہاں صرف دو پیشین گوئیوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے ایک خود پیغمبر اسلام ﷺ کا غلبہ، دوسرے رومیوں کی دوبارہ فتح کی پیشین گوئی۔

﴿۱﴾..... محمد ﷺ نے اسلام کی دعوت شروع کی تو تقریباً تمام عرب آپ کا مخالف ہوگیا، ایک طرف مشرک قبائل تھے، جو آپ ﷺ کے جانی دشمن ہوگئے۔ دوسری طرف یہودی سرمایہ دار تھے، جو ہر قیمت پر آپ ﷺ کو ناکام بنادینے کا فیصلہ کر چکے تھے، تیسری طرف منافقین تھے، جو بظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے، مگر ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ کی جماعت میں گھس کر آپ ﷺ کی تحریک کو اندر سے ڈائنامیٹ کریں، اس طرح طاقت، سرمایہ اور اندرونی سازش۔ سہ طرفہ مخالفتوں کے طوفان میں آپ ﷺ اس طرح اپنی تحریک چلا رہے تھے کہ تھوڑے سے غلاموں اور کمزور لوگوں کے سوا کوئی آپ ﷺ کا ساتھی نہ تھا، مکہ کے سربر آوردہ لوگوں میں سے گنتی کے چند آدمی جو آپ ﷺ کا ساتھ دینے کے لئے نکلے ان کا بھی حال یہ ہوا کہ آپ ﷺ کی

1- A Study of History (Abridgement) P. 447

طرف آتے ہی وہ اپنی برادری سے کٹ گئے اور ان کی قوم ان کی بھی اسی طرح دشمن ہو گئی جس طرح وہ خدا کے رسول ﷺ کی دشمن تھی۔

یہ تحریک یوں ہی چلتی رہی، یہاں تک کہ حالات اس قدر شدید ہو گئے کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو اپنا وطن چھوڑ کر دوسرے علاقوں کی طرف ہجرت کر جانا پڑا، اس طرح آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھی جو پہلے ہی نہتے اور کمزور تھے، مدینے میں اس حالت میں جمع ہوئے کہ اپنے وطن میں جو کچھ ان کے پاس تھا وہ بھی چھن چکا تھا، مدینے میں ان لوگوں کی بے کسی کا کیا عالم تھا، اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اپنے وطن کو چھوڑ کر مدینے میں آپ ﷺ کے جو ساتھی جمع ہوئے تھے، ان میں ایسے لوگ بھی تھے، جن کے رہنے کے لئے کوئی باقاعدہ مکان نہیں تھا، وہ چھپر پڑے ہوئے ایک چبوترے پر زندگی گزارتے تھے، اسی مناسبت سے ان کا نام "اصحاب صفّہ" پڑ گیا تھا، اس چبوترے پر مختلف اوقات میں جو لوگ رہے، ان کی تعداد تقریباً چار سو بتائی جاتی ہے، حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ میں نے اصحاب صفّہ میں سے ستر آدمیوں کو دیکھا ہے جن میں سے ہر شخص کا حال یہ تھا کہ اس کے پاس یا تو صرف ایک تہبند تھی، یا صرف ایک چادر، وہ اس کو اپنی گردن میں باندھ لیتا تھا، اور وہ اس کی پنڈلی تک لٹکتا رہتا تھا، حضرت ابو ہریرہؓ اس زمانے کا خود اپنا حال بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد نبوی ﷺ میں خاموش لیٹا رہتا تھا، اور لوگ سمجھتے تھے کہ میں بیہوش ہوں، حالانکہ حقیقت صرف یہ تھی کہ مسلسل فاقے کی وجہ سے میں نڈھال ہو جاتا تھا، اور مسجد میں جا کر لیٹ رہتا تھا۔ (۱)

چند انسانوں کا یہ بے سروسامان قافلہ مدینے کی زمین پر اس طرح پڑا ہوا تھا کہ ہر آن یہ خطرہ تھا کہ چاروں طرف اس کے پھیلے ہوئے دشمن اس کو

---

(۱) ترمذی،

اچانک لے جائیں گے، مگر خدا کی طرف سے بار بار آپ ﷺ کو یہ بشارت آتی تھی کہ تم ہمارے نمائندے ہو اور تمہیں کوئی زیر نہیں کر سکتا۔ (کتب اللہ لا غلبن انا ورسلی) ساری مخالفتوں کے علی الرغم اللہ تم (ﷺ) کو غالب کر کے رہے گا۔ (۱)

یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ○ هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ کا فیصلہ ہے کہ وہ اپنی روشنی کو مکمل کر کے رہے گا، خواہ منکروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔ وہی ہے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے، خواہ شرک کرنے والوں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔ (۲)

اس دعوے کو تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ سارا عرب آپ ﷺ کے قدموں کے نیچے آگیا، تھوڑے سے نہتے اور بے سروسامان لوگ ان پر غالب آگئے جو تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ وقت جن کا ساتھ دے رہا تھا اور جن کے پاس ہتھیار اور سازوسامان کا زبردست ذخیرہ موجود تھا۔

مادّی اصطلاحات میں اس بات کی کوئی توجیہ نہیں کی جا سکتی کہ آپ ﷺ کو عین اپنی پیشین گوئی کے مطابق عرب کے لوگوں اور ہمسایہ ملکوں پر کیسے اتنا زبردست غلبہ حاصل ہو گیا، اس کی صرف ایک ہی توجیہ ممکن ہے، وہ

۱۔ سورۂ مجادلہ آیت ۲۱۔

۲۔ سورۂ صف آیت ۸۔۹۔

کہ آپ ﷺ خدا تعالیٰ کے نمائندے تھے، خدا نے اپنی مدد سے آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے دشمنوں کے مقابلے میں غالب کیا اور آپ ﷺ کے مشن کو اس حد تک کامیاب کیا کہ آپ ﷺ کے دشمن آپ ﷺ کے ساتھی بن گئے۔ غیر معمولی مخالفت اور زبردست دشمنوں کے مقابلے میں نبی امی ﷺ کا عین اپنے دعوے کے مطابق کامیاب ہونا، اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ آپ ﷺ الٰہی طاقت کے نمائندے تھے، اگر آپ ﷺ محض ایک انسان ہوتے تو کبھی ممکن نہیں تھا کہ آپ ﷺ کے الفاظ تاریخ بن جائیں، ایسی تاریخ جس کی مثال سارے انسانی واقعات میں کوئی ایک بھی نہیں، جے، ڈبلیو، ایچ اسٹوبرٹ J.W.H. Stobart کے الفاظ میں "آپ (ﷺ) کے پاس جتنے کم ذرائع تھے اور جو وسیع اور مستقل کارنامہ آپ (ﷺ) نے انجام دیا، اس کے اعتبار سے دیکھا جائے تو ساری انسانی تاریخ میں اتنا نمایاں طور پر درخشاں نام اور کوئی نظر نہیں آتا جتنا نبی عربی ﷺ کا ہے۔ (۱)

یہ آپ ﷺ کے نمائندہ الٰہی ہونے کی ایسی حیرت انگیز دلیل ہے کہ سر ولیم میور William Muir جیسے شخص کو بھی بالواسطہ طور پر اس کا اعتراف کرنا پڑا:-

> "محمد ﷺ نے دشمنوں کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا، انہیں مٹھی بھر آدمیوں کے ساتھ دن رات اپنی کامیابی کا انتظار رہتا تھا، بظاہر بالکل غیر محفوظ، بلکہ یوں کہئے کہ شیر کے منہ میں رہ کر وہ ہمت دکھائی کہ اس کی نظیر اگر کہیں مل سکتی ہے تو صرف بائیبل میں جہاں ایک نبی کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے ایک موقع پر خدا سے کہا تھا کہ ...... صرف

1- Islam and its Founder, By J.W.H. Stobart P.228

میں ہی باقی رہ گیا ہوں۔(۱)

﴿۲﴾...... قرآن کی دوسری پیشین گوئی جس کا میں یہاں ذکر کرنا چاہتا ہوں، وہ رومیوں کا ایرانیوں پر غلبہ ہے جو قرآن کی تیسویں سورہ (روم) میں وارد ہوئی ہے:-

غُلِبَتِ الرُّومُ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُم مِّن بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ (۲) سورۂ روم ۳۰ آیت ۲-۳

جزیرہ نمائے عرب کے مشرق میں خلیج فارس کے دوسرے ساحل پر ایرانی حکومت قائم تھی، اور مغرب میں بحر احمر کے کناروں سے لے کر اوپر بحر اسود تک وہ سلطنت تھی، جو تاریخ میں سلطنت روم کے نام سے مشہور ہے، اول الذکر کا دوسرا نام ساسانی سلطنت اور مؤخر الذکر کا بازنطینی سلطنت ہے، ان دونوں حکومتوں کی سرحدیں عرب کے شمال میں عراق کے مشہور دریاؤں دجلہ وفرات پر آکر ملتی تھی، یہ دونوں اپنے زمانے کی طاقت ور ترین سلطنتیں تھیں، رومی سلطنت کی تاریخ مؤرخ گبن کے بیان کے مطابق دوسری صدی عیسوی سے شروع ہوتی ہے اور اس کو اپنے وقت کی مہذب ترین سلطنت کی حیثیت حاصل رہی ہے۔

روم کے زوال پر جتنا لکھا گیا ہے، اتنا کسی تہذیب کے خاتمے پر نہیں لکھا گیا(۳) اور اگرچہ کوئی ایسی کتاب نہیں ہوسکتی جو دوسری تمام کتابوں سے آدمی کو مستغنی کردے، تاہم مجموعی اعتبار سے اس عنوان پر سب سے زیادہ مفصل اور معتمد مواد اڈورڈ گبن Edward Gibbon کی مشہور کتاب ہے

۱- LIFE OF MUHAMMAD , By Sir William Muir P.228

۲- سورۂ روم آیت ۲،۳

۳- Western Civilization, By Edward Gibbon P. 210.

کتاب کا نام ہے:

"The History of the Decline and fall of the Roman Empire"

اس کتاب کی پانچویں جلد کے دوسرے باب میں مصنف نے اس دور کے واقعات قلم بند کیے ہیں، جو اس وقت ہمارا موضوع بحث ہے، روم کے ایک بادشاہ قسطنطین نے ۳۲۵ء میں مسیحیت قبول کر کے اس کو سرکاری مذہب کی حیثیت دے دی تھی، چنانچہ روم کی بیشتر آبادی اب حضرت عیسیٰ کی پیرو تھی، اس کے مقابلے میں ایرانی سورج دیوتا کے پرستار تھے، نبی ﷺ کی بعثت سے پہلے روم پر جس بادشاہ کی حکومت تھی، اس کا نام ماریس Mau-rice تھا، ماریس کی نااہلی اور بدانتظامی کی وجہ سے آپ کو نبوت ملنے سے آٹھ سال قبل ۶۰۲ء میں اس کی فوج نے اس کے خلاف بغاوت کر دی، اس بغاوت کی قیادت ایک فوجی کپتان فوکاس Phocas نے کی تھی، بغاوت کامیاب ہوگئی، اور فوکاس روم کے شہنشاہ کی جگہ تخت پر قابض ہو گیا۔ اس نے اقتدار حاصل کرنے کے بعد شہنشاہ روم ماریس اور اس کے خاندان کو نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا۔

فوکاس نے اپنی ہمسایہ سلطنت ایران کو ایک سفیر بھیج کر نئی تخت نشینی کی اطلاع دی، اس وقت ایران کے تخت پر نوشیرواں عادل کا لڑکا خسرو پرویز Chosroes II تھا، خسر پرویز کو ۵۹۰۔۹۱ء میں اندرونی سازش اور بغاوت کی وجہ سے اپنے ملک سے فرار ہونا پڑا تھا، اس زمانے میں مقتول رومی شہنشاہ ماریس نے اس کو اپنے علاقہ میں پناہ دی تھی، اور دوبارہ قبضہ حاصل کرنے کے سلسلے میں اس کی مدد کی تھی، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انھیں دنوں قسطنطنیہ کے زمانہ قیام میں خسرو نے ماریس کی لڑکی سے شادی کر لی تھی، اور اس رشتہ کی بنا پر ماریس کو وہ اپنا باپ کہتا تھا، چنانچہ جب خسرو کو رومی انقلاب کی خبر ملی تو وہ سخت برہم ہوا، اس نے رومی سفیر کو قید کرا دیا، نئی حکومت کو تسلیم کرنے سے

انکار کر دیا۔

اس کے بعد فوراً اس نے اپنی فوجوں کے ذریعے روم پر چڑھائی کر دی۔ ۶۰۳ء میں اس کی فوجیں دریائے فرات کو پار کر کے شام کے شہروں میں داخل ہو گئیں۔ فوکاس اپنی نا اہلی کی وجہ سے اس غیر متوقع حملہ کو روکنے میں کامیاب نہ ہوا، ایرانی فوجیں بڑھتی رہیں، یہاں تک کہ انطاکیہ کو فتح کرتے ہوئے یروشلم پر قابض ہو گئیں، ایرانی سلطنت کے حدود فرات سے پار کر کے یکایک وادیٔ نیل تک وسیع ہو گئے، سابقہ رومی سلطنت کے مذہبی دارو گیر کی وجہ سے چرچ کے مخالف فرقے نسطوری اور یعقوبی نیز یہودی پہلے سے رومی حکومت سے ناراض تھے، اب انہوں نے روم دشمنی میں نئے فاتحین کا ساتھ دیا، اس چیز نے خسرو کی کامیابی کو بہت آسان بنادیا۔

فوکاس کی ناکامی دیکھ کر بعض اعیان سلطنت نے افریقی مقبوضہ کے رومی گورنر کے یہاں خاموش پیغام بھیجا کہ وہ ملک کو بچانے کی کوشش کرے، اس نے اپنے لڑکے ہرقل Heraclius کو اس مہم پر روانہ کیا، ہرقل سمندر کے راستہ سے فوج لے کر افریقہ سے روانہ ہوا، اور یہ ساری کارروائی اس قدر رازداری کے ساتھ انجام پائی کہ فوکاس کو اس وقت تک اس کی خبر نہیں ہوئی جب تک اس نے اپنے محل سے سمندر میں آتے ہوئے جہازوں کے نشانات نہیں دیکھ لئے، ہرقل معمولی لڑائی کے بعد دارالسلطنت پر قابض ہو گیا اور فوکاس قتل کر دیا گیا۔

ہرقل نے فوکاس کو تو ختم کر دیا، مگر وہ ایرانی سیلاب کو روکنے میں کامیاب نہ ہو سکا، ۶۱۶ء تک رومی دارالسلطنت سے باہر اپنی شہنشاہی کا تمام مشرقی اور جنوبی حصہ کھو چکے تھے، عراق، شام، فلسطین، مصر، ایشیائے کوچک، ہر جگہ صلیبی علم کے بجائے اور درفش کاویانی لہرا رہا تھا، رومی سلطنت قسطنطنیہ کی چہار دیواری میں محدود ہو کر رہ گئی تھی، محاصرہ کی وجہ سے تمام راستے بند تھے،

چنانچہ شہر میں قحط اور وبائی امراض نے پھیل کر مزید مصیبت پیدا کر دی، رومی سلطنت کے عظیم الشان درخت کا صرف تناباقی رہ گیا تھا، اور وہ بھی خشک ہو رہا تھا، خود قسطنطنیہ کے اندر دشمن کے گھس آنے کا خوف تمام آبادی پر اس قدر چھایا ہوا تھا کہ تمام کاروبار بند تھے، وہ پبلک مقامات جہاں رات دن چہل پہل رہتی تھی، اب سنسان پڑے ہوئے تھے۔

آتش پرست حکومت نے رومی علاقہ پر قبضہ کرنے کے بعد مسیحیت کو مٹانے کے لئے شدید ترین مظالم شروع کئے، مذہبی شعائر کی توہین شروع کی گئی، گرجاگھر مسمار کر دیئے گئے، تقریباً ایک لاکھ عیسائیوں کو بے گناہ قتل کر دیا گیا، ہر جگہ آتش کدے تعمیر کئے گئے اور مسیح کے بجائے آگ اور سورج کی جبری پرستش کو رواج دیا گیا، مقدس صلیب کی اصل لکڑی جس کے متعلق عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ اس پر مسیح نے جان دی تھی، وہ چھین کر مدائن پہنچادی گئی۔

مؤرخ گبن کے الفاظ میں :-

> "اگر خسرو کے مقاصد واقعی نیک اور درست ہوتے تو وہ باغی فوکاس کے خاتمہ کے بعد رومیوں سے اپنے جھگڑے کو ختم کر دیتا اور افریقی فاتح کا اپنے بہترین ساتھی کی حیثیت سے استقبال کرتا جس نے نہایت خوبی کے ساتھ اس کے محسن ماریس کا انتقام لے لیا تھا، مگر جنگ کو جاری رکھ کر اس نے اپنے اصل کردار کو نمایاں کر دیا۔" (۱)

اس وقت ایرانی شہنشاہیت اور رومی سلطنت میں کیا فرق پیدا ہو چکا تھا، اور ایرانی فاتح اپنے کو کتنا بڑا سمجھنے لگے تھے، اس کا اندازہ خسرو پرویز کے اس خط سے ہوتا ہے، جو اس نے بیت المقدس سے ہرقل کو لکھا تھا۔

۱۔ مؤرخ گبن صفحہ ۷۴،

"سب خداؤں سے بڑا خدا، تمام روئے زمین کے مالک خسرو کی طرف سے اس کے کمینہ اور بے شعور بندے ہرقل کے نام تو کہتا ہے کہ تجھے اپنے خدا پر بھروسہ ہے، کیوں نہ تیرے خدا نے یروشلم کو میرے ہاتھ سے بچا لیا۔"

ان حالات نے قیصر روم کو بالکل مایوس کر دیا، اور اس نے طے کر لیا کہ اب وہ قسطنطنیہ چھوڑ کر بحری راستہ سے اپنے جنوبی افریقہ کی ساحلی قیام گاہ میں چلا جائے، جو قرطجنہ Carthage موجودہ تیونس میں واقع تھی، اب اس کے سامنے ملک کو بچانے کے بجائے اپنی ذات کو بچانے کا مسئلہ تھا۔ شاہی کشتیاں محل کے خزانوں سے لادی جا چکی تھیں، مگر عین وقت پر رومی کلیسا کے بڑے پادری نے اس کو مذہب کا واسطہ دے کر روکنے میں کامیابی حاصل کر لی، وہ اس کو سینٹ صوفیا کی قربان گاہ پر لے گیا اور اس کو آمادہ کیا کہ وہاں وہ اس بات کا عہد کرے کہ وہ اپنی اس رعایا کے ساتھ جئے گا یا مرے گا جس کے ساتھ خدا نے اس کو وابستہ کیا ہے، (۱)، اسی دوران میں ایرانی جنرل سین Sain نے تجویز کیا کہ ہرقل ایک صلح کا قاصد شہنشاہ ایران کی خدمت میں روانہ کرے، اس کو ہرقل اور اس کے مشیروں نے بڑی خوشی سے قبول کیا، مگر جب شہنشاہ ایران خسرو پرویز کو اس کی خبر پہنچی تو اس نے کہا:

"مجھ کو یہ نہیں، بلکہ خود ہرقل زنجیروں میں بندھا ہوا میرے تخت کے نیچے چاہئے، میں رومی حکمران سے اس وقت تک صلح نہیں کروں گا، جب تک وہ اپنے صلیبی خدا کو چھوڑ کر ہمارے سورج دیوتا کی پرستش نہ کرے۔" (۲)

۱۔ مؤرخ گبن صفحہ ۷۵،

۲۔ مؤرخ گبن صفحہ ۷۶،

تاہم چھ سالہ لڑائی نے بالآخر ایرانی حکمران کو مائل کیا کہ وہ فی الحال کچھ شرائط پر صلح کرلے۔ اس نے شرط پیش کی۔

"ایک ہزار ٹالنٹ (۱) سونا، ایک ہزار ٹالنٹ چاندی، ایک ہزار ریشمی تھان، ایک ہزار گھوڑے، ایک ہزار کنواری لڑکیاں۔"

گبن ان شرائط کو جا طور پر شرمناک شرائط Ignominious Terms کہتا ہے۔ ہرقل یقیناً ان شرائط کو قبول کرلیتا، مگر جتنی کم مدت میں اور جس چھوٹے سے لٹے ہوئے علاقہ سے ان کو ان قیمتی شرائط کی تکمیل کرنی تھی، اس کے مقابلے میں اس کے لئے زیادہ قابل ترجیح بات یہ تھی کہ وہ انہیں ذرائع کو دشمن کے خلاف آخری حملہ کی تیاری کے لئے استعمال کرے۔

ایک طرف یہ واقعات ہو رہے تھے، دوسری طرف ایران و روم کے درمیان عرب کے مرکزی مقام "مکہ" میں ان واقعات نے ایک اور کشمکش پیدا کردی تھی، ایرانی سورج دیوتا کو مانتے تھے، اور آگ کی پرستش کرتے تھے اور رومی وحی و رسالت کے ماننے والے تھے، اس لئے نفسیاتی طور پر اس جنگ میں مسلمانوں کی ہمدردیاں رومی عیسائیوں کے ساتھ تھیں اور مشرکین مظاہر پرست ہونے کی وجہ سے مجوسیوں سے اپنا مذہبی رشتہ جوڑتے تھے، اس طرح روم و ایران کی کشمکش اس کشمکش کا ایک خارجی نشان بن گئی جو مکہ میں اہل اسلام اور کفار و مشرکین کے درمیان جاری تھی، دونوں گروہ سرحد پار کی اس جنگ کے انجام کو خود اپنی باہمی کشمکش کے انجام کی ایک علامت سمجھنے لگے، چنانچہ ۶۱۶ء میں جب ایرانیوں کا غلبہ نمایاں ہوگیا اور رومیوں کے تمام مشرقی علاقے ایرانیوں کے قبضہ میں چلے گئے اور اس کی خبریں کہ پہنچیں تو اسلام کے مخالفین

۱۔ Talent یونانیوں اور رومیوں کا ایک قدیم وزن۔

نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہنا شروع کیا کہ دیکھو ہمارے بھائی تمہارے جیسا مذہب رکھنے والوں پر غالب آگئے ہیں، اسی طرح اپنے ملک میں بھی ہم تم کو اور تمہارے دین کو مٹا کر رکھ دیں گے، مکہ کے مسلمان جس بے بسی اور کمزوری کی حالت میں تھے، اس میں یہ الفاظ ان کے لئے زخم پر نمک کا کام کرتے تھے، عین اس حالت میں پیغمبر خدا کی زبان سے یہ الفاظ جاری کئے گئے۔

غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ
سَيَغْلِبُوْنَ ○ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ
بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ بِنَصْرِ اللّٰهِ يَنْصُرُ
مَنْ يَّشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ○ وَعْدَ اللّٰهِ لَا
يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

رومی قریب کی زمین میں مغلوب ہو گئے ہیں، مگر مغلوب ہونے کے بعد چند سال میں پھر وہ غالب آجائیں گے، پہلے اور بعد میں سب اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے، اور اس دن مسلمان اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے وہ غالب اور مہربان ہے، اللہ کا وعدہ ہے اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔(۱)

اس وقت جب کہ یہ پیشین گوئی کی گئی گبن لکھتا ہے:

”کوئی بھی پیشگی خبر اتنی بعید از وقوع نہیں ہو سکتی تھی، کیونکہ ہر قل کے ابتدائی بارہ سال رومی سلطنت کے خاتمہ کا اعلان کر رہے تھے“

مگر ظاہر ہے کہ یہ پیشین گوئی ایک ایسی ذات کی طرف سے کی گئی

۱۔ سورۂ روم آیت ۱۔۶،

تھی، جو تمام ذرائع و وسائل پر تنہا قدرت رکھتا ہے، اور انسانوں کے دل جس کی مٹھی میں ہیں، چنانچہ ادھر خدا کے فرشتے نے ایک اُمّی کی زبان سے یہ خبر دی اور ادھر ہر قل قیصر روم میں ایک انقلاب آنا شروع ہو گیا۔

گبن لکھتا ہے:

''تاریخ کے نمایاں کرداروں میں سے ایک غیر معمولی کردار وہ ہے جو ہر قل کے اندر ہم دیکھتے ہیں، اپنے لمبے دور حکومت کے ابتدائی اور آخری سالوں میں یہ شہنشاہ سستی، عیاشی اور اوہام کا بندہ دکھائی دیتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی رعایا کی مصیبتوں کا ایک بے حس اور نامرد تماشائی ہے، مگر صبح و شام کا بے رونق کہر، دوپہر کے سورج سے کچھ دیر کے لئے چھٹ جاتا ہے، یہی حال ہر قل کا ہوا، محل کا آرکے ڈیس (۱) Arcadius یکا یک میدان جنگ کا سیزر Caesar بن گیا۔ (۲) اور روم کی عزت چھ جرأت مندانہ مہموں کے ذریعہ دوبارہ حاصل کر لی گئی، یہ رومی مؤرخین کا فرض تھا کہ وہ حقیقت سے پردہ اٹھاتے اور اس کی اس خواب اور بیداری کے وجوہ بیان کرتے، اتنے دنوں بعد اب ہم یہی قیاس کر سکتے ہیں کہ اس کے پیچھے کوئی سیاسی اسباب نہیں تھے، بلکہ یہ زیادہ تر اس کے شخصی جذبے کا نتیجہ تھا، اسی کے تحت اس نے اپنی تمام دلچسپیاں ختم کر دیں، حتی کہ اپنی بھانجی Martina کو بھی چھوڑ دیا جس سے اس کو

۱۔ آرکے ڈیس (۴۰۸۔۳۷۸ م) رومی سلطنت کا ایک تاجدار جو ۳۹۵ء میں تخت نشین ہوا۔

۲۔ جولیس سیزر (۴۴۔۱۰۲ ق م) عظیم رومی فوجی اور سیاست داں،

اس قدر تعلق تھا کہ محرم ہونے کے باوجود اس کے ساتھ اس نے شادی کرلی تھی"۔(۱)

وہی ہر قل جس کی ہمت پست ہو چکی تھی، اور جس کا دماغ اس سے پہلے کچھ کام نہیں کرتا تھا، اب اس نے ایک نہایت کامیاب منصوبہ بنایا، قسطنطنیہ میں بڑے عزم وانہماک کے ساتھ جنگی تیاریاں شروع ہوگئیں، تاہم اس وقت صورت حال ایسی تھی کہ ۶۲۲ء میں جب ہرقل اپنی فوجیں لے کر قسطنطنیہ سے روانہ ہوا تو لوگوں نے سمجھا کہ دنیا رومن امپائر کا آخری لشکر دیکھ رہی ہے۔

ہرقل جانتا تھا کہ ایرانی حکومت سمندری طاقت میں کمزور ہے، اس نے اپنے سمندری بیڑے کو پشت سے حملہ کے لئے استعمال کیا، اس نے اپنی فوجیں بحر اسود کے راستے سے گزار کر آرمینیا میں اتار دیں اور وہاں عین اس مقام پر ایرانیوں کے اوپر ایک بھر پور حملہ کیا جہاں سکندر اعظم نے اس وقت کی ایرانی سلطنت کو شکست دی تھی۔ اب اس نے شام سے مصر تک اپنا مشہور مارچ کیا تھا، ایرانی اس غیر متوقع حملہ سے گھبرا گئے اور ان کے قدم اکھڑ گئے، مگر ابھی وہ ایشیائے کوچک میں زبردست فوج رکھتے تھے، وہ دوبارہ اس فوج سے حملہ کرتے، اگر ہرقل نے اس کے بعد شمال کی جانب سمندر سے اسی قسم کی دوسری غیر متوقع چڑھائی نہ کی ہوتی، پھر وہ سمندر کے راستہ سے قسطنطنیہ واپس آیا، آواریوں Avars سے ایک معاہدہ کیا اور ان کی مدد سے ایرانیوں کو ان کے دارالسلطنت کے گرد روک دیا، ان دو حملوں کے بعد اس نے مزید تین مہمیں جاری کیں۔ ۶۲۳ء میں، ۶۲۴ء میں اور ۶۲۵ء میں یہ مہمیں بحر اسود کے جنوبی ساحل سے حملہ آور ہو کر ایرانی قلمرو میں داخل ہوئیں اور میسوپوٹامیہ تک پہنچ گئیں، اس کے بعد ایرانی جارحیت کا زور ٹوٹ گیا، اور تمام رومی علاقے

1-Gibbon, Vol- V.PP 76-77

ایرانی فوجوں سے خالی ہو گئے، اب ہرقل خود ایرانی شہنشاہیت کے قلب پر حملہ کرنے کی پوزیشن میں تھا، تاہم آخری فیصلہ کُن جنگ دجلہ کے کنارے نینوا کے مقام پر دسمبر ۶۲۷ء میں ہوئی۔

اب خسرو کی ہمت چھوٹ گئی تھی، وہ اپنے محبوب محل "دستگرد" سے بھاگنے کی تیاری کرنے لگا، مگر اسی دوران میں خود اس کے محل کے اندر اس کے خلاف بغاوت ہو گئی، اس کے لڑکے شیرویہ نے اس کو گرفتار کر کے ایک تہہ خانے میں بند کر دیا، جہاں وہ پانچویں دن بیکسی کی حالت میں مر گیا، اس کے اٹھارہ لڑکوں کو اس کی آنکھ کے سامنے قتل کر دیا گیا، مگر اس کا یہ لڑکا بھی آٹھ مہینے تخت پر رہ سکا، اس کے بعد دوسرے شہزادے نے اس کو قتل کر کے تاج پر قبضہ کر لیا، اس طرح شاہی خاندان کے اندر آپس میں تلواریں چلنا شروع ہو گئیں، یہاں تک کہ چار سال میں نو بادشاہ بدلے گئے، ان حالات میں ظاہر ہے کہ از سر نو رومیوں کا مقابلہ کرنے کا کوئی سوال نہیں تھا، خسرو پرویز کے بیٹے قباد ثانی نے رومی مقبوضات سے دست بردار ہو کر صلح کر لی، مقدس صلیب کی اصل لکڑی واپس کر دی گئی، اور مارچ ۶۲۸ء میں فاتح ہرقل اس شان سے قسطنطنیہ واپس آیا کہ اس کے رتھ کو چار ہاتھی کھینچ رہے تھے، اور بے شمار لوگ دارالسلطنت کے باہر لیمپوں اور زیتون کی شاخوں کو لئے ہوئے اپنے ہیرو کے استقبال کے لئے موجود تھے۔(۱)

اس طرح قرآن نے رومیوں کے دوبارہ غلبہ کے متعلق جو پیشین گوئی کی تھی وہ ٹھیک اپنے وقت پر (دس سال کے اندر) مکمل طور پر پوری ہوگئی۔

گبن نے اس پیشین گوئی پر حیرت کا اظہار کیا ہے، مگر اسی کے ساتھ اس کی اہمیت گھٹانے کے لئے اس نے بالکل غلط طور پر اس کو خسرو کے نام آپ ﷺ

۱۔ مؤرخ گبن صفحہ ۹۴۔

کے دعوت نامے کے ساتھ جوڑ دیا ہے، وہ لکھتا ہے۔

"ایرانی شہنشاہ نے جب اپنی فتح مکمل کر لی تو اس کو مکہ کے ایک گمنام شہری کا خط ملا جس میں اس کو دعوت دی گئی تھی کہ وہ محمد ﷺ کو خدا کے پیغمبر کی حیثیت سے تسلیم کرے، اس نے دعوت کو نامنظور کر دیا اور خط کو چاک کر دیا، رسول عربی ﷺ کو جب خبر ملی تو انہوں نے کہا "خدا اسی طرح خسرو کی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا اور اس کی طاقت کو برباد کر دے گا۔" مشرق کی دو عظیم سلطنتوں کے عین کنارے بیٹھے ہوئے محمد ﷺ ان دونوں حکومتوں کی باہمی تباہی سے اندر ہی اندر خوش ہوتے رہے اور ایرانی فتوحات کے عین وسط میں انہوں نے یہ پیشین گوئی کرنے کی جرأت کی کہ چند سال کے بعد فتح دوبارہ رومیوں کے جھنڈے کی طرف لوٹ آئے گی، اس وقت جب کہ یہ پیشین گوئی کی گئی، کوئی بھی پیشگی خبر اتنی بعید از وقوع نہیں ہو سکتی تھی، کیونکہ ہرقل کے ابتدائی بارہ سال رومی شہنشاہیت کے خاتمہ کا اعلان کر رہے تھے۔" (۱)

مگر اسلامی تاریخ کا ہر مؤرخ جانتا ہے کہ اس پیشین گوئی کا خسرو کے نام دعوت نامے سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ شہنشاہ ایران کے نام اسلام کا دعوت نامہ ہجرت کے ساتویں سال صلح حدیبیہ کے بعد بھیجا گیا ہے، جو سن عیسوی کے لحاظ سے ۶۲۸ء ہوتا ہے، جبکہ پیشین گوئی ہجرت سے پہلے مکہ

۱۔ Gibbon, Vol. V.P. 73-74

میں ۶۱۶ء میں نازل ہوئی تھی۔(۱)

۳۔ قرآن کی تیسری خصوصیت کو جس میں اس کی صداقت کے ثبوت میں پیش کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ واقعہ ہے کہ قرآن باوجود یہ کہ علمی ترقی سے بہت پہلے نازل ہوا، اس کی کوئی بات آج تک غلط ثابت نہ ہو سکی، اگر یہ صرف ایک انسانی کلام ہوتا تو ایسا ہونا ناممکن تھا۔

ہمارا ایمان ہے کہ انجیل اور تورات اصلاً اسی طرح خدا کی کتابیں ہیں، جیسے قرآن خدا کی کتاب ہے، اس لئے ان میں علم الٰہی کے شرارے بلاشبہ موجود ہیں، مگر ان کتابوں کے اصل الفاظ محفوظ نہیں رہے، ہزاروں برس گزرنے کے بعد بائبل اب ہمارے سامنے ایک ایسی کتاب کی شکل میں ہے، جس میں کریسی مارلیس کے الفاظ میں بترجمہ Translation اور انسانی الحاق Human Interpolation کی وجہ سے اصل خدائی نسخہ کے مقابلے میں بہت فرق پیدا ہو چکا ہے۔(۲)

اس طرح یہ صحیفے پوری شکل میں اصل حیثیت کو کھو چکے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کتابوں کو منسوخ کر کے ہمارے لئے اپنی کتاب صحیح شدہ ایڈیشن (قرآن) نازل کیا، قرآن اپنی صحت اور جامعیت کی وجہ سے بدرجہ اتم ان خصوصیات کا حامل ہے جن کی صرف ایک جھلک اب کتب قدیمہ میں باقی رہ گئی ہے۔

سائنس اور تہذیب وتمدن کے فروغ میں قرآنی تعلیمات کا کردار

قرآن ایک ایسے زمانے میں اترا جب انسان عالم فطرت کے بارے

۱۔ اعجاز قرآن پر انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس (Encyclopaedia of Relig-ion And Ethics) کے مندرجہ ذیل حصے قابل ملاحظہ ہیں، مقالہ Quran ج ۱۰ ص ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۵۔

۲۔ Man Does Not Stand Alone, P. 120

میں بہت کم جانتا تھا، اس وقت بارش کے متعلق یہ تصور تھا کہ آسمان میں کوئی دریا ہے، جس سے پانی بہہ کر زمین پر گرتا ہے، اور اسی کا نام بارش ہے، زمین کے بارے میں سمجھا جاتا تھا کہ وہ چپٹی فرش کی مانند ہے، اور آسمان اس کی چھت ہے جو پہاڑوں کی چوٹیوں کے اوپر کھڑی کی گئی ہے، ستاروں کے متعلق یہ خیال تھا کہ وہ چاندی کی چمکتی ہوئی کیلیں ہیں، جو آسمان کے گنبد میں جڑی ہوئی ہیں، یا وہ چھوٹے چھوٹے چراغ ہیں، جو رات کے وقت رسیوں کی مدد سے لٹکائے جاتے ہیں، قدیم اہل ہند یہ سمجھتے تھے کہ زمین ایک گائے کی سینگ پر ہے، اور جب گائے زمین کو ایک سینگ سے دوسری سینگ پر منتقل کرتی ہے تو اس کے سر کی جنبش سے زلزلہ آجاتا ہے، کوپرنیکس (۱۵۴۳ء-۱۴۷۳ء) تک یہ نظریہ تھا کہ سورج ساکن ہے، اور زمین اس کے گرد گھوم رہی ہے۔

اس کے بعد علم کی ترقی ہوئی، انسان کے مشاہدے اور تجربے کی قوت بڑھ گئی، جس کی وجہ سے بے شمار نئی نئی معلومات حاصل ہوئیں، زندگی کا کوئی شعبہ اور علم کا کوئی گوشہ ایسا نہیں رہا جس میں پہلے کے مسلّمات بعد کی تحقیق سے غلط ثابت نہ ہوگئے ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ڈیڑھ ہزار برس پہلے کا کوئی بھی انسانی کلام ایسا نہیں ہو سکتا جو آج بھی اپنی صحت کو پوری طرح باقی رکھے ہوئے ہو۔ کیونکہ آدمی اپنے وقت کی معلومات کی روشنی میں بولتا ہے، وہ شعور کے تحت بولے یا لاشعور کے تحت، بہر حال وہ وہی کچھ دہرائے گا، جو اس نے اپنے زمانہ میں پایا ہو، چنانچہ ڈیڑھ ہزار برس پہلے کی کوئی بھی انسانی کتاب آج ایسی موجود نہیں ہے جو غلطیوں سے پاک ہو۔ مگر قرآن کا معاملہ اس سے مختلف ہے، وہ جس طرح پندرہ سو سال پہلے کے دور میں برحق تھا، آج بھی وہ اسی طرح برحق ہے، زمانے کے گزرنے سے اس کی صداقت میں کوئی فرق نہیں آیا، یہ واقعہ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ یہ ایک ایسے ذہن سے نکلا ہوا کلام ہے، جس کی نگاہ ازل سے ابد تک محیط ہے۔ جو سارے حقائق کو اپنی اصل

عقل میں جانتا ہے جس کی واقفیت زمانے اور حالات کی پابند نہیں اگر یہ محدود نظر رکھنے والے انسان کا کلام ہوتا تو بعد کا زمانہ اسی طرح اس کو غلط ثابت کر دیتا، جیسے ہر انسانی کلام بعد کے زمانے میں غلط ثابت ہو چکا ہے۔

قرآن کا اصل موضوع اُخروی سعادت ہے، اس لحاظ سے وہ دنیا کے معروف علوم وفنون میں سے کسی کی تعریف میں نہیں آتا، مگر اس کا مخاطب چونکہ انسان ہے، اس لئے قدرتی طور پر وہ اپنی تقریروں میں ہر اس علم کو مَس کرتا ہے جس کا تعلق انسان سے ہے، یہ ایک بہت نازک صورت حال ہے کیونکہ آدمی اپنی گفتگو میں اگر کسی فن کو مَس کر رہا ہے تو خواہ وہ اس پر کوئی تفصیلی کلام نہ کرے، اگر اس کی معلومات ناقص ہیں، تو یقینی طور پر وہ ایسے الفاظ استعمال کرے گا جو صورت واقعہ سے ٹھیک مطابقت نہ رکھتے ہوں، مثلاً ارسطو نے عورت کی کمتری ثابت کرنے کے لئے یہ کہا کہ ...... "اس کے منھ میں مرد سے کم دانت ہوتے ہیں۔" ظاہر ہے کہ یہ فقرہ علم الاجسام سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، مگر اس کے باوجود وہ ایک ایسا فقرہ ہے جو علم الاجسام سے ناواقفیت کا ثبوت دیتا ہے، کیونکہ یہ معلوم ہے کہ مرد اور عورت کے منھ میں دانت کی تعداد یکساں ہوتی ہے، مگر یہ حیرت انگیز بات ہے کہ قرآن اگرچہ اکثر علوم انسانی کو کہیں نہ کہیں مس کرتا ہے، مگر اس کے بیانات میں کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں آنے پائی جو بعد کی وسیع تر تحقیقات سے یہ ثابت کرے کہ یہ ایسے شخص کا کلام ہے، جس نے کم تر معلومات کی روشنی میں اپنی باتیں کہی تھیں۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک بالاتر ہستی کا کلام ہے، جو اس وقت بھی جانتا تھا، جب کوئی نہیں جانتا تھا اور ان چیزوں کو بھی جانتا تھا، جس سے اب تک لوگ ناواقف ہیں۔

اس بحث سے پہلے بطور تمہید یہ عرض کر دینا مناسب ہوگا کہ جدید تحقیقات سے قرآنی الفاظ کی مطابقت اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ یہ تحقیقات

متعلقہ واقعہ کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو چکی ہیں، اور اس طرح مادّی کائنات کے بارے میں قرآن کے اشاراتی الفاظ کی تفسیر کے لئے ہم کو ضروری مواد حاصل ہو گیا ہے، اب اگر مستقبل کا مطالعہ کسی موجودہ تحقیق کو مکمل یا جزوی طور پر غلط ثابت کر دے تو اس سے کسی بھی درجہ میں قرآن کی تغلیط نہیں ہو گی، بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہو گا کہ قرآن کے مجمل اشارہ کے تفصیلی تعین میں غلطی ہو گئی تھی۔

ہم کو یقین ہے کہ آئندہ صحیح تر معلومات قرآن کے اشاراتی الفاظ کو زیادہ صحیح طور پر واضح کرنے والی ہوں گی، وہ کسی اعتبار سے اس سے مختلف نہیں ہو سکتیں۔

اس سلسلے میں قرآن کے جو بیانات ہیں، ان کو ہم دو قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں، ایک وہ جو ان امور سے متعلق ہیں، جن کے متعلق انسان کو نزول قرآن کے وقت کسی قسم کی معلومات حاصل نہیں تھیں، اور دوسرے وہ جن کے متعلق وہ سطحی اور ظاہری معلومات رکھتا تھا۔

کائنات کی بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کے متعلق دور سابق کے لوگ کچھ نہ کچھ جانتے تھے۔ مگر ان کا یہ علم ان دریافتوں کے مقابلے میں بے حد ناقص اور ادھورا تھا، جو بعد کو علمی ترقی کے دور میں انسان کے سامنے آئیں، قرآن کی مشکل یہ تھی کہ وہ کوئی سائنسی کتاب نہیں تھی، اس لئے اگر وہ عالم فطرت کے بارے میں یکایک نئے نئے انکشافات لوگوں کے سامنے رکھنا شروع کر دیتا تو انہیں چیزوں پر بحث چھڑ جاتی اور اس کا اصل مقصد...... ذہن کی اصلاح...... پس پشت چلا جاتا، یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ اس نے علمی ترقی سے بہت پہلے کے زمانے میں اس طرح ان چیزوں پر کلام کیا، اور ان کے بارے میں ایسے الفاظ استعمال کئے جس میں دور سابق کے لوگوں کے لئے توحش کا کوئی سامان نہیں تھا، اور اسی کے ساتھ بعد کے انکشافات کا بھی وہ پوری طرح احاطہ کئے ہوئے تھے۔

(الف) قرآن میں دو مقامات پر پانی کا ایک خاص قانون بیان کیا گیا ہے:
اول سورۂ فرقان میں، دوسرے سورۂ رحمان میں۔

اول الذکر اقتباس حسب ذیل ہے:-

وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَّحْجُورًا ٥

اور وہی ہے جس نے ملائے وہ دریا ایک کا پانی میٹھا خوش گوار ہے اور ایک کا کھاری تلخ، اور دونوں کے درمیان ایک آڑ رکھ دی۔ (۱)

دوسری جگہ یہ الفاظ ہیں۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ٥ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ ٥

اس نے چلائے دو دریا ملتے ہوئے دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے، جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتے۔ (۲)

قرآن اور تہذیبی و سائنسی انقلاب

ان آیات میں جس مظہر فطرت کا ذکر ہے، وہ قدیم ترین زمانے سے انسان کو معلوم تھا، وہ یہ کہ دو دریاؤں کے پانی جب باہم مل کر بہتے ہیں تو وہ ایک دوسرے میں شامل نہیں ہو جاتے، مثال کے طور پر چاٹگام بنگلہ دیش سے لے کر اراکان (برما) تک دو دریا مل کر بہتے ہیں، اور اس پورے سفر میں دونوں کا پانی بالکل الگ الگ نظر آتا ہے، دونوں کے بیچ میں ایک دھاری سی برابر چلی گئی ہے، ایک طرف کا پانی میٹھا اور دوسری طرف کا کھاری، اسی طرح سمندر کے ساحلی مقامات پر جو دریا بہتے ہیں، ان میں سمندر کے اثر سے برابر مد و جزر (جوار بھاٹا) آتا رہتا ہے، مد کے وقت جب سمندر کا پانی ندی میں آجاتا ہے تو میٹھے پانی

---

(۱) سورۂ فرقان آیت ۵۳
(۲) سورۂ الرحمن آیت ۱۹۔۲۰۔

کی سطح پر کھاری پانی بہت زور سے چڑھ جاتا ہے، لیکن اس وقت بھی دونوں پانی مخلط نہیں ہوتے اوپر کھاری رہتا ہے، نیچے میٹھا، اس کے بعد جب جزر ہوتا ہے تو اوپر سے کھاری پانی اتر جاتا ہے، اور میٹھا جوں کا توں رہتا ہے، الہ آباد میں گنگا اور جمنا کے سنگم کے مقام پر دونوں دریا ملنے کے باوجود الگ الگ بہتے ہوئے نظر آتے ہیں اور درمیان میں ایک لکیر مسلسل چلی گئی ہے۔

یہ بات قدیم ترین زمانے سے انسان کے مشاہدے میں آچکی ہے، لیکن یہ واقعہ کس قانون فطرت کے تحت واقع ہوتا ہے، یہ ابھی حال میں دریافت کیا گیا ہے، جدید تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ رقیق اشیاء میں سطحی تناؤ Surface Tension کا ایک خاص قانون ہے، اور یہی دونوں قسم کے پانی کو الگ الگ رکھتا ہے۔ چونکہ دونوں سیالوں کا تناؤ Tension مختلف ہوتا ہے اس لئے وہ دونوں کو اپنی اپنی حد میں روکے رہتا ہے، آج کل اس قانون کو سمجھ کر جدید دنیا نے بے شمار فوائد حاصل کئے ہیں، قرآن نے:

بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ الرحمٰن ۵۵، آیت ۲۰

کے الفاظ بول کر اس واقعہ کی ایسی تعبیر کی جو قدیم مشاہدے کے اعتبار سے بھی ٹکرانے والی نہیں تھی، اور اب جدید دریافت پر بھی دو پوری طرح حاوی ہے، کیونکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ برزخ (آڑ) سے مراد وہ سطحی تناؤ Surface Tension ہے، جو دونوں قسم کے پانی کے درمیان پایا جاتا ہے اور جو دونوں کو مل جانے سے روکے ہوئے ہے۔

سطحی تناؤ کے قانون کو ایک سادہ سی مثال سے سمجھئے، اگر آپ گلاس میں پانی بھریں تو وہ کنارے تک پہنچ کر فوراً بہنے نہیں لگے گا، بلکہ ایک خاص حد کے بقدر اٹھ کر گلاس کے کناروں کے اوپر گولائی میں ٹھہر جائے گا، گلاس کے کناروں کے اوپر پانی کی جو مقدار ہوتی ہے، وہ کیسے ٹھہرتی ہے، بات یہ ہے کہ رقیق اشیاء کی سطح کے سالمات Molecules کے بعد چونکہ کوئی چیز

اس لئے ان کا رخ اندر کی طرف ہو جاتا ہے، اس طرح کے سالمات کے درمیان کشش اتصال بڑھ جاتی ہے، اور قانون اتصال Cohesion کے عمل سے پانی کی سطح کے اوپر ایک قسم کی لچک دار جھلی Elastic Film سی بن جاتی ہے، اور پانی گویا اس کے غلاف میں اس طرح ملفوف ہو جاتا ہے، جیسے انڈے کی سفید جھلی میں لپٹا ہوا نمک ملفوف ہوتا ہے، سطح کا یہی پردہ اوپر رکھے ہوئے پانی کو روکتا ہے، یہ پردہ اس حد تک قوی ہوتا ہے کہ اگر اس کے اوپر سوئی ڈال دی جائے تو وہ ڈوبے گی نہیں بلکہ پانی کی سطح پر تیرتی رہے گی، اسی کو سطحی تناؤ کہا جاتا ہے اور یہی وہ سبب ہے جس کی بنا پر تیل اور پانی ایک دوسرے میں حل نہیں ہوتے اور یہی وہ 'آڑ' ہے جس کی وجہ سے کھاری پانی اور میٹھے پانی کے دوریا مل کر بہتے ہیں مگر ایک کا پانی دوسرے میں شامل نہیں ہوتا۔

ارشاد ہوا ہے۔

اَللّٰہُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَھَا

اللہ وہ ہے جس نے آسمان کو بلند کیا، بغیر ایسے ستونوں کے جنہیں تم دیکھ سکو۔(۱)

دور قدیم کے انسان کے لئے یہ الفاظ کے ظاہری مشاہدے کے عین مطابق تھے، کیونکہ وہ دیکھتا تھا کہ اس کے سر کے اوپر سورج، چاند اور ستاروں کی ایک دنیا کھڑی ہے، مگر کہیں اس کا پایہ کھمبا اور ستون نظر نہیں آتا، اور اب جدید ترین معلومات رکھنے والے انسان کے لئے بھی اس میں مکمل معنویت موجود ہے، کیونکہ جدید ترین مشاہدہ بتاتا ہے کہ اجرام سماوی ایک لامحدود خلا میں بغیر کسی سہارے کے قائم ہیں اور ایک "عمد غیر مرئی" یعنی کشش ثقل Gravitational Pull ان کو بالائی فضا میں سنبھالے ہوئے ہے۔

---

(۱) الرعد آیت ۲،

ج) اسی طرح سورج اور تمام ستاروں کے بارے میں کہا گیا ہے

كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ‎○

سب کے سب ایک آسمان میں تیر رہے ہیں۔(۱)

دور قدیم میں بھی انسان اجرام سماوی کو حرکت کرتا ہوا دیکھتا تھا، اس لئے ان الفاظ سے اس کو توحش نہیں ہوا، مگر جدید معلومات نے ان الفاظ کو اور زیادہ با معنی بنا دیا ہے، بسیط اور لطیف خلا میں اجرام سماوی کی گردش کے لئے "تیرنے" سے بہتر کوئی تعبیر نہیں ہو سکتی۔

د) رات اور دن کے متعلق قرآن میں ہے:

يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا

اللہ اوڑھاتا ہے رات پر دن کہ وہ اس کے پیچھے لگا آتا ہے دوڑتا ہوا۔(۲)

یہ الفاظ قدیم انسان کے لئے صرف رات دن کی ظاہری آمد و شد کو بتاتے تھے، مگر اس میں نہایت عمدہ اشارہ زمین کی محوری گردش کی طرف بھی موجود ہے، جو جدید مشاہدے کے مطابق رات اور دن کی تبدیلی کی اصل وجہ ہے، روس کے پہلے خلائی مسافر نے خلا سے واپسی کے بعد اپنے جو مشاہدات بیان کئے تھے، اس میں ایک یہ بھی تھا کہ زمین کو اس نے اس شکل میں دیکھا کہ سورج کے سامنے محوری گردش کی وجہ سے اس کے اوپر اندھیرے اور اجالے کی آمد و رفت کا ایک تیز تسلسل Rapid Succession جاری تھا۔ اس طرح کے بیانات قرآن میں کثرت سے موجود ہیں۔

دوسری مثالیں وہ ہیں جن کے متعلق پچھلے زمانے کے لوگ قطعاً لا

۱۔ سورۃ الانبیاء آیت ۳۳،

۲۔ سورۃ الاعراف آیت ۵۴،

معلومات نہیں رکھتے تھے، قرآن نے ان کا ذکر کیا اور ایسی باتیں کہیں جو حیرت انگیز طور پر جدید انکشافات سے صحیح ثابت ہوتی ہیں، یہاں مختلف علمی شعبوں سے اس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

فلکیات :

قرآن نے مادّی کائنات کے آغاز و انجام کا ایک خاص تصور دیا ہے، یہ تصور سو برس تک انسان کے لئے بالکل نامعلوم تھا اور نزول قرآن کے زمانے میں تو اس کا تصور بھی کسی کے ذہن میں نہیں گزر سکتا تھا، مگر جدید مطالعہ نے حیرت انگیز طور پر اس کی تصدیق کی ہے، آغاز کائنات کے بارے میں قرآن کا بیان یہ ہے:۔

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا(۱) فَفَتَقْنٰهُمَا ط

کیا منکرین نہیں دیکھتے کہ زمین و آسمان ملے ہوئے تھے، پھر ہم نے ان کو پھاڑ دیا۔(۲)

اور اس کا انجام یہ بتایا گیا ہے:

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ط

اس دن لپیٹ دیں گے ہم آسمان کو جیسے لپیٹتے ہیں طومار میں کاغذ۔(۳)

ان الفاظ کے مطابق کائنات ابتداءً ایک سمٹی ہوئی حالت میں تھی، اور اس کے بعد پھیلنا شروع ہوئی، اس پھیلاؤ کے باوجود اس کا اصل مادّہ اتنا کم ہے

۱۔ رتق۔ منضم الاجزاء۔

۲۔ سورۂ انبیاء آیت ۳۰۔

۳۔ الانبیاء آیت ۱۰۴۔

کہ تھوڑی سی جگہ میں اس کو دوبارہ سمیٹا جا سکتا ہے۔

کائنات کے بارے میں جدید ترین تصور یہی ہے، مختلف قرائن اور مشاہدات کی بنیاد پر سائنس داں اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ابتدا میں کائنات کا مادہ جمود اور سکون کی حالت میں تھا، یہ ایک بہت ہی سخت سکڑی ہوئی اور گھٹی ہوئی انتہائی گرم گیس تھی، تقریباً پچاس کھرب سال پہلے ایک زبردست دھماکے سے وہ پھٹ پڑی اور اس کے ساتھ ہی اس کے ٹوٹے ہوئے اجزاء چاروں طرف پھیلنے لگے، جب ایک بار پھیلاؤ شروع ہو گیا تو اس کا جاری رہنا لازمی تھا، کیونکہ اجزائے مادّہ جیسے جیسے دور ہوں گے، ان کا باہمی کشش کا اثر ایک دوسرے پر کم ہوتا جائے گا، آغاز میں کائنات کا جو مادّہ تھا، اس کے مکانی دائرہ کا اندازہ تقریباً ایک ہزار ملین نوری سال ہے اور اب پروفیسر ایڈنگٹن کے اندازے کے مطابق وہ سابقہ دائرہ کے مقابل میں تقریباً دس گنا بڑھ چکا ہے، یہ عمل توسیع اب بھی جاری ہے، ایڈنگٹن کے الفاظ ہیں:

”ستاروں اور کہکشاؤں کی مثال ایک ایسے ربر کے غبارے کی سطح کے نشانات کی سی ہے جو مسلسل پھیل رہا ہو، اسی طرح اپنی ذاتی حرکت کے ساتھ تمام آسمانی کرے کائناتی پھیلاؤ کے ساتھ ہر آن دور ہوتے جا رہے ہیں۔“(۱)

دوسری بات بھی جدید ترین مطالعہ سے کائنات کے ڈھانچے کے عین مطابق ثابت ہوئی ہے۔ قدیم انسان یہ سمجھتا تھا کہ ستارے اتنے ہی فاصلوں پر ہیں جیسے کہ وہ بظاہر نظر آتے ہیں، مگر اب معلوم ہوا کہ وہ دوری کی وجہ سے قریب قریب نظر آتے ہیں، ورنہ وہ ایک دوسرے سے بے انتہا بعید فاصلے پر واقع ہیں، اور یہی نہیں بلکہ وہ اجسام جو بظاہر سالم نظر آتے ہیں، ان کا بھی ایک

1-The Limitations of Science, P. 20

کا حصہ درحقیقت خلا ہے جس طرح شمسی نظام میں بہت سے سیارے اور سیارچے ایک دوسرے سے دور دور فاصلوں پر رہتے ہوئے ایک نظام کے تحت گردش کرتے ہیں، اسی طرح ہر مادّی جسم چھوٹے پیمانے کے بے شمار شمسی نظاموں کا مجموعہ ہے۔ جن کو "ایٹم" کہتے ہیں، نظام شمسی کا خلا ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں، مگر ایٹمی نظام کا خلا، انتہائی چھوٹا ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آتا۔ گویا ہر چیز خواہ وہ بظاہر ٹھوس نظر آرہی ہو اندر سے کھوکھلی ہے۔ مثلاً چھ فٹ لمبے چوڑے انسانی جسم کے مادّی ذرات کے درمیان سے اگر خلا یا مکان Space کو نکال دیا جائے تو باقی ماندہ مادّہ کی بساط بس ایک غیر مرئی دھبّہ کی سی رہ جائے گی۔

اسی طرح فلکی طبعیات کے ماہرین Astrophysicists نے کائنات میں پھیلے ہوئے پورے مادّہ کا حساب لگایا ہے، ان کا کہنا ہے۔

> "If all this were squeezed without leaving any space, the size of the universe will be only thirty times the size of the sun."

یعنی اگر ساری کائنات کو اس طرح سمیٹ دیا جائے کہ اس میں خلا باقی نہ رہے تو ساری کائنات کا حجم موجودہ سورج سے صرف ۳۰ گنا زیادہ ہوگا، بلکہ کائنات کی وسعت کا یہ حال ہے کہ شمسی نظام سے بعید ترین کہکشاں جواب تک دیکھی جاسکی ہے، وہ سورج سے کئی ملین نوری سال کے فاصلے پر واقع ہے۔

۲۔ دور جدید کے ماہرین فلکیات اپنے مشاہدے اور ریاضیاتی اندازے کی بنا پر اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ اجرام سماوی جس قانون کے تحت گردش کر رہے ہیں، اس کے مطابق مستقبل بعید میں ایک وقت آنے والا ہے، جب چاند زمین کے بہت قریب آجائے گا، اور دوطرفہ کشش کی تاب نہ لاکر پھٹ جائے گا، اور

اس کے ٹکڑے زمین کے گرد فضا میں پھیل جائیں گے۔(۱)

"شق قمر" کا یہ واقعہ اسی قانون کشش کے تحت ہوگا، جس کا مظاہرہ جوار بھاٹے کی شکل میں سمندروں میں ہوتا رہتا ہے، چاند بالائی فضا میں ہمارا قریب ترین ہمسایہ ہے، یعنی زمین سے اس کا فاصلہ صرف دو لاکھ چالیس ہزار میل ہے، اس قربت کی وجہ سے اس کی کشش کا اثر سمندروں پر پڑتا ہے، اور دن میں دو بار پانی اوپر اٹھ کر غیر معمولی تموج پیدا کرتا ہے، یہ موجیں بعض مقامات پر ساٹھ فٹ کے قریب اوپر تک اٹھ جاتی ہیں، اور خشکی کی سطح بھی اس قمری کشش سے چند انچ تک متاثر ہوتی ہے، چاند اور زمین کا موجودہ فاصلہ بہت مناسب مقدار پر ہے۔ اور اس کے بہت سے فوائد ہیں، اس کے جائے اگر یہ فاصلہ گھٹ جائے مثلاً پچاس ہزار میل پر آجائے تو سمندروں میں اس شدت سے طوفان برپا ہو کر خشکی کا بیشتر حصہ اس میں غرق ہو جائے اور طوفانی موجوں کے مسلسل ٹکراؤ سے پہاڑ کٹ کر ریزے ریزے ہو جائیں، اور زمین اس کی کشش سے پھٹنے لگے۔

ماہرین فلکیات کا اندازہ ہے کہ زمین کی ابتدائی پیدائش کے وقت چاند اسی طرح زمین کے قریب تھا، اور اس وقت زمین کی سطح پر یہ سب کچھ ہو چکا ہے، اس کے بعد فلکیاتی قانون نے اسے موجودہ دوری پر پہنچادیا، ان کا خیال ہے کہ ایک بلین سال تک یہ صورت باقی رہے گی، اور اس کے بعد یہی فلکی قانون دوبارہ چاند کو زمین کے قریب لائے گا، اور اس وقت چاند اور زمین کی باہمی کشش کا نتیجہ یہ ہوگا کہ چاند پھٹ جائے گا اور ٹکڑے ہو کر زمین کے گرد ایک حلقہ کی شکل میں پھیل جائے گا۔

1- Man Does Not Stand Alone, P.24

یہ نظریہ حیرت انگیز طور پر اس پیش گوئی کی تصدیق ہے، جو سورۂ قمر میں وارد ہے، یعنی قیامت جب قریب آئے گی تو چاند پھٹ جائے گا اور اس کا پھٹنا قربِ قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت ہوگا۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ○ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ○

قیامت نزدیک آگئی اور چاند پھٹ گیا اور یہ لوگ کوئی نشان دیکھتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے جو سدا سے چلا آرہا ہے۔ (۱)

شقِ قمر کا واقعہ صحیحین میں اور دوسری کتب حدیث میں مستند روایات سے بیان کیا گیا ہے ان راویوں میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی ہیں، جو بذاتِ خود اس واقعہ کے عینی شاہد ہیں، اس کے باوجود شقِ قمر کا مسئلہ قدیم مفسرین و متکلمین سے لے کر اب تک شدید بحث کا موضوع رہا ہے، اکثریت کی رائے یہ ہے کہ شقِ قمر کا واقعہ ہوا ہے، اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ قیامت کے قریب ہوگا۔ (قال بعض المفسرین سینشق تفسیر کبیر) اس دوسرے گروہ میں امام حسن بصریؒ بھی شامل ہیں جن کا قول ابو حیان اندلسی نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

ان المعنی اذا جاء ت الساعة انشق القمر بعد النفخة الثانیة

"اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ" کا مطلب یہ ہے کہ جب قیامت قریب آئے گی تو چاند پھٹ جائے گا، اور یہ واقعہ دوسری بار صور پھونکے جانے کے بعد ہوگا۔ (۲)

۱۔ سورۃ القمر آیت ۱، ۲۔

۲۔ البحر المحیط، جلد ثامن صفحہ ۱۷۳۔

ان دونوں خیالات میں تطبیق کی صورت بعض لوگوں نے یہ نکالی ہے کہ انہوں نے ان دونوں کو تسلیم کر لیا ہے، ان کے خیال کے مطابق احادیث میں منیٰ کے ایک مجمع کے سامنے جس شق قمر کا ذکر ہے، وہ بھی ایک واقعہ ہے خواہ وہ امام غزالی اور شاہ ولی اللہ کے خیال کے مطابق بصری تصرف کے تحت ہوا ہو، یا فی الواقع، کوئی فلکیاتی انشقاق ہو، اور قیامت کے قریب شق قمر کی بات بھی صحیح ہے۔ پہلا واقعہ گویا ایک ابتدائی علامت ہے، اس واقعہ کی جو قرب قیامت میں آخری شکل میں ظاہر ہوگا، علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

"شق القمر کا معجزہ ایک نمونہ اور نشانی تھی، قیامت کی کہ آگے سب کچھ یوں ہی پھٹے گا۔"

ارضیات

پہاڑوں کے بارے میں قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کہا گیا ہے کہ وہ زمین کا توازن برقرار رکھنے کے لئے ہیں، مثلاً فرمایا:

وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ

اور زمین میں پہاڑ بنا دیئے تاکہ زمین تم کو لے کر جھک نہ پڑے۔ (۱)

ان الفاظ کے نزول کے پورے تیرہ سو برس تک انسانی علم پہاڑوں کی اس حیثیت کے بارے میں بالکل بے خبر تھا، مگر اب جغرافیہ اس سے آشنا ہو چکا ہے اور جدید جغرافیائی اصطلاح میں اس کو توازن Isostasy کہا جاتا ہے، اگرچہ اس سلسلے میں انسان کا علم ابھی ابتدائی منزل میں ہے، تاہم انگلن کے الفاظ میں "یہ سمجھا جاتا ہے کہ زمین کی سطح پر جو ہلکا مادہ تھا، وہ پہاڑوں کی شکل میں ابھر آیا اور جو بھاری مادہ تھا وہ گہری خندقوں کی صورت میں دب گیا، جن

۱۔ سورۂ لقمان آیت ۱۰۔

میں اب سمندر کا پانی بھرا ہوا ہے، اس طرح ابھار اور دباؤ نے مل کر زمین کا توازن برقرار رکھا ہے۔"(۱)

ایک اور مصنف لکھتا ہے:

"جیسے خشکی پر وادیاں ہیں، اسی طرح سمندر کے نیچے بھی وادیاں ہیں، مگر سمندر کی تہ کی اکثر وادیاں زیادہ گہری اور انسان کے تجرباتی دائرہ کے لحاظ سے بہت دور ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی غیر معمولی دباؤ سے سمندروں میں گہرے غار ہو گئے ہیں (یہ وادیاں سطح سمندر سے ۳۵ ہزار فٹ تک گہری ہیں، یہ گہرائی کسی بھی پہاڑ کی بلندی سے زیادہ ہے، بعض مقامات پر یہ گھاٹیاں اتنی گہری ہیں کہ اگر زمینی پہاڑ کی سب سے اونچی چوٹی ماؤنٹ ایورسٹ کو جو ۲۹۰۰۲ فٹ بلند ہے، وہاں ڈال دیا جائے تو اس کے اوپر ایک میل کی اونچائی تک پانی بہتا رہے گا) حیرت یہ ہے کہ یہ سمندری خندقیں Oceanic Trenches دور سمندر کے درمیان واقع ہونے کے بجائے خشکی کے قریب پائی جاتی ہیں، کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کون سا عظیم دباؤ تھا، جس نے سمندر کی تہ میں یہ زبردست غار پیدا کر دیے، مگر جزائری سلسلوں اور آتش فشاں پہاڑوں سے ان کی قربت ظاہر کرتی ہے کہ پہاڑی بلندیوں اور سمندری خندقوں میں کوئی باہمی تعلق ہونا چاہیے، گویا کہ زمین اونچائی اور گہرائی کے ذریعہ اپنے توازن Balance کو قائم رکھتی ہے۔ جغرافیہ کے بعض مستند علماء کا خیال ہے کہ سمندری گہرائیاں آئندہ ابھرنے والی خشکی کی علامتیں ہو سکتی ہیں، کیونکہ پانی کے نیچے ان اندھیرے غاروں میں صدیوں سے بہہ بہہ کر خشکی اور سمندر کی تہ کی گاد Sediment تہ در تہ جمع ہو رہی ہے، اور میلوں پاٹتی چلی جا رہی ہے، اس لئے کسی وقت عدم توازن کی بنا پر ہو سکتا ہے کہ سمندر کے نیچے کی اتھاہ گہرائیوں میں جمع

1- O.R. Von Engeln, Geomorphology (N. Y. 1948)

ہونے والے مادّے کا دباؤ پڑنے سے نئے پہاڑ ابھر آئیں یا نئے جزائری سلسلے پیدا ہو جائیں، ساحل کے بعض پہاڑوں میں اس طرح کی سمندری گاد کے نشانات پائے گئے ہیں، مگر انسان کی موجودہ معلومات کے دائرے میں کوئی بھی نظریہ سمندری خندقوں کی مکمل توجیہ نہیں کرتا، یہ دائمی سرد اور دائمی تاریک غار جو فی مربع انچ سات ٹن بوجھ کے نیچے دبے ہوئے ہیں، وہ ابھی انسان کے لئے سمندر کے دوسرے معموں میں سے ایک معما ہیں"(۱)

۲...... اسی طرح قرآن میں یہ کہا گیا ہے کہ زمین پر ایک وقت ایسا گزرا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو پھاڑ کر پھیلا دیا۔

وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ۝ أَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا ۝

اس کے بعد اللہ نے زمین کو پھیلایا اور اس میں سے اس کا پانی اور چارہ نکالا۔(۲)

یہ الفاظ جدید ترین نظریہ انتشار برّاعظم Theory of Drifting Continents کے عین مطابق ہیں، اس نظریہ کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے تمام برّاعظم کسی زمانے میں ایک ہی بڑی زمین کے حصے تھے، اس کے بعد وہ پھٹ کر سطح زمین پر ادھر ادھر پھیل گئے اور بھرے ہوئے سمندروں کے ارد گرد برّاعظموں کی ایک دنیا آباد ہو گئی۔

اس نظریے کو پہلی بار باقاعدہ طور پر ۱۹۱۵ء میں ایک جرمن ماہر ارضیات الفرڈ وجنر Alfred Wegener نے پیش کیا، اس کی دلیل یہ تھی کہ برّاعظموں کو اگر قریب کیا جائے تو وہ سب کے سب Jigsaw Puzzle

---

۱- The world we live in (N.Y 1965)

۲- سورۃ النازعات آیت ۳۱،

کی طرح آپس میں جڑ جاتے ہیں مثلاً جنوبی امریکہ کا مشرقی ساحل افریقہ کے مغربی ساحل سے مل رہا ہے۔

اس قسم کی اور بہت سی مشابہتیں ہیں جو وسیع سمندروں کے دونوں طرف پائی گئی ہیں۔ مثلاً ایک قسم کے پہاڑ یکساں ارضیاتی سال کی چٹانیں، ایک قسم کے جانور اور مچھلیاں اور ایک طرح کے پودے، چنانچہ علم نباتات کا ماہر پروفیسر رونالڈ گڈ Ronald Good اپنی کتاب Geography of the Flowering Plants میں لکھتا ہے :-

"نباتات کے ماہرین کا تقریباً متفقہ نظریہ ہے کہ مختلف پودے جو زمین کے مختلف حصوں میں پائے جاتے ہیں، ان کی توجیہ اس کے بغیر نہیں ہو سکتی کہ ہم یہ فرض کریں کہ زمین کے ٹکڑے ماضی میں کبھی باہم ملے ہوئے تھے۔"

اور اب تو حجری کشش Fossil Magnetism سے تصدیق حاصل ہونے کے بعد اس کو قطعی سائنسی نظریہ کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے، پتھر کے ذرات کے رخ کا مطالعہ کر کے یہ معلوم کر لیا جاتا ہے کہ زمانۂ قدیم میں اس کی چٹان کا عرض البلد اور طول البلد کیا تھا، اس مطالعہ سے معلوم ہوا ہے کہ زمین کے موجودہ ٹکڑے ماضی میں ان مقامات پر نہیں تھے، جہاں وہ آج نظر آتے ہیں، بلکہ ٹھیک ان مقامات پر تھے، جہاں برِّ اعظموں کے انتشار کا نظریہ بتلاتا ہے، امپیریل کالج (لندن) میں فزکس کے استاد پروفیسر پی۔ ایم۔ ایس بلیکٹ نے کہا ہے :

"ہندوستانی پتھر کی پیائش یقینی طور پر بتاتی ہے کہ ستر ملین سال پہلے ہندوستان خطِ استوا کے جنوب میں واقع تھا، جنوبی افریقہ کی چٹانوں کا مشاہدہ ثابت کرتا ہے کہ افریقی برِّ اعظم تین سو

ملین سال پہلے قطب جنوبی سے ٹوٹ کر نکلا ہے۔"(۱)

اوپر جو آیت نقل کی گئی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے "دحو" کا لفظ استعمال کیا ہے دحو کے معنی کسی مجتمع چیز کو پھیلانے اور بکھیر دینے کے ہیں، عربی میں کہا جاتا ہے "دحا المطر الحصی عن و جه الارض" (بارش زمین پر سے کنکریوں کو بہالے گئی) تقریباً یہی مفہوم انگریزی لفظ Drift کا بھی ہے، جو اس جغرافی نظریے کی تعبیر کے لئے موجودہ زمانے میں اختیار کیا گیا ہے، قدیم ترین ماضی اور حال میں اس حیرت انگیز یکسانیت کی توجیہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ یہ ایسی ہستی کا کلام ہے جس کا علم ماضی اور حال سب پر محیط ہے۔

غذائیات:

کتاب الٰہی میں انسان کے لئے جو مینو بتایا گیا ہے، اس کے مطابق خون ہمارے لئے حرام ہے، نزول کتاب کے وقت تک انسان اس قانون کی غذائی اہمیت سے بے خبر تھا۔ لیکن بعد کو جب سائنسی طور پر خون کے اجزاء کی تحلیل کی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ قانون نہایت اہم مصلحت پر مبنی تھا، سائنسی تجزیہ نے اس کو رد نہیں کیا، بلکہ اس کی معنویت ہم پر واضح کی۔

یہ تجزیہ بتاتا ہے کہ خون میں کثرت سے یورک ایسڈ Uric Acid موجود ہے، جو ایک تیزابی مادہ ہونے کی وجہ سے خطرناک زہریلی تاثیر اپنے اندر رکھتا ہے، اور غذا کے طور پر اس کا استعمال سخت مضر ہے، ذبیحہ کا مخصوص طریقہ جو اسلام میں بتایا گیا ہے، اس کی مصلحت بھی یہی ہے، اسلامی اصطلاح میں ذبیحہ سے مراد جانور کو اللہ کے نام پر ایسے طریقہ سے ذبح کرنا ہے، جس

ا۔ ریڈرز ڈائجسٹ، جون ۱۹۶۱ء

سے اس کے جسم کا سارا خون نکل جائے اور یہ اسی طرح ممکن ہے کہ جانور کی صرف شہ رگ کو کاٹا جائے، لیکن گردن کی رگوں کو قائم رکھا جائے تاکہ مذبوحہ کے دل اور دماغ کے درمیان موت تک تعلق قائم رہے، اور جانور کی موت کا باعث صرف کامل اخراج خون ہو نہ کہ کسی اعضائے رئیسہ پر صدمہ کا پہنچنا، کیونکہ کسی اعضائے رئیسہ مثلاً دماغ، دل یا جگر کے صدمہ رسیدہ ہونے سے فی الفور موت تو واقع ہو جاتی ہے، لیکن ایسی صورت میں خون آناً فاناً جسم میں منجمد ہو کر تمام گوشت میں سرایت کر جاتا ہے، اور سارا گوشت یورک ایسڈ کی آمیزش کی وجہ سے زہریلا ہو جاتا ہے۔

اسی طرح سؤر کو بھی حرام کیا گیا ہے، زمانہ قدیم میں انسان کو اس کے بارے میں کچھ زیادہ معلوم نہ تھا، مگر جدید طبی تحقیقات نے بتایا ہے کہ اس کے اندر بہت سے نقصانات ہیں، مثلاً مذکورہ بالا یورک ایسڈ جو ایک زہریلا مادّہ ہے اور ہر جاندار کے خون میں موجود رہتا ہے، وہ اور جانداروں کے جسم سے تو خارج ہو جاتا ہے، مگر سؤر کے اندر سے خارج نہیں ہوتا، گردے جو ہر انسانی جسم میں ہوتے ہیں، وہ اس زہریلے مادّے کو پیشاب کے ذریعہ خارج کرتے رہتے ہیں، انسانی جسم اس مادّے کو نوّے فیصدی خارج کر دیتے ہیں، مگر سؤر کے جسم کے عضلات کی ساخت کچھ اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ اس کے خون کا یورک ایسڈ صرف دو فیصدی ہی خارج ہو پاتا ہے، اور بقیہ حصہ اس کے جسم کا جزو بنتا رہتا ہے، چنانچہ سؤر خور بھی جوڑوں کے درد میں مبتلا رہتا ہے، اور اس کا گوشت کھانے والے بھی وجع المفاصل جیسی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔(۱)

۱۔ یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ کوئی غذا، خواہ وہ مفید ہو یا مضر، جب اس کی تاثیرات بتائی جاتی ہیں تو یہ صرف اس کی انفرادی تاثیر کا بیان ہوتا ہے، اس کا

اس طرح کی مثالیں کثرت سے قرآن و حدیث میں موجود ہیں اور یہ مثالیں اس بات کا قطعی ثبوت ہیں کہ یہ غیر انسانی ذہن سے نکلا ہوا ہے، بعد کی معلومات نے حیرت انگیز طور پر اس پیشین گوئی کی تصدیق کی ہے جس کو بیان کیا جاچکا ہے۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ط

"عنقریب ہم آفاق وانفس میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے گا کہ یہ حق ہے۔" (۱)

ایک اور واقعہ نقل کیا جاتا ہے۔ جس کے راوی علامہ عنایت اللہ مشرقی ہیں، اور اس کا تعلق انگلستان سے ہے۔

"۱۹۰۹ء کا ذکر ہے، اتوار کا دن تھا، اور زور کی بارش ہو رہی تھی، میں کسی کام سے باہر نکلا تو جامعہ کیمبرج کے مشہور ماہر فلکیات سر جیمز جینس James Jeans پر نظر پڑی جو بغل میں انجیل دبائے چرچ کی طرف جا رہے تھے، میں نے قریب ہو کر سلام کیا، انہوں نے کوئی جواب

۱۔ سورۂ حم سجدہ آیت ۵۳،

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا) فوراً ہر شخص میں وہی اثر بھی ظاہر کرے جو انفرادی مطالعہ میں ہم نے اُس کے اندر پایا تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی عموماً کسی چیز کو تنہا شکل میں اس طرح نہیں کھاتا کہ صرف اسی کو اکیلے عمل کرنے کا موقع ملے بلکہ مختلف چیزوں کے ساتھ ایک چیز کو پیٹ میں داخل کرتا ہے، اسی طرح اور بھی اسباب ہیں جن کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے کہ مختلف چیزوں کے عمل اور ردِّ عمل سے اکثر تاثیر گھٹ جاتی ہے، اور بعض اوقات ختم بھی ہو جاتی ہے، تاہم جب کسی چیز کی ذاتی خصوصیات کا تجزیہ کیا جائے تو وہی بات کہی جائے گی جو انفرادی طور پر اس کے اندر ثابت ہو رہی ہو

...، دوبارہ سلام کیا تو وہ متوجہ ہوئے اور کہنے لگے، "تم کیا چاہتے ہو" میں
... دو باتیں اول یہ کہ زور سے بارش ہو رہی ہے اور آپ نے چھتری
... میں دبا رکھی ہے، سر جیمز اپنی بدحواسی پر مسکرائے اور چھتری تان لی،
... یہ کہ آپ جیسا شہرۂ آفاق آدمی گرجا میں عبادت کے لئے جارہا ہے یہ
... میرے اس سوال پر پروفیسر جیمز لمحہ بھر کے لئے رک گئے، اور پھر
... طرف متوجہ ہو کر فرمایا "آج شام کو چائے میرے ساتھ پیو" چنانچہ
... شام کو ان کی رہائش گاہ پہنچا ٹھیک چار بجے لیڈی جیمز باہر آکر کہنے لگیں،
... جیمز تمہارے منتظر ہیں" اندر گیا تو ایک چھوٹی سی میز پر چائے لگی
... تھی، پروفیسر صاحب تصورات میں کھوئے ہوئے تھے کہنے لگے
... تمہارا سوال کیا تھا۔ اور میرے جواب کا انتظار کئے بغیر اجرام آسمانی کی
...، ان کے حیرت انگیز نظام، بے انتہا پنہائیوں اور فاصلوں، ان کی
... راہوں اور مداروں نیز باہمی کشش اور طوفان ہائے نور پر وہ ایمان
... تفصیلات پیش کیں کہ میرا دل اللہ کی اس داستان کبریا و جبروت پر
... لگا، اور ان کی اپنی کیفیت یہ تھی کہ سر کے بال سیدھے اٹھے ہوئے
... آنکھوں سے حیرت و خشیت کی دوگونہ کیفیتیں عیاں تھیں، اللہ کی
... و دانش کی ہیبت سے ان کے ہاتھ قدرے کانپ رہے تھے، اور آواز
... رہی تھی، فرمانے لگے "عنایت اللہ خان! جب میں اللہ کے تخلیقی
... اموں پر نظر ڈالتا ہوں تو میری تمام ہستی اللہ کے جلال سے لرزنے
... ہے اور جب کلیسا میں اللہ کے سامنے سرنگوں ہو کر کہتا ہوں تو بہت بڑا
... تو میری ہستی کا ہر ذرہ میرا ہم نوا بن جاتا ہے، مجھے بے حد سکون اور
... نصیب ہوتی ہے، مجھے دوسروں کی نسبت عبادت میں ہزار گنا زیادہ
... ملتا ہے، کہو عنایت اللہ خان! تمہاری سمجھ میں آیا کہ میں گرجے کیوں

علامہ مشرقی کہتے ہیں کہ پروفیسر جینز کی اس تقریر نے میرے دل میں عجیب کہرام پیدا کر دیا میں نے کہا "جناب والا! میں آپ کی روح اور تفصیلات سے بے حد متاثر ہوا ہوں، اس سلسلے میں قرآن کی ایک آیت یاد آگئی اگر اجازت ہو تو پیش کروں، فرمایا "ضرور" چنانچہ میں نے یہ آیت پڑھی۔

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ○ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ

پہاڑوں میں خطے ہیں، سفید اور سرخ اور طرح طرح کے رنگ کے اور کالے، اور آدمیوں میں اور کیڑوں میں اور چوپاؤں میں، اسی طرح مختلف رنگ ہیں، اللہ سے ڈرتے ہی ہیں اس کے بندوں میں سے جو علم رکھتے ہیں۔ (۱)

یہ آیت سنتے ہی پروفیسر جینز بولے :-

"کیا کہا...... اللہ سے صرف اہل علم ڈرتے ہیں، حیرت انگیز بہت عجیب، یہ بات جو مجھے پچاس برس مسلسل مطالعہ و مشاہدہ کے بعد معلوم ہوئی، محمد ﷺ کو کس نے بتائی کیا قرآن میں واقعی یہ آیت موجود ہے، اگر ہے تو میری شہادت لکھ لو کہ قرآن ایک الہامی کتاب ہے، محمد ﷺ اَن پڑھ تھے، اسے یہ عظیم حقیقت خود بخود معلوم نہیں ہو سکتی، اسے یقیناً اللہ نے بتائی تھیں، بہت خوب، بہت عجیب......" (۲)

۱۔ سورۂ فاطر آیت ۲۷، ۲۸،

۲۔ نقوش، شخصیات نمبر ص ۹۔ ۱۲۰۸،

[illegible]

قرآن مجید کی حقانیت کا سائنسی ثبوت

آج دنیا میں تقریباً ایک ارب مسلمان ہیں جو بلا خوف تردید اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور یہ ایک معجزہ ہے۔ اور وہ ایسا کیوں نہ ہیں جبکہ کٹر دشمن بھی اللہ کی اس معجزانہ کتاب کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ ریوارینڈ آر۔ بوس ورتھ اسمتھ Rev. R. Bosworth Smith اپنی کتاب ''محمد ﷺ اور اسلام'' "Mohammad and Mohamadan-ism" میں قرآن کے بارے میں اپنے خیال کا اظہار کرتا ہے۔

"A miracle of purity of style, of wisdom and of truth"

''اپنے اسلوب کی پاکیزگی، حکمت اور صداقت کا معجزہ''

دوسرا انگریز A.I. Arberry اے۔ آئی۔ آربری قرآن کے اپنے ترجمہ کے دیباچہ میں لکھتا ہے۔

"Whenever I hear the Quran chanted It is as though I am listening to music underneath the flowng melody there is sounding all the time the insistent beat of a drum, it is like the beating of my heart."

جب بھی میں قرآن کی دل آویز اور پرکشش تلاوت سنتا ہوں تو ایسا محسوس ہوتا ہے گویا میں کوئی موسیقی سن رہا

ہوں اور یہ کہ اس آہنگ کی روانی کے پورے دورانیہ میں
نقارہ کی مسلسل تھاپ کا سماں معلوم ہوتا ہے جیسے کہ گویا
یہ میرے دل کی دھڑکن کی طرح ہو۔"

ان الفاظ سے اور اس کے پورے دیباچہ کے متن سے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کہ وہ ایک مسلمان ہے لیکن افسوس اس کا انتقال ایک عیسائی کی حیثیت سے ہوا۔

اسی طرح ایک دوسرے برطانوی نژاد مارماڈیوک پکھتال Marma-duke Pickthal قرآن کے اپنے ترجمہ کے پیش لفظ میں بیان کرتے ہیں:

"That inimitable symphony, the very sounds of which move men to tears and ecstasy."

"اس میں بے مثال سرود و ہم آہنگی ہے جس کا آہنگ آدمی پر اشک باری اور وجد و انبساط کی کیفیت طاری کر دیتا ہے۔"

اس شخص نے قرآن کا ترجمہ کرنے سے پہلے اسلام قبول کیا اور ہم اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ اس بات کی تصدیق کر سکیں کہ انہوں نے یہ کیفیات اسلام میں داخل ہونے سے پہلے محسوس کیں یا بعد میں۔ کچھ بھی ہو دوست اور دشمن یکساں اس آخری وحی الٰہی (قرآن) پر بے لاگ خراج ہائے عقیدت پیش کرتے رہے ہیں۔ محمد ﷺ کے ہم عصروں نے اس پیغام کا شرف و عظمت، اثر پذیری اور تسخیر کن کیفیات کو محسوس کر کے اسلام قبول کیا۔ تمام صداقتوں اور خراج ہائے عقیدت کے باوجود منکرین اور ذہنی پراگندگی میں مبتلا لوگ کہیں گے کہ یہ تمام معروضی احساسات ہیں اور اسی کے ساتھ وہ اس آڑ میں بھی پناہ لیں گے کہ وہ عربی سے نابلد ہیں، اور یہ کہ جو میں دیکھتا ہوں وہ تم نہیں دیکھتے اور جو میں محسوس کرتا ہوں وہ محسوس نہیں کرتے تو پھر میں یہ کس طرح

جانوں کہ اللہ موجود ہے اور یہ کہ اس نے ہی اپنے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے دل میں قرآن کے اس حسین پیغام کو وحی کیا۔ وہ مزید کہے گا کہ میں قرآن کے حسن اور فلسفہ کا مخالف نہیں ہوں اور نہ ہی اس کی عملی اعلیٰ اخلاقیات سے۔ میں یہ ماننے کے لئے تیار ہوں کہ محمد ﷺ ایک سچے آدمی تھے اور انہوں نے انسانی بھلائی کے لئے بہت سی عمدہ نصیحتیں کی ہیں، لیکن میں اس بات کو نہیں مان سکتا جس کا تم مسلمان دعویٰ کرتے ہو، یعنی اس پیغام کی مافوق الفطرت الہامی حیثیت کا۔

اس قسم کے ہمدرد اور متشکک ذہنیت رکھنے والوں کے لئے اس کتاب یعنی قرآن مجید کے خالق نے ان شبہات کو دور کرنے کے لئے بہت سے دلائل دیے ہیں۔ منکرین خدا، دھریئے، اور توہم پرست جو سائنسی علوم کی وافر معلومات رکھتے ہیں اور جو خود کو بڑے دانشور کہتے ہیں، ان کے لئے اتنا کہنا کافی ہے کہ وہ حقیقتاً ذہنی طور پر پستہ قد ہیں، اس بونے کی مانند جس نے اپنی کسی خاص صلاحیت کو دوسری صلاحیتوں سے زیادہ ترقی دے لی ہو یا جیسے ایک لاغر منحنی اور ناتواں جسم پر ایک غیر معمولی بڑا سر۔

اس سے پہلے کہ ہم اللہ کا سوال اس کے سامنے پیش کریں مجھے اپنی جستجو کی طرف سے خود کو مطمئن ہونے دیں، اے علمائے سائنس جنہوں نے علم ہیئت کا مطالعہ کیا ہے اور جنہوں نے اپنی دوربینوں سے اس کائنات کا جائزہ لیا ہے گویا کہ وہ کسی ایسی چیز کا جائزہ لے رہے ہوں جو ان کی ہتھیلی پر ہوں مجھے بتاؤ یہ کائنات کس طرح وجود میں آئی۔ یہ سائنس دان جو روحانی بصیرت سے کورے ہیں، اس کے باوجود وہ اپنے علم کا بڑی فیاضی کے ساتھ اظہار کریں گے، وہ بلا تامل جواب دیں گے۔ "اچھا سنو" وہ شروع کریں گے "کروڑوں سال ہوئے ہماری کائنات مادّہ کا ایک واحد گولا تھی۔ مادّہ کے اس بڑے گولے کے مرکز میں ایک بڑا دھماکہ ہوا اور بڑے بڑے ٹکڑے ہر سمت میں اڑنے

گئے۔ اس بڑے دھماکے کے نتیجے میں ہمارا نظام شمسی وجود میں آیا اور ساتھ ہی بہت سی کہکشائیں بھی، اور چونکہ خلا میں کوئی مدافعت نہ تھی اس لئے اس اولین حرکت سے جو اس پہلے دھماکے سے وجود میں آئی، ستارے اور سیارے اپنے مداروں پر گردش کرنے لگے ہماری کائنات ایک وسعت پذیر کائنات ہے کہکشائیں بڑی تیز رفتاری سے ہم سے پیچھے ہٹ رہی ہیں اور جب وہ ایک مرتبہ روشنی کی رفتار کو پہنچیں گی تو ہم ان کو دیکھ بھی نہ سکیں گے۔ ہمیں جلد از جلد، بڑی سے بڑی اور بہتر سے بہتر دوربینیں ایجاد کرنا ہوں گی تاکہ ہم ان مناظر کا مطالعہ کر سکیں۔ اگر ہم ایسا نہیں کر سکے تو ہمیں اس سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔" ہم نے ان سے پوچھا "تم نے ان پریوں کی کہانی کو کب دریافت کیا" ہمارے دوستوں نے جواب دیا "نہیں! یہ پریوں کی کہانی نہیں ہے، بلکہ سائنسی حقیقتیں ہیں۔" چلئے آپ جو حقائق بیان کر رہے ہیں ہم ان کو مانے لیتے ہیں لیکن آپ یہ بتائیں کہ آپ ان حقائق سے کب واقف ہوئے۔ ابھی کل ہی۔ انہوں نے جواب دیا، نوع بشر کی زندگی میں پچاس سال کل ہی کے برابر ہوتے ہیں۔ ایک ناخواندہ عرب صحرا میں رہ کر آج سے چودہ سو سال پہلے تمہارے اس بڑے دھماکے اور اس سے پھیلنے والی کائنات کے علم سے ہرگز واقف نہیں۔ اس نے بڑی شیخی بگھارتے ہوئے کہا۔ اچھا اب سنو وہ جو اس نے اپنے خدا کی وحی کے مطابق کہا ہے۔

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ط

کیا کافروں نے نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین دونوں ملے ہوئے تھے تو ہم نے ان کو جدا جدا کر دیا۔ (۱)

۱۔ سورۃ الانبیاء آیت ۳۰،

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ط كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ O

اور وہی تو ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند بنائے سب ایک ایک فلک پر تیر رہے ہیں۔(۱)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ الفاظ خاص طور پر تم سائنس دان، جغرافیہ دان اور ہیئت دان سے خطاب کے لئے استعمال کئے گئے ہیں، جو حیرت انگیز دریا فتیں کر کے اور ان دریافتوں کو نسل انسانی تک پہنچانے کے باوجود ابھی تک ایسے بے بصیرت ہیں کہ اس کے خالق کو نہیں پہچانتے۔

"ہم اپنی ان تجربہ گاہوں میں سائنس اور دائرۃ المعارف، Encyclopaedia کے زعم میں خدائے پاک کو بھول جاتے ہیں۔"

تھامس کارلائل کہتا ہے:

"کیا آج سے چودہ سو سال پہلے صحرا کے ایک ساربان پر تمہارے یہ حقائق روشن ہوئے تھے ہاں ہوئے تھے لیکن یہ حقائق اس بڑے دھماکے کے خالق کی وحی کے ذریعہ سے۔"

اور تم اسے حیاتیات کے ماہرین جن کی انگلیاں نامیاتی زندگی کے تمام انکشافات پر رکھی ہوئی ہیں اس کے باوجود تم زندگی کے منبع یعنی خدا کے وجود ہی سے اس بے باکی کے ساتھ انکار کرتے ہو۔ تو تم اپنی اس شیخی خورانہ تحقیق کے حوالہ سے مجھے بتاؤ کہ اس زندگی کا آغاز کہاں سے ہوا؟ اپنے ان منکرین حق کی طرح علم ہیئت کا ماہر بھی یوں شروع کرے گا۔

"دیکھئے کروڑوں سال گزرے دنیا کے دور اولین کے مادہ نے سمندر

۱۔ سورۂ انبیاء آیت ۳۳،

میں مادۂ حیات بننا شروع کیا، جس کے نتیجہ میں ایسا Amoeba (پانی کی ابتدائی ذی روح) بنا اور اس گاڑھے مادّہ (کیچڑ) سے سمندر میں تمام جاندار بنے۔ مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حیات پانی سے پیدا ہوئی۔ "اور تم اس حقیقت سے کب آشنا ہوئے کہ تمام جاندار اشیاء پانی سے پیدا ہوئی ہیں۔ اس کا جواب وہی ہوگا جو اس ہیئت دان نے دیا تھا۔ 'کل' کوئی اہل علم کوئی فلسفی یا شاعر یہ گمان بھی کر سکتا ہے کہ تمہارا یہ انکشاف چودہ سو سال پرانا ہے۔ بولو کیا خیال ہے 'ہمارے ماہر حیاتیات بھی ہیئت دانوں کی طرح اسی زور خطابت سے کہیں گے۔ "نہیں کبھی نہیں" اچھا ب آپ اس ناخواندہ صحرا ﷺ کی زبان سے ارشاد ربانی سنئے۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ○

"اور ہم نے تمام جاندار پانی سے بنائے ہیں کیا یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔" (۱)

تمہارے لئے اس بات کو ذہن نشین کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی کہ اس قادر مطلق، عالم کل، خالق کائنات کے یہ الفاظ تمہارے آج کے تفکّک کے جواب میں تم ہی جیسے صاحبان علم کو تخاطب کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔ ان کا حقیقی فہم تو ان صحرا نشینوں سے بھی کم ہے جو چودہ سو سال پہلے گزرے ہیں۔ کتاب (قرآن) کا بھیجنے والا تو تم جیسے ماہرین سائنس کے لئے دلائل پیش کر رہا ہے تو پھر تم کس طرح اس خدا پر ایمان نہیں لاؤ گے۔ تمہیں تو اس کے وجود کے منکرین میں آخری آدمی ہونا چاہئے تھا۔ جب کہ تم اس کے وجود کے منکرین میں اول ہو، تمہیں کس بیماری نے آن لیا ہے۔

اور ماہرین نباتات، حیوانات و طبیعات باوجود یہ کہ اشیاء کی ماہیت میں محیّر العقول بصیرت رکھتے ہیں اس خالق عظیم کو ماننے سے انکار کرتے ہیں ان کو

۱۔ سورۃ الانبیاء آیت ۳۰،

خدا کے ترجمان حضرت محمد ﷺ کی زبان سے ادا کئے ہوئے ان کلمات پر توجہ دینی چاہئے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ
وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ O

پاک ہے وہ ذات جس نے جملہ اقسام کے جوڑے پیدا کئے
خواہ وہ زمین کی نباتات میں سے ہوں یا خود ان کی اپنی جنس،
یعنی نوع انسانی میں سے یا ان اشیاء میں سے جن کو یہ جانتے
تک بھی نہیں۔(۱)

اللہ کے کلام کی یہ آیتیں اپنی تشریح آپ ہیں۔ قرآن کے قاری نے ہر نئی دریافت میں خدا کی غیر متزلزل آیات کا مشاہدہ کیا ہے جو انسانوں نے کی ہیں۔ یہ آیات اور معجزات اس رحمٰن و رحیم خدا کی طرف سے ہیں جو شکوک کو رفع کرنے والا اور ایمان کو تقویت دینے والا ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ O

یقیناً دانش مندوں کے لئے اس میں بہت سی نشانیاں
ہیں۔(۲)

یہ کیسی ستم ظریفی کی بات ہے! یہ اہل علم ہی ہیں جو در اصل باغی ہیں۔ ان کو ان کے وافر مادّی علم نے مغرور کر دیا ہے وہ اس حقیقی انکساری سے عاری ہیں جو ہر صحیح علم رکھنے والے کے پاس ہونی چاہئے۔

۱۔ سورۃ یٰسین آیت ۳۶،
۲۔ سورۃ الروم آیت ۲۲،

مسلمانوں کی سائنسی خدمات اور تحقیقات وایجادات

دنیا میں پہلی سائنسی پرواز :

نویں صدی عیسوی اپنا دور پورا کر رہی تھی، اس وقت جس شخص نے پہلے پہل سائنسی پرواز کا تجربہ کیا وہ ابن فرناس تھا۔ پرواز کے لئے اس نے جو سامان فراہم کیا تھا وہ ایسے پَر تھے جن سے وہ ہوا میں نہایت طویل فاصلہ تک پرواز کر سکا۔ جب وہ زمین پر اترا تو اس کا پاؤں مجروح ہو گیا تھا۔

دنیا کے نظامِ سیار گان کا پہلا نمونہ :

دنیا کے نظامِ سیار گان کا پہلا نمونہ ایک اور مسلمان ابو القاسم نے تیار کیا تھا۔ اس میں ستارے، بادل وغیرہ دکھائے گئے تھے، اور سورج اور چاند کی شکلوں کے ساتھ برق بھی ظاہر کی گئی تھی۔ سورج اور چاند کی گردشوں کے اوقات بھی اس پر بتائے گئے تھے۔

شیشہ سازی :

دنیا میں پتھر سے شیشہ بنانے کی صنعت کی دریافت سب سے پہلے ایک اور مسلمان عباس ابن فرناس نے ۹ویں صدی میں کی تھی۔

دُور بین کی ایجاد :

دُور بین کی سب سے پہلے ایجاد عظیم سائنسداں ابو الحسن نے کی تھی۔

یہ دُوربین مالقہ اور قاہرہ کی صدر گاہوں میں بڑی کامیابی سے کام میں لائی جاتی تھی۔ جس رصدگاہ میں دُوربین نصب کی گئی تھی وہ قدم کے مقام پر شمسیہ میں واقع تھی۔ اور اس دُوربین کو فلکیاتی مشاہدات کے لئے کام میں لایا جاتا تھا۔ اعتدالین، گرہن، انحراف، دُم دار ستارے اور دوسرے سماوی حادثات تھے جس کو دُوربین سے دیکھا جاتا تھا۔

علوم کے اشاریے:

"علوم کے اشاریہ" پر سب سے پہلی کتاب پیش کرنے والا ایک مسلمان "ابوالفارق محمد ابن اسحٰق ابن ابی یعقوب الندیم" تھا۔ جس کا زمانہ ۹۹۶ء ہے۔ اس میں عربوں اور غیر مرجوں پر مشتمل جملہ قدیم کی کتابوں کے مطالب کے خلاصے دیئے گئے ہیں۔ اس "فہرست" میں تمام علوم شامل ہیں۔ جیسے میکانیات، طب، انجینئرنگ، ریاضیات، فلکیات، فلسفہ مادّیت اور علوم قدیم، فقہ اور حدیث، سوانح عمری، انساب، تاریخ، گرامر، منافع الاعضاء، السنہ، صحائف اور قرآن، ساتھ ہی مصنفین کی سوانح عمری اور تحسین بھی شامل کی گئی ہے۔ ۱۲۵۸ء میں ہلاکو خاں کے ہاتھوں بغداد کی تباہی و تاراجی کے بعد جو کتابیں اس اشاریہ میں مذکور ہیں ان میں سے تھوڑی سی باقی رہ گئی تھیں۔ اس بات کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے ضروری ہے کہ قاری خود سے سوال کرے کہ قدیم دنیا میں اور علم وفن کے لئے اس قسم کے عظیم الشان کام کا کیا مطلب ہو گا جس میں دنیا کے ادبا کے سوانح خاکے بھی درج تھے۔

امریکہ کی دریافت کولمبس کا کارنامہ نہ تھا:

امریکہ کی دریافت یورپین لٹریچر میں کئے گئے دعویٰ کے برخلاف کولمبس ... نے کولمبس سے پانچ سو سال پہلے عرب ... نے کی تھی۔ یہ بات

"تاریخ تہذیب" میں پروفیسر ویو۔ ڈوانٹ نیویارک، پروفیسر ڈاکٹر کریمر اور ڈاکٹر لیو ویمر، متعلق ہارورڈ یونیورسٹی اور جدید ترین ماہر بشریات ڈاکٹر جیفرے نے ثابت اور مستحکم کر دی ہے۔

کُرّے (گلوب):

حامل قرآن لوگوں نے عمیرہ احمر پر ایک درجہ کی پیمائش کر کے زمین کا صحیح سائز دریافت کیا اور اس کی کُرّوی شکل کی تصدیق کی۔ روم کے قائم کردہ اس نامعقول نظریہ کے مقابلہ میں کہ زمین چپٹی ہے، شروع دور کے حاملین قرآن کروں کی مدد سے عربی مدارس میں جغرافیہ پڑھا رہے تھے۔

نظریۂ اضافت:

نظریۂ اضافت الباقلانی نے پیش کیا تھا۔ عظیم ماہر طبیعیات آئین اسٹائن نے اپنی کتاب "بین کونیکی طبیعیات" میں الباقلانی کی بنیادوں پر اپنا نظریہ اضافت وضع کیا ہے۔

قطب نما کی دریافت:

سر آر۔ ایف۔ برٹن نے انکشاف کیا ہے کہ سب سے پہلے قطب نما، امیر البحر احمد ابن ماجد نے ایجاد کیا تھا اور اس طرح اس نے بنی نوع انسان کے لئے کھلے سمندروں میں سفر کرنے کا راستہ کھول دیا تھا۔ اس ایجاد سے پہلے یونانی اور رومی جہازرانی صرف ساحلوں تک محدود تھی۔ مصری، ایرانی، یونانی، رومی اس سے قبل کھلے سمندر میں تجارت کی غرض سے داخل ہونے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ سمندری راستے پر پہلے پہل نقشوں کے ساتھ حامل قرآن لوگوں نے متعین کئے، یہ راستے بحر الکاہل اور بحر اوقیانوس کو ملاتے تھے۔ ان

سمندروں کے مابین پہلا بحری سفر امیر البحر سلیمان اور امیر البحر شاب الدین نے نویں اور دسویں صدی میں کیا۔

واسکوڈی گاما کی رہنمائی :

"واسکوڈی گاما" کی ہندوستان تک رہنمائی فی الحقیقت عربوں نے کی تھی۔ تاریخ اس حقیقت کا اعتراف کرتی ہے کہ کولمبس اور واسکوڈی گاما سے عرصہ دراز پہلے صرف عربوں کے پاس سمندروں کے نقشے اور جہازرانی کے سازوسامان موجود تھے۔

بال کمانی (ترازو) کا رواج :

ایسی ترازو سب سے پہلے عظیم ماہر کیمیا جابر ابن حیان نے بنائی، جس کے اہم نتائج بعد میں نظری سائنسوں میں بھی رونما ہوئے۔ جو سب سے بڑھ کر اجسام کے آمیزے کے قوانین کا ثبوت بھی تھا۔ مختلف شکل کی بال کمانیوں کو رواج دے کر حاملِ قرآن لوگوں نے اُس عہد کی ابتدا کی جب کیمیا کو کلی طور پر کیفیت کا علم سمجھنا چھوڑ دیا گیا، اور یہ کمیت کا علم قرار پاگئی، ان لوگوں کو پانی کی کیمیائی خواص اور پانی کے تجزیہ کے بارے میں صحیح تصورات تھے۔ یہ امر کیمیا کے علم میں ایک نئے باب کا اضافہ ثابت ہوا۔ جابر بن حیان نے تیز قسم کے تیزاب، ماء الملوک وغیرہ بھی دریافت کیے۔

الجبرا کی ایجاد :

الجبرا خالص عربی شے ہے۔ عربی ہی سے اس کو یہ نام (الجبر والمقابلہ) ملا۔

دورانِ خون کی دریافت :

دوران خون کے بارے میں ۱۲۰۷ء میں ابن نفیس نے ڈاکٹر سرونیس سے تین صدی پہلے معلومات بہم پہنچائی تھیں۔ ڈاکٹر سرونیس کے سر غلط طور پر اس کی دریافت کا سہرا باندھا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کی دریافت ڈاکٹر سرونیس نے نہیں بلکہ ایک مسلمان ابن نفیس نے کی تھی۔

رسالہ علاج الجبوان :

علاج الجبوان کے سلسلہ میں پہلا رسالہ ۱۲۴۰ء میں ابو بکر ابن منذر نے تحریر کیا تھا۔

جوہر اور خلاء :

جوہر اور خلاء کا سب سے پہلا تصور ابو بکر احمد ابن الطیب الباقلانی نے ۱۰۱۳ء میں پیش کیا۔ امام الباقلانی نے جوہریت کو وقت اور حرکت تک وسعت دی اور ان کو بنیادی طور پر مسلسل قرار دیا۔

میکانکی ایجادیں :

عظیم ترین ماہرین میکانیات جنہوں نے سب سے پہلے سیکڑوں ٹیکنیکی ایجادات پیش کیں۔ بنو موسیٰ بن شاکر یعنی احمد اور حسن تھے، جنہوں نے ۸۶۰ء میں سائنسی نوعیت کے کھلونے، آلات موسیقی، خودکار آلات، ملین وغیرہ بنائیں۔

آلاتِ جراحی کی ایجاد:

سب سے بڑا سرجن جس نے سب سے پہلے ۲۰۰ آلاتِ جراحی نہ صرف ایجاد کیئے بلکہ خود بنائے وہ ابو القاسم الزہراوی تھا جس کا زمانہ ۹۳۶ء سے ۱۰۱۳ء تک ہے۔

ابو القاسم کی کتاب جس کا نام التصریف ہے اور جو تیس اجزاء پر مشتمل ہے جراحی سے متعلق اس کے حصہ کی نقل ۱۹ ویں صدی تک تمام یورپی درسی کتابوں میں کی جاتی رہی۔

کاغذ کی صنعت:

حاملِ قرآن لوگوں نے سب سے پہلے ۷۵۱ء میں سمر قند میں روئی سے کاغذ بنانے کی صنعت کو جاری کیا۔

طب میں کیمیا کا استعمال:

تاریخ کے سب سے بڑے کیمیادان جابر بن حیان نے جو یورپ میں گیبر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ۷۲۲ء میں طب میں کیمیا کو رواج دیا۔

دریائے والگا کی وادی میں خشکی کے راستوں کے قائم کرنے والے:

دریائے والگا اور دریائے ڈینوب کی وادیوں سے ہو کر خشکی کے راستے سب سے پہل المسعودی، ادریسی، ابن رستہ احمد بن فضلان اور ابن وھب نے

ان جغرافیہ دانوں نے یورپ کے نامعلوم اور خطرناک جنگلوں سے ڈھکے ہوئے علاقہ جات سے ہو کر سفر کیا اور تمام بیانات اپنے ذاتی مشاہدہ اور تجربہ کی بنا پر درج کئے۔

آکسفورڈ یونیورسٹی کا بانی:

آکسفورڈ یونیورسٹی واقع انگلستان کا بانی اول ااویں صدی میں ابو صالح ابن داؤد تھا۔ جس کو لاطینی میں آدین وستھ کر دیا گیا ہے۔

نہر سوئز:

ابتدائی نہر سوئز کو پہلی بار ۷ویں صدی میں خلیفہ ثانی (حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے کھدوایا تھا نہ کہ یورپی لوگوں نے۔

جدید ادویہ کے موجد:

۱۸۰۰ء نئی ادویہ کے موجد اور مختلف مقامات پر بساتین نباتاتی Botan-ical Gardens کے بنانے اور قائم کرنے والے مندرجہ ذیل حضرات تھے۔

ابن بطار

ابو عثمان

عبدالملک بن قریب

سائنس کا بین الاقوامی درجہ:

حاملِ قرآن لوگوں نے سب سے پہلے سائنس کو بین الاقوامی درجہ دیا۔

علم مثلث:

حاملِ قرآن حضرات نے علم مثلث میں جیب Sine کو داخل کیا اور

ریاضیاتی ترازو کو روشناس کرایا۔

اوجِ مدارِ شمس :

سب سے پہلے البیرونی نے اوج مدار شمس Apogee کا پتہ لگایا اور اس سے سورج کی (موجودہ نظریہ کے مطابق سورج کے گرد زمین کی) گردش کا حساب لگایا۔

چاند کی تیسری عدم مساوات یا ناہمواری :

چاند کی تیسری عدم مساوات کو سب سے پہلے ابوالوفا بوزجانی نے دریافت کیا، جس کو غلطی سے ٹائیکوبراہی کی جانب منسوب کر دیا جاتا ہے۔

اصطرلاب کی ایجاد :

پرنسٹن یونیورسٹی (ریاستہائے متحدہ امریکہ) کا بیان ہے کہ اصطرلاب کی ایجاد اور اس سے متعلق کتابوں کی تصنیف ۷۷۰ء میں ابراہیم الفزاری نے کی۔

ہیئیتی جدول :

سب سے پہلے ہیئیتی جدولوں کو ابوالعباس اور الخوارزمی نے ۸۶۰ء میں رواج دیا۔ انہوں نے تمام یونانی اور ہندی جدولوں کو بدل ڈالا۔

رصد گاہوں کا قیام :

حاملِ قرآن لوگوں نے سب سے پہلے یورپ میں مالقہ کے مقام پر اور بغداد، رے، شیراز، سمرقند اور نیشاپور میں رصد گاہیں قائم کیں اور ان کو ہیئت متعلق سازوسامان سے آراستہ کیا۔

سہ درجی مساوات کا طریق الشمسی حل :

پہلی بار حاملِ قرآن لوگوں نے سہ درجی مساوات کے طریق الشمسی حل کا میلان دریافت کیا، جو چاند اور سیاروں کے مداروں اور سورج کے اوسط مدار کے حساب لگانے کے لئے تھی۔

صحیح ترین تقویم :

عمر خیام نے ایک ایسی تقویم کو ۱۰۳۸ء میں رواج دیا جو گریگوری کی تقویم سے زیادہ صحیح تھی۔

انجینئرنگ کا سازوسامان :

حاملِ قرآن لوگوں نے سب سے پہلے فوجی انجینئری کا سازوسامان اور دیگر آلات ایجاد اور دریافت کئے۔ جن میں محاصرہ کی مشینیں یعنی دبابے، منجنیقیں، قلعہ شکن مشینیں، پولو آرچری Polo Archary نیزہ بازی، گھڑ دوڑ، شاہین بازی، شکرہ سے شکار کھیلنا، خطرے سے نکالنے کے سامان اور جہاز کی مرمت کے لئے خشک گودی وغیرہ شامل ہیں۔

اسکول کا نظامِ تعلیم :

سب سے پہلے البیرونی نے اسکول کا نظامِ تعلیم رائج کیا، جس میں رہائشی یونیورسٹیاں، کتب خانے، حمام، اداروں کے کوڈ، یونیورسٹی کے قوانین وضوابط وغیرہ شامل ہیں۔

عدسوں کی خصوصیات :

پہلی مرتبہ حاملِ قرآن لوگوں نے عدسوں کی خصوصیات پر روشنی ڈالی۔ نظریہ رویت، آلات مشاہدات کی صنعت، زمین کے سائز کے لئے صحیح درجہ کی مقدار اور نظام شمسی۔

حیوانات اور پودوں پر رسالے :

حیوانات اور پودوں سے متعلق سب سے پہلا رسالہ عالم و فاضل الاصمعی بصری نے ۸۰۷ء میں تحریر کیا۔

ہندسی بصریات :

سب سے پہلے عضویاتی اور ہندسی بصریات کو ابو یوسف یعقوب اور ابن اسحاق الکندی نے رواج دیا۔

مزونہ کی ایجاد Quadrants :

حاملِ قرآن لوگوں نے سب سے پہلے ایسے مزونے ایجاد کئے اور بنائے جن کی نصف قطر تیس فٹ اور زاویہ پیما آلات ۸۰، ۸۰ فٹ کے ہوتے تھے۔

کائنات کا پھیلاؤ

کائنات کا پھیلاؤ جدید سائنس کی سب سے زیادہ مرعوب کُن Im-posing تحقیق ہے۔ آج کل یہ قطعی طور پر تسلیم شدہ تصور ہے اور اس وقت جو چیز موضوع بحث بنی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ یہ پھیلاؤ کس طرح ہو رہا ہے۔

یہ تصور پہلے پہل اضافیت کے حامل نظریہ کی روشنی میں دلایا گیا تھا۔

اور اب اس کی تائید طبیعیات سے کہکشانی طیف کے مشاہدے کے دوران اس انکشاف کی بنیاد پر ہو رہی ہے کہ ان کے طیف کی سرخ قطعہ کی جانب مسلسل حرکت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ایک کہکشاں دوسری کہکشاں سے دور ہوتی جا رہی ہے۔ اس طرح کائنات کی وسعت غالباً برابر بڑھ رہی ہے۔ اور یہ اضافہ ان کہکشاؤں میں اور بھی زیادہ ہو رہا ہے۔ جو ہم سے زیادہ دور ہیں، جن رفتاروں سے یہ اجرام سماوی حرکت کر رہے ہیں، ہو سکتا ہے کہ وہ اس دائمی پھیلاؤ کے دوران روشنی کی رفتار کی ایک کسر سے گزر کر اس سے زیادہ رفتار میں حاصل کر لیں۔

قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت، جس میں خداوند کریم کا ارشاد ہے ممکن ہے جدید خیالات سے مطابقت اختیار کر سکے۔

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ○(۱)

آسمان کو ہم نے اپنے زور سے بنایا ہے اور مسلسل اس میں توسیع کر رہے ہیں۔ (۲)

۱۔ سورۃ الحجر آیت ۴۷۔

۲۔ بعض مفسرین نے "وَاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ" کا ترجمہ "اور ہم اس کی قدرت رکھتے ہیں" کیا ہے لیکن اس پر جو حاشیہ تحریر کیا ہے اس میں وہ لکھتے ہیں۔

اصل الفاظ ہیں "وانا لموسعون" موسع کے معنی طاقت و قدرت رکھنے والے کے بھی ہو سکتے ہیں۔ اور وسیع کرنے والے کے بھی۔ پہلے معنی کے لحاظ سے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہ آسمان ہم نے کسی کی مدد سے نہیں بلکہ اپنے زور سے بنایا ہے اور اس کی تخلیق ہماری قدرت سے باہر نہ تھی۔ پھر یہ تصور تم لوگوں کے دماغ میں آخر کیسے آگیا کہ ہم تمہیں دوبارہ پیدا نہ کر سکیں گے۔ دوسرے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہے کہ اس عظیم کائنات کو ہم ایک دفعہ بنا کر نہیں رہ گئے۔ بلکہ مسلسل اس میں توسیع کر رہے ہیں اور ہر آن اس میں ہماری تخلیق کے نئے نئے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آسمان، ترجمہ ہے لفظ "السماء" کا۔ اور یہ ٹھیک "ماوراء عالم ارض" ہے جو یہاں مراد ہے۔ اور "ہم اس میں توسیع کر رہے ہیں" ترجمہ ہے "اوسع" کا جبکہ "اوسع" کا مفہوم ہے وسیع کرنا، زیادہ کشادہ کرنا، بڑھانا، پھیلانا۔

بعض مترجمین نے جو بعد کے مفہوم کو سمجھنے سے قاصر رہے تھے، وہ ترجمہ کیا ہے جو غلط معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً ہم فیاضی سے عطا کرتے ہیں۔ (آر۔ بلاشیر R. Blachere) دوسرے لوگ اس مفہوم کو سمجھتے تو ہیں لیکن وہ اظہار رائے کرتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ اپنے ترجمہ قرآن میں آسمانوں اور خلا کے وسعت پذیر ہونے سے متعلق گفتگو تو کرتے ہیں لیکن اس میں وہ ایک "سوالیہ نشان" کا اضافہ کر دیتے ہیں۔ آخر میں وہ لوگ آتے ہیں اور اپنی تفسیروں میں مصدقہ سائنسی رائے سے مسلح ہو کر وہ مفہوم بیان

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) کرشمے رونما ہو رہے ہیں۔ ایسی زبردست خلاق ہستی کو آخر تم نے اعادۂ خلق سے عاجز کیوں سمجھ رکھا ہے۔"

لیکن بعد کی آیات پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں دوسرے معنی لینا ہی زیادہ مناسب ہے۔ اس لئے کہ نہ صرف آسمان بلکہ زمین، اور کل اشیاء کو جوڑوں میں پیدا کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ نے کسی کی مدد نہیں لی، بلکہ سب کچھ اپنے زور سے بنایا ہے۔ پھر اپنی قوتِ تخلیق کو صرف سماء (آسمان) کے لئے ہی کیوں مخصوص قرار دیا۔ یہ قوت تو ہر جگہ تسلیم کر رہی ہے۔ لہٰذا یہ معنی ہوتے تو اس کو سب سے آخر میں بیان کیا جاتا۔ صرف آسمان کے ساتھ مخصوص کر دینے کے معنی یہ ہوئے کہ جس طرح ہم زمین کو ہموار کرنے والے اور "جملہ اشیاء" کے جوڑے جانے والے ہیں اسی طرح آسمان میں وسعت پیدا کرنے والے بھی ہیں۔

کرتے ہیں جو یہاں دیا گیا ہے۔ یہ بات "منتخب" کے معاملہ میں بھی صحیح ہے جو تفسیر کی ایک کتاب ہے جس کو "مجلس العالیہ، امور اسلامی قاہرہ" نے مرتب کیا ہے۔ اور اس میں قطعاً غیر مبہم الفاظ میں کائنات کے پھیلاؤ کا حوالہ دیا ہے۔

قرآن اور تسخیر کائنات

اس اعتبار سے قرآن کریم کی تین آیتیں ہماری توجہ کو اپنی جانب منعطف کرتی ہیں۔ ایک آیت بغیر کسی ابہام کے بتاتی ہے کہ انسان کو اس میدان میں کیا کچھ کرنا چاہئے اور کیا کچھ وہ حاصل کر لے گا۔ دوسری دو آیات میں اللہ تعالیٰ کفار مکہ کی وجہ سے اس بات کا ذکر کرتا ہے کہ اگر وہ لوگ خود کو آسمان کی بلندیوں پر پہنچالیں تو ان کو وہاں کیا حیران کُن شے ملے گی۔ وہ ایک مفروضہ کی جانب اشارہ کرتا ہے جو مؤخر الذکر کے لئے کبھی بھی حقیقت کا جامہ نہیں پہنے گا۔

۱﴾...... ان آیات میں سے پہلی سورۃ الرحمٰن آیت ۳۳ ہے:

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ

اے گروہ جنوں کے اور انسانوں کے اگر تم سے ہو سکے کہ نکل بھاگو آسمانوں اور زمین کے کناروں سے تو نکل بھاگو۔ نہیں نکل سکتے، بدون سند کے (شیخ الہند)،

اے گروہ جن اور انسان کے اگر تم کو یہ قدرت ہے کہ آسمان اور زمین کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ تو (ہم بھی

دیکھیں) نکلو مگر بدون زور کے نہیں نکل سکتے (اور زور ہے نہیں)(مولانا اشرف علی تھانوی) اے گروہ جن وانس اگر تم زمین اور آسمانوں کی سرحد سے نکل کر بھاگ سکتے ہو تو بھاگ دیکھو نہیں بھاگ سکتے اس کے لئے بڑا زور چاہئے۔

Ocompany of jinn and men if you have power to penetrate (All) regions of the heavens and the earth then penetrate (them)! you will never penetrate them save with (our) sanction (Picxthall).

۱ ...... لفظ " If " انگریزی میں ایک ایسی شرط کو ظاہر کرتا ہے جس کا مدار "امکان" پر ہو یا اس میں قابلِ حصول یا نا قابلِ مفروضہ کو بنیاد بنایا جائے۔ عربی ایک ایسی زبان ہے جو ایسے لفظ کے استعمال پر قدرت رکھتی ہے۔ جس کے معنی کا شائبہ ہو اور یہ امر کہیں زیادہ واضح اور مشرح ہے۔ امکان ظاہر کرنے کے لئے اس میں ایک لفظ (اذا) ہے۔ دوسرا لفظ جو قابلِ حصول مفروضہ Achievable Hypothesis کے لئے کام میں لایا جاتا ہے (ان) ہے اور تیسرا نا قابلِ حصول مفروضہ Unachievable کے لئے (لو) ہے۔ زیرِ بحث آیت ایک قابلِ حصول مفروضہ کو بیان کرتی ہے۔ اس لئے اس کو لفظ ان سے ظاہر کیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم ایک حقیقی عمل پذیری کے لئے "مادّی امکان" تجویز کرتا ہے۔ یہ نازک لسانی فرق رسمی طور پر خالص مرموز تاویل کو قطعیۃً مسترد کر دیتا ہے۔ جو تاویل بعض حضرات (بالکل غلط طریقہ پر) اس آیت کی کرتے ہیں۔

ب﴾...... اللہ تعالیٰ جنوں اور انسانوں کو مخاطب کر رہا ہے۔ خالص تمثیلی اشکال کو نہیں۔

ج﴾...... پیٹھ یا آرپار ہو جانا مصدر "نفذ" کا ترجمہ ہے جس کے بعد حرف جار "من" آرہا ہے۔

قاضی مرسکی Kazimiraski کی لغت کے مطابق اس ترکیب الفاظ کا مفہوم کسی جسم کے ایک طرف سے ہو کر دوسری طرف نکل جانا (مثلاً کوئی تیر جو کسی چیز کو چھید کر دوسری طرف نکل جائے۔ لہذا اس سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ کسی شے میں گہرائی تک نفوذ کرنا اور زیر بحث قطعات کے اندر سے ہو کر دوسری سمت نکل آنا۔

د﴾...... معلوم ہوتا ہے کہ قوت (سلطان) کا عطیہ ان لوگوں کو قادر مطلق کی جانب سے مل سکے گا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ آیت اس امکان کو بتاتی ہے جس کو انسان کو کسی دن حقیقت کا جامہ پہنا سکے گا۔ جس بات کو آج ہم "شاید یا مفروضہ" کے الفاظ سے ظاہر کر رہے ہیں وہ ہے خلا کی تسخیر (۱)

کسی بھی شخص کو یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ قرآن صرف آسمانوں سے نفوذ کی پیش گوئی کرتا ہے، نہیں بلکہ اس میں زمین کے بارے میں بھی بتایا ہے، یعنی اس کی گہرائیوں میں اتر کر بھی مسخر کرتا ہے۔

ا۔ اس حصہ کا ترجمہ محض مضمون کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لئے کر دیا گیا ہے۔ ورنہ جو بحث اس حصہ میں کی گئی ہے اس کو اگر "بے بنیاد" نہ بھی کہا جائے تب بھی منطقی مغالطہ ضرور قرار دیا جائے گا۔ خود قرآن کریم میں اس آیت کا جو سیاق و سباق ہے اس میں یہ مفہوم فٹ نہیں ہوتا۔ دراصل اس آیت میں اللہ تعالیٰ جنوں اور انسانوں کو تسخیر کا مشورہ نہیں دے رہا ہے۔ بلکہ یہ بتا رہا ہے کہ تم

کائنات کی حدود یا خدا کی خدائی سے کبھی نہیں نکل سکتے۔ اس لئے اس کے حکمتوں کے خلاف مت کرو، اس کے اطاعت شعار بندے بن کر رہو اور اس کی نعمتوں کو جھٹلانے کی جگہ ان نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرو۔ سوچنے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے۔ جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ اللہ کے بندے بن کر رہیں اور انسانوں کی سہولت کے لئے ہر چیز کو اس کے لئے مسخر کر دیا ہے تو پھر جنوں اور انسانوں کو یہ مشورہ دینا کیا معنی رکھتا ہے کہ تم راکٹ بناؤ اور اپنی توانائیاں، اپنی دولت اور اپنا قیمتی وقت صرف کر کے خلا کی پہنائیوں کو ناپتے پھرو اور ایک غیر مفید کام کو اپنا مقصد حیات بنالو۔ آخر چاند پر پہنچ کر انسان کو اس کے سوا کیا حاصل ہوا کہ چند بورے وہاں کی مٹی کے اس کو مل گئے، چاند اب بھی اسی طرح حرکت کر رہا ہے، اسی طرح نکلتا اور ڈوبتا ہے، اسی طرح اپنی شکلیں بدلتا ہے اور اسی طرح سمندروں میں مدوجزر پیدا کرتا ہے۔ آرم اسٹرونگ نے وہاں پہنچ کر کس چیز میں تبدیلی پیدا کی ہے جس کی بنیاد پر یہ فخر کیا جارہا ہے کہ ہم نے چاند کو مسخر کر لیا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ انسان میں اتنا بھی بل بوتا نہیں کہ وہ ایک چیونٹی کو ہی اپنے قابو میں رکھ سکے اس لئے اس نے خود ہی سب چیزوں کو اس کے لئے مسخر کر دیا ہے اور انسان کو بتا دیا ہے کہ ہم نے جو چیز جس کام کے لئے بنائی ہے وہ کام کے لئے بنائی ہے وہ کام اس سے لے کر خود بھی دنیا میں رہتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھاؤ اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاؤ۔ چنانچہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر تسخیر ارض و سما کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ کہیں ایک جگہ بھی انسان کو تسخیر کائنات کا درس نہیں دیا۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جب ابھی تک کائنات کی وسعتوں کا بھی علم انسان کو نہیں ہے تو وہ اس کی تسخیر کے لئے منصوبے کیسے بنا رہا ہے۔ ماہرین فلکیات کا کہنا ہے کہ کائنات کروی شکل کی ہے، اور اس کا پھیلاؤ اتنا ہے

کہ اس کو دو حصوں میں تقسیم کرنا پڑا۔ ایک قابلِ مشاہدہ اور دوسرا ناقابلِ مشاہدہ، قابلِ مشاہدہ کائنات کا ابھی تک چھیالیس فیصد حصہ امریکہ کی دیو پیکر دوربینوں سے دیکھا جا سکا ہے اور یہ چھیالیس فیصد حصہ ہی دو ارب نوری سال کے برابر ہے۔ جبکہ ایک نوری سال تقریباً ساڑھے اٹھاون کھرب میل کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ ممکن ہے زیادہ بڑی دوربینیں بنا کر باقی قابلِ مشاہدہ کائنات کو بھی آئندہ نسلیں دیکھ لیں۔ لیکن ناقابلِ مشاہدہ کائنات کو انسان کبھی نہیں دیکھ سکے گا۔ اس لئے کہ اس میں اس تیزی سے پھیلاؤ ہو رہا ہے کہ وہاں پھیلا ہوا مادہ اور اس حصہ کے سدیم روشنی سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے دور بھاگ رہے ہیں۔

ایسی صورت میں چاند کا سوا نوری سیکنڈ یا صرف دو لاکھ چوبیس ہزار میل کا فاصلہ طے کر کے انسان کا یہ دعویٰ کرنا کہ میں پوری کائنات کو مسخر کر لوں گا، ایسا ہی ہے جیسے ایک چیونٹی ربڑ کی گیند اٹھانے کے قابل ہو جائے تو وہ یہ دعویٰ کرنے لگے کہ ایک دن میں پوری دنیا کو اپنے ایک ہاتھ میں اٹھا لوں گا۔

بہر حال اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں تسخیر کائنات کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ تم اس کائنات سے نکل کر کہیں نہیں جا سکتے، لہٰذا جب یہیں رہنا ہے تو اللہ کے اطاعت شعار بندے بن کر رہو۔ تاکہ تم خود بھی سکون و آرام کی زندگی بسر کر سکو اور دوسروں کو بھی تمہارے ہاتھوں تکلیف نہ پہنچے۔ اگر اس مفہوم کو سامنے رکھیں تو قرآن کریم کی حقانیت کی ایک واضح دلیل ہمیں مل جاتی ہے۔ وہ یہ کہ جس بات کو اب سے چودہ سو سال پہلے کہہ دیا گیا تھا کہ تم خدا کی خدائی سے نہیں نکل سکتے اس کو آج بھی تسلیم کرنے پر انسان مجبور ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ

پاک ہے وہ جس نے ہمارے لئے ان چیزوں کو مسخر کر دیا ورنہ ہم انہیں قابو میں لانے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔(۱)

۱۔ سورۂ زخرف آیت ۱۳۔

سنہ عیسوی کے ۱۴ سو ویں سال میں یونانی فلسفہ کی حیثیت متعین ہو گئی اور اس کے بعد سے سائنس کو لازمی طور پر دھندلکے اور بے قدری کی گہرائیوں میں ڈوب جانا پڑا۔ اس کے عوامی وجود کو آئندہ کے لئے ناقابل برداشت قرار دے دیا گیا۔ سچ پوچھئے تو اس کے بعد سے چند صدیوں تک کے لئے سائنس کلی طور پر گوشہ گمنامی میں چلی گئی۔ تعصب کی ضرب کاری نے یونانی فلسفہ کی نفاست سے تیار کی ہوئی دھات کو پارہ پارہ کر دیا۔ سرل (۱) کے قوانین بلا روک ٹوک پاس ہو گئے۔ اب یہ بات پوری طرح تسلیم کر لی گئی کہ آئندہ سے سلطنت روما میں آزادیٔ خیال نہ ہوگی۔ یہ پہلے ہی باور کرایا جا چکا تھا کہ "مختلف واقعات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ یونانی فلسفہ محض فریب ہے"۔ چنانچہ جیسے ہی اس کا اظہار ہوا دوسری فریب کاریوں کی طرح اس کو بھی دنیا سے نکال باہر کیا۔ جب تک اسکندریہ میں فاتحین کا تسلط قائم رہا اس طرح کے دعوے اس کے مقاصد کو پورا کرتے رہے۔ لیکن جب حامل قرآن لوگوں نے مصریوں (اسکندریہ) کی درخواست پر اس شہر پر قبضہ کیا، صریحی طور پر یہ دعوے کارآمد ثابت نہ ہو سکے۔ بہر حال وہاں ایک مذہبی جمود طاری ہو گیا اور ایک غیر مرئی جور و تعدی کی فضا پیدا ہو گئی تو جس چیز نے اس کو ابھارا تھا وہی اس کو کچل دینے پر آمادہ ہو گئی۔

۱۔ سرل اسکندریہ کا سینٹ تھا۔ وہ ۳۷۶ء میں پیدا ہوا اور ۴۴۴ء میں انتقال کر گیا۔ وہ ابتدائی دور کا رومن کیتھولک کلیسا کا عہدہ دار پادری تھا۔ گرجا کا پیشوا تھا اور ۴۱۲ء میں اسکندریہ کا اسقف اعظم بنا۔ اس نے تقلید پسندی کی شدت سے مدافعت کی۔ نسطوری فرقے کے عیسائیوں کو گرفتار کیا۔ اسکندریہ سے یہودیوں کو نکال باہر کیا۔ ۴۳۱ء میں اس نے ایفسوس کے مقام پر منعقد ہونے والی کونسل کی صدارت کی جس میں نسطور کو مرتد قرار دے دیا گیا اور صحرائے لیبیا کی جانب جلاوطن کر دیا گیا۔

اور اس طرح آئندہ دو بے کیف اور اداس سی صدیوں یعنی پانچویں، چھٹی صدیوں کے دوران واقعات اسی نہج پر چلتے رہے۔ یہاں تک کہ اس ظلم و تعدی اور قوت و اقتدار کو ایک بیرونی حملہ آور قوم یعنی حامل قرآن لوگوں نے ختم کر دیا۔ دنیا کے لئے اچھا ہی ہوا کہ عرب فاتحین اس سچے کلام یعنی قرآن پر ایمان لے آئے اور کسی مافوق البشر قسم کی عقل پر بھروسہ کرنے پر مصر نہیں ہوئے۔ اسی طرح ان حامل قرآن لوگوں کو تضادات میں ملوث ہوئے بغیر ہی حصول علم کے لئے آزادی نصیب ہوئی اور وہ اس قابل ہوئے کہ ایک مرتبہ پھر مصر کو دنیا کی قوموں میں زیادہ نمایاں کر سکے۔ اور اس خطرناک تشدّد، جہالت اور بربریت سے بچے رہے جس میں ان کے اسلاف غوطہ زن ہو چکے تھے۔

بحیرہ احمر کے ساحل پر سطح زمین کے ایک درجہ کی پیائش کرنا تھی اور اس کے سائز کا تعین کرنا تھا۔ لیکن یہ کام ایک مسلمان ہیت داں کے ذریعہ ہونا تھا۔ زمین کے سورج سے بعید ترین فاصلہ کی حرکت کی تحقیق کرنا ایک دوسرے مسلمان مسمّیٰ البیرونی کے ہاتھوں سے ہونا مقدر تھا۔ اور چاند کی تیسری عدم مساوات اور اس کے انحراف کے بارے میں معلومات ایک تیسرے مسلمان ابوالوفا کو کرنا تھا۔ ٹائیکو براہی سے چھ سو سال پہلے نیل کو بحیرہ احمر سے ملانے والی نہر کھودی جا چکی تھی۔ اور سرور آگیں صحرا نے راہب نیم شب کی بجائے عرب تاجر ساربان کی حدی کو سنا تھا۔

کیتھولکس کے غصہ کو بلاشبہ افریقہ کے وینڈال بادشاہوں کی جانب سے کیئے گئے ایرین قوم (۱) کے مظالم نے جائز طور پر بھڑکایا جس نے دیگر

ا۔ عیسائیوں کا ایک فرقہ جو حضرت عیسیٰ کی الوہیت کا قائل نہیں تھا۔ کچھ عرصہ سلطنت روما میں بھی یہ عقیدہ جاری رہا، لیکن چوتھی صدی عیسوی کے اختتام تک اس کا خاتمہ ہو گیا۔ البتہ قوطوں اور دیگر ٹیوٹن قبائل میں دو صدی بعد تک چلتا رہا۔

مظالم کے ساتھ ساتھ کچھ بشپوں کو خاموش کرنے کی سعی میں ان کی زبانیں کٹوا دی تھیں۔ افریقہ کی بازیافت کے لئے جسٹینین (۱) کی مہم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اس کے جنرل بیلی ساریس (۵۰۵ء / ۵۶۵ء) نے ۵۳۳ء کے موسم گرما کے وسط میں جہازوں سے سفر کیا اور نومبر تک اس نے ملک کی دوبارہ فتح کو مکمل کر لیا۔

یہ کام نہایت سرعت رفتار سے انجام پایا، لیکن اس کے بعد خطرناک حوادث ظہور پذیر ہوئے۔ اس لئے کہ اس میں اور جسٹینین کی طرف سے اطالوی جنگوں میں جو اسی طرح کٹر پادریوں کے حسب ایما لڑی گئیں، نسل انسانی محسوس طور پر سکڑ کر رہ گئی۔ یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ افریقہ کی مہم میں وہاں کے پچاس لاکھ آدمی کام آئے، اور یہ کہ قوطی جنگ کے بیس سالوں کے دوران اٹلی کے ڈیڑھ کروڑ انسان بھینٹ چڑھ گئے۔ اور یہ کہ جسٹینین کے دور حکومت، جنگوں، قحط اور وباؤں نے نوع بشر کو تقریباً دس کروڑ کی ناقابل یقین حد تک انسانی آبادی کو کم کر دیا۔

لہٰذا یہ امر قطعاً حیرت خیز نہیں کہ ایسی افسوس ناک حالت میں لوگوں کی یہ خواہش ہونے لگی کہ ان کو کوئی نجات دہندہ ملے اور مایوسی اور ناامیدی اس حد تک بڑھ گئی کہ انہیں اس بات کا بھی کوئی خیال نہیں تھا کہ وہ نجات دہندہ کون اور دنیا کے کس حصہ کا ہو۔ کلیسائی عصبیت اور بے جا طرف داری اپنا کام مکمل کر چکی تھی۔ ایرانی شہنشاہ خسرو دوم (خسرو پرویز ۵۹۰ء تا ۶۲۸ء) نے ۶۱۱ء میں اپنے حملے شروع کر دیئے۔ ایشیائے کوچک، شام اور مصر کے مظلوم فرقوں نے وہی کردار ادا کیا جو افریقہ کے ایرین فرقے نے وینڈال کے حملہ

۱۔ جسٹینین اول (۴۸۳ء۔ ۵۶۵ء) سلطنت روما کا شہنشاہ (۵۲۷ء۔ ۵۶۵ء) جس کے زمانہ میں سلطنت کی وسعت اور رومن لاء کی تکمیل ہوئی۔

کے وقت ادا کیا تھا۔ قدرتی طور پر انہوں نے سلطنتِ روما سے بے وفائی کی۔ مسلمہ عقائد کا کوئی ستم رسیدہ مخالف فرقہ اپنی تسکین خاطر کے لئے اپنے ذرائع کو کام میں لانے میں کبھی متامل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ متوقع تھا ایشیا کے شہر ایرانیوں کے قبضہ میں آتے چلے گئے۔ انہوں نے حملہ کر کے یروشلم کو فتح کر لیا اور اسی کے ساتھ حضرت عیسیٰؑ کی صلیب بھی اس کے قبضہ میں چلی گئی۔ نوّے ہزار عیسائی قتل ہوئے اور خود عیسائیت کے مولد و منشا میں عیسائیت کی جگہ مجوسیت نے لے لی۔ اس خطرناک واقعہ سے مذہبی امور کو جو صدمہ پہنچا اس کا اس وقت مشکل سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ قسطنطین کی فریب کاری کا تلخ ثمرہ حاصل ہوا۔ جس چوب مقدس نے دنیا کو اپنے معجز نما اثرات سے بھر دیا تھا اب ایک غیر مؤثر اور لاچار تلبیس ثابت ہوئی اور ملحدین اور کفر بکنے والوں کو ہنسی اڑانے کا کافی موقع ملا۔ ایشیائی اسقفوں کی روحانی قوتوں پر سے اعتماد قطعاً اٹھ گیا۔ ان میں سے کوئی ایک بھی انتہائی ضرورت کے موقع پر خود اپنی نجات کے لئے بھی کوئی عجوبہ نہ دکھا سکا۔ ایرانی حملہ آوروں نے حبشہ تک مصر کا سارا علاقہ روند ڈالا۔ ایسا معلوم ہونے لگا کہ کمبوجیہ کا دور پھر سے لوٹ آیا ہے۔ اسکندریہ کے اسقف اعظم نے اپنی سلامتی اسی میں سمجھی کہ وہ مذہبی رسوم یا عبادات پر بھروسہ کرنے کی بجائے قبرص کی جانب فرار ہو جائے۔ طرابلس کا شہرہ روی ساحل زیر ہو گیا۔ دس سال تک قسطنطنیہ کے عین مقابل ایرانی اپنی چھولداریاں دکھاتے رہے۔ ایک وقت تو ایسا بھی آیا کہ ہرقل نے اس شہر کو چھوڑ دینے اور قرطاجنہ کو سلطنتِ روما کا دارالحکومت بنانے کا ارادہ کر لیا، اس کے عزم و ارادہ کو اسقف اعظم، طبقہ امرا اور عوام کے گٹھ جوڑ نے پورا نہ ہونے دیا۔ اسقف اعظم نے اس کو ڈرایا کہ اگر اس نے ایسا کیا تو اس کو اپنے منصب سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ طبقہ امرا کو اس میں اپنی تباہی کے آثار دکھائی دئے اور عوام کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ وہ عطا و بخشش سے محروم ہو جائیں گے اور ان کے موجودہ ٹھاٹ

بات قائم نہیں رہیں گے۔ دوسرے تمام صوبوں کے مقابلہ میں افریقہ حقیقتاً زیادہ رومی تھا۔ یہ وہ علاقہ تھا جہاں لاطینی زبان کا رواج سب سے بعد تک رہا لیکن جب بدعتی فرقوں کے جذبۂ انتقام کی تسکین ہوگئی تو انہوں نے محسوس کیا کہ ہم نے صرف جابر کو تبدیل کیا ہے لیکن جبر و تشدد سے ہمیں نجات نہیں ملی۔ ان کی بے وفائی کی کیت میں تخفیف کا اظہار اس بات سے ہوگیا کہ جیسے ہی انہوں نے ہرقل کی مدد کرنے کا فیصلہ کیا، انہوں نے بڑی آسانی سے ایرانیوں کو نکال باہر کیا۔

ان کامیابیوں کے بعد جو کچھ ہوا وہ محض بیکار رہا اس لئے کہ جب حقیقی صلیب بیت المقدس میں حال کر دی گئی تو طلسم ٹوٹ گیا۔ مجوسیوں کی آگ قسطنطین اور ہیلینا کی ہیکل کو جلا کر راکھ کر چکی تھی۔ تین صدیوں کے جمع شدہ قیمتی تبرکات ایرانیوں اور یہودیوں کے قبضہ میں جا چکے تھے۔ پھر کبھی یہ ممکن نہ ہو سکا کہ کرۂ ارض پر ایمان و عقیدہ کی وہ شمع روشن ہوتی۔ بدعقیدگی کا دور دورہ شروع ہوگیا۔ ایشیا اور افریقہ پہلے ہی اخلاقی طور پر دیوالیہ ہو چکے تھے۔ عربی شمشیر نے جلد ہی باقی ماندہ مدھن کو بھی کاٹ ڈالا۔

جسٹنین کے مرنے کے چار سال بعد ۵۶۹ء میں عرب کے شہر مکہ میں اس انسان کی ولادت جس نے نسل انسانی پر تمام انسانوں سے زیادہ اپنا اثر ڈالا۔ یہ ہستی حضرت محمد ﷺ کی تھی۔ اس نے اپنی قوم کو جاہلیت و بربریت کی سطح اور بدترین قسم کی اصنام پرستی کے درجہ سے اٹھا کر توحید پرستی کی منزل پر پہنچا دیا۔ جس نے عیسائیوں کے ایرین اور کیتھولک فرقوں کے بیکار کے جھگڑوں کو نہایت سرعت سے ختم کر دیا۔ اور عیسائی دنیا کے آدھے سے زیادہ مقبوضات کو اس طرح چھین لیا کہ وہ پھر ان کے قبضہ میں "نہ" جا سکے۔ اور یہ اس کے مقبوضات کا بہترین نصف حصہ تھا۔ اس لئے کہ اس میں وہ مقدس سرزمین شامل تھی جو ہمارے مذہب کی جنم بھومی ہے اور افریقہ کے وہ علاقے تھے

جنہوں نے اس برّاعظم کو لاطینی شکل دی تھی۔ وہ برّاعظم اور ایشیا کا بہت بڑا حصہ ایک ہزار سال سے زیادہ مدّت گزر جانے کے بعد ابھی تک مستقل طور پر قرآنی عقیدہ سے وابستہ ہیں۔ بڑی مشکل سے اور گویا معجزانہ طور پر یورپ خود اس سے بچ گیا ہے۔

حضرت محمد ﷺ ان اوصاف سے مجموعی طور پر متصف تھے جنہوں نے بارہا سلطنتوں کی قسمت کا فیصلہ کیا ہے۔ ایک مبلّغ سپاہی۔ آپ ﷺ منبر پر ایک خطیب تھے اور میدان جنگ میں شجاع۔ آپ ﷺ کی دینی تعلیم سادہ تھی۔ یعنی "معبود صرف ایک ہے" اس دائمی سچائی پر پختہ یقین کرتے ہوئے آپ ﷺ نے خود کو مابعد طبیعیاتی مسائل میں نہیں الجھایا۔ بلکہ ذاتی صفائی پسندی، سنجیدگی، متانت اور صوم صلوٰۃ کے قواعد و ضوابط کے ذریعہ لوگوں کی معاشرتی حالت کی اصلاح پر اپنی توجہ کو مرکوز کر دیا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ ﷺ نے خیرات اور انفاق فی سبیل اللہ کو بے حد اہمیت دی جس کی طرف کچھ عرصہ سے دنیا نے بیگانہ روی اختیار کر لی تھی۔ آپ ﷺ نے مختلف عقائد کے لوگوں کی نجات کو مانا بشرطیکہ وہ نیکوکار اور صالح ہوں۔ اس اعلان کے ساتھ "لا الہ الا اللہ" (کوئی نہیں معبود اللہ کے سوا) آپ ﷺ نے اس فقرہ "محمد رسول اللہ" (محمد ﷺ اس کے رسول ہیں) کے اضافہ سے مکمل کر دیا۔ جو شخص یہ جاننا چاہے کہ آپ ﷺ کے اس جرأت مندانہ اعلان کا کیا ردعمل ہوا۔ اس کے لئے بہتر ہوگا کہ وہ ہمارے اپنے زمانہ میں دنیا کے نقشے کا جائزہ لے۔ اس کو پتہ چل جائے گا کہ اس میں فریب کاری سے ہٹ کر کسی اور شئے کی علامات موجود ہیں۔ کئی سلطنتوں کے دینی سربراہ ہونے اور ایک تہائی نسل انسانی کی معمولاتِ زندگی میں رہبری کرنے سے اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول تھے۔

ان یہودیوں پر جو حضرت عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے لعنت بھیجنے

ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے مشرقی کلیساؤں کو بھی ان کے مت پرستانہ رسوم و رواج کی نہایت سخت الفاظ میں مذمت کی۔ قرآن کریم اس طرح کی تنبیہات سے بھرا ہوا ہے۔

اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ ۫ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ۚ وَ لَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ

مسیح عیسیٰ بن مریم کوئی چیز بھی نہیں ہیں، مگر اللہ کے رسول اور اللہ کا ایک کلمہ اور بس، اللہ ہی نے ان کو مریم تک پہنچایا ہے۔ اور وہ اللہ ہی کی طرف سے ایک جان ہیں، سو اللہ اور اس کے سب رسولوں کی طرف ایمان لاؤ اور یوں مت کہو کہ تین ہیں، اس سے باز آجاؤ تمہارے لئے یہی بہتر ہے، حقیقی معبود تو ایک ہی معبود ہے، وہ اولاد والا نہیں ہے، وہ اس سے پاک ہے اور بالاتر ہے۔ (۱)

حضرت محمد ﷺ نے اللہ کی نوعیت سے متعلق تمام مابعد الطبیعیات تصورات کو ناپسند کیا اور بہ نظر حقارت دیکھا ہے۔ آپ ﷺ نے پاک دامنی کی انتہائی قدر کے اصول مجرّد رہنے کو مسترد کر دیا ہے اور حتمی طور پر فرمادیا ہے کہ شادی انسان کا فطری تقاضا ہے۔

اس جہاں میں اکثر و بیشتر کامیابی کو حق کا معیار سمجھا جاتا ہے۔ مسلمان آپ ﷺ کی حیات طیبہ کی عظمت اور تیز رفتاری کو آپ ﷺ کے مبلغ کے دینی مشن کا ایک ثبوت قرار دیتا ہے۔ تاہم فلسفی کو جو نسلِ انسانی کے اتنے بڑے

۱۔ سورۃ نساء آیت ۱۷۱

حصہ کے دین و عقیدہ کے بارے میں نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ گفتگو کرنے کا خواہش مند ہو اس بات کی اجازت دی جا سکتی ہے کہ وہ اس چیز کا پتہ لگائے کہ وہ ثانوی اسباب کیا تھے جن کی وجہ سے اس قدر عظیم سیاسی نتیجہ برآمد ہوا۔ اس کے انتہائی شاندار مراکز سے عیسائیت ہمیشہ کے لئے خارج کر دی گئی۔ مثلاً فلسطین سے جو اپنی سب سے زیادہ مقدس یادگاروں کا مقام ہے ایشیائے کوچک سے جہاں اولین گرجے قائم ہوئے۔ مصر سے جہاں تثلیثی راسخ العقیدگی کے عظیم اصول کا سلسلہ شروع ہوا۔ قرطاجنہ سے جس نے اپنے عقیدہ کو یورپ پر مسلط کیا۔

یہ خیال قطعاً غلط ہے کہ عربوں کی ترقی تلوار کی رہین منت ہے۔ تلوار کسی قوم کے تسلیم شدہ مسلک کو تبدیل کر سکتی ہے لیکن انسان کے ضمیر کو متاثر نہیں کر سکتی۔ اگرچہ اس کی دلیل نہایت مستحکم و غامض ہے لیکن اس سے بھی کہیں زیادہ غامض شے اس سے پہلے درکار تھی۔ جب اسلام ایشیا اور افریقہ کی گھریلو زندگی پر چھا گیا، نیز اس سے پہلے جب عربی اتنی بہت سی مختلف اقوام کی زبان بنی۔

اس سیاسی مسئلہ کی ایک توجیہ مفتوحہ ممالک کی معاشرتی حالت میں ملتی ہے۔ ان ممالک میں مذہبی اثرات بہت عرصہ پہلے ختم ہو چکے تھے۔ اس کی جگہ دینیات نے لے لی تھی۔ ایک ایسی دینیات جو اس حد تک ناقابل فہم تھی کہ یونانی زبان کی حیرت خیز صلاحیتیں بھی اس کی دقیقہ سنجیوں سے مشکل عہدہ برا ہو سکتی تھی۔

لاطینی اور بربری بولیوں کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں یہ کیسے ممکن تھا کہ ناخواندہ لوگ جو معمولی معمولی باتوں کو مشکل سے سمجھ پاتے تھے اس طرح کے دقیق مسائل کو سمجھ لیتے۔ تاہم انہیں یہ بتایا گیا تھا کہ ان اصولوں پر عمل پیرا ہونے نہ ہونے پر نسل انسانی کی نجات یا عذاب دائمی کا انحصار ہے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ اہل کلیسا نے تمام لوگوں کی انفرادی

زندگی میں رہبری کو چھوڑ دیا تھا۔ ذاتی نیکی یا بدی کا اب کوئی لحاظ نہ رکھا جاتا تھا۔ اور گناہ کو ناپنے کا پیمانہ برے کاموں کو قرار نہیں دیا جاتا تھا، بلکہ یہ دیکھا جاتا تھا کہ عیسائیت کے مسلمہ عقائد کی کس حد تک خلاف ورزی کی جاتی ہے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ روم، قسطنطنیہ اور اسکندریہ کے کلیساؤں سے متعلق پیشوایان مذہب اپنی برتری قائم کرنے کے لئے دست وگریباں ہو رہے ہیں۔ اپنے مقصد کے حصول کے لئے ہتھیاروں تک کے استعمال سے نہیں چُوکتے اور ضمیر انسانی کے خلاف جو طریقے ہو سکتے ہیں وہ اختیار کر لیتے ہیں۔ جب پادری حضرات ہی قتل و خون ریزیوں، بدکاریوں، جعلسازیوں، فساد انگیزیوں، سازشوں اور خانہ جنگیوں میں مبتلا ہوں۔ جب بطریق اور اسقف دینوی اقتدار کے حصول کے لئے مسابقت میں ایک دوسرے کو مساوی حقوق سے محروم کرنے میں لگے ہوئے ہوں۔ خواجہ سراؤں کو رشوت میں زرومال دیتے ہوں۔ بیواؤں اور خواتین شاہی کو اسقفی محبت کی مراعات سے نوازتے ہوں۔ اور اس بات کے ساتھ کہ ہمارا فرمان حکم خداوندی کے مترادف ہے۔ اسمبلی کے فیصلوں کو متاثر کرتے ہوں۔ جو ان گھٹیا قسم کی سازشوں اور عیاریوں سے جاری ہوتے ہوں۔ جو فتنہ پرور خطیب اپنی خود ساختہ اسمبلیوں میں انہیں فراہم کرتے ہوں۔ جو راہبوں کے جم غفیر کے درمیان شاہی فوجوں میں خوف وہراس پیدا کرتے، بڑے شہروں میں بلوے کراتے اور مذہبی عقیدوں کے لئے نہایت خوفناک قسم کے نعرے لگاتے ہوں لیکن انسان کے پامال شدہ حقوق کی حالی کے لئے کبھی کوئی آواز بلند نہ کرتے ہوں۔ ان حالات میں عوام کے قلوب میں نفرت یا لاتعلقی کے جذبات پیدا ہونے کے سوا اور کیا نتیجہ برآمد ہو سکتا تھا۔ اگر ضرورت پیش آتی تو لوگوں سے یقیناً یہ توقع نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ ایک ایسے نظام کو پروان چڑھانے میں مدد دیں۔ گے جس کا غلبہ ان کے قلوب سے بالکل ختم ہو چکا تھا۔

لہٰذا جب مختلف فرقوں میں تلخی شروع ہوئی تو ایرین، نسطوری، یونی یسن مونو تھل کی ناقابلِ فہم جھک جھک بک بک اور لاتعداد جھگڑالو قسم کی جماعتوں کی مزاحمت میں کونسل کی سازشی اکثریت کی نحیف آواز دب کر رہ جاتی تھی اور ایک خطرناک قسم کے جنگی نعرے گونجتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔

لا الہ الا اللہ ...... جب مسلمان افواج نے یہ نعرہ بلند کیا تو اس پر کوئی حیرت نہ ہونی چاہئے کہ اس کے نیچے سارا شور و غوغا دب کر رہ گیا۔ عام حالات میں حب الوطنی دین کے تابع ہوتی ہے۔ لیکن اس زمانہ میں یہ جذبہ بالکل سرد پڑ گیا تھا۔

حضرت محمد ﷺ کی تدفین عمل میں آئی ہی تھی کہ آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین نے حدود عرب سے باہر پھیلنا شروع کر دیا۔ نبی کریم ﷺ نے خود ہی سلطنتِ روما کے خلاف اعلان جنگ فرمایا تھا اور آپ ﷺ کی قیادت میں دمشق کی جانب پیش قدمی بھی ہو گئی تھی۔ لیکن صحت کی کمزوری کے باعث آپ ﷺ کا مقصد پورا نہ ہو سکا اور آپ ﷺ کے جانشین خلیفہ اول حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو رومیوں اور ایرانیوں دونوں سے جنگ کرنا پڑی۔ فتح مصر ۶۳۸ء میں ہوئی جب عربوں کو قبطیوں نے حملہ کی دعوت دی۔ چند ہی مہینے گزرے تھے کہ مسلمان سالار حضرت عمرو بن العاصؓ نے خلیفۃ المسلمین کو لکھا۔ "میں نے مغرب کے عظیم شہر اسکندریہ پر قبضہ کر لیا ہے"۔ پھر مصر کی مکمل تسخیر عمل میں آئی۔ لیکن اس کے بعد بھی افریقہ کے ان علاقوں پر جہاں عیسائیوں کا تسلط تھا کئی حملوں کی ضرورت پڑی۔ سالار فوج اور گورنر مصر عبداللہؓ (بن سعد ابی سرح) نے نو سو میل تک نفوذ کر کے طرابلس الغرب پر قبضہ کر لیا۔ لیکن فتح کے بعد وہ لوٹ آئے آئندہ بیس سال تک باہمی تنازعات کی وجہ سے جو منصب خلافت کے لئے جانشینی کے سلسلہ میں اٹھ کھڑے ہوئے تھے، کوئی کارروائی نہ کی جا سکی۔ پھر حضرت معاویہؓ نے اپنے ماتحت جنرل

حضرت عقبہؓ بن نافع کو بھیجا جو بڑھتے ہوئے بحر ظلمات تک پہنچ گئے تھے۔ لیکن اس وسیع علاقہ کو مستقل طور پر وہ اپنے قبضہ میں نہ رکھ سکے۔ جس کی وجہ سے پچھلے اموی خلیفہ عبدالملکؒ بن مروان کو فوجی کارروائی کرنی پڑی اور ۶۹۸ء میں ان کے ماتحت ایک افسر حسن نے قرطاجنہ پر قبضہ کر لیا۔ مگر اس فتح کی تکمیل موسیٰ بن نصیر کے ہاتھوں انجام پائی جو اپنی دوہری خوبی کی بناء پر نہایت ممتاز تھے۔ ایک طرف وہ ایک بہادر سپاہی تھے اور دوسری طرف ایک فصیح و بلیغ خطیب، اور اس طرح یہ علاقہ جو اپنی دینی فراست کے لئے ایک امتیازی درجہ رکھتا تھا اور جس کے لئے جدید یورپ بہت کچھ اس کا رہینِ منت ہے، تلوار کے ذریعہ ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا گیا۔

اس سیاسی عمل کے نتیجہ میں، یعنی افریقہ پر عربوں کا قبضہ ہو جانے سے۔ جس چیز نے ونیڈال قوم کے حملہ کو ایسا تباہ کن ثابت کیا تھا وہی فتح امن کا اول خیمہ بنی۔ مصر میں آباد یونانی قوم مذہب کے معاملہ میں راسخ العقیدہ تھی۔ وہ اپنی قوم کے جبر و استبداد کو گوارا کرنے کی جائے عربوں کے مذہب توحید کو قبول کرنے پر آمادہ ہوگئی، عربوں نے اپنی تشکیل نو کی پالیسی کو جاری رکھتے ہوئے اسکندریہ کی مورچہ بندی کو ختم کر دیا اور اس طرح اس شہر کی سیکی طرز پر سیاسی حالت جس کی وجہ سے وہ شہر سازشوں اور تشدد کی بناء پر ہمیشہ زیر و زبر رہتا تھا۔ عربوں کے قبضہ کے بعد باقی نہ رہی۔ تقریباً ایک ہی نسل گزرنے پائی تھی کہ شمالی افریقہ کے تمام تر عربی زبان بولنے لگے۔

حضرت ابوبکرؓ کے دورِ خلافت میں اور حضرت محمد ﷺ کی رحلت کے بعد بارہ سال کے اندر اندر عربوں کے قبضہ میں فارس، شام اور افریقہ کے چھتیس ہزار سے زیادہ شہر، قصبے اور قلعے آگئے، چند ہی سال میں انہوں نے قرآن کریم کی حکمرانی کو مشرق و مغرب میں ایک ہزار میل تک وسیع کر دیا۔ افریقہ کی طرح شام میں بھی ان کی ابتدائی دور کی کامیابیاں نہایت مؤثر طریقہ پر

ظاہر ہوئیں۔ دمشق ایک سال کے محاصرہ کے بعد فتح کر لیا گیا۔ ۶۳۳ء میں اجنادین کی جنگ میں حضرت خالدؓ سیف اللہ نے ہر قل کی فوج کو شکست دی۔ رومیوں کے پچاس ہزار آدمی کام آئے، اور اس کے بعد بڑے بڑے شہر مثلاً یروشلم انطاکیہ، حلب، ٹائر، طرابلس، (الشرق) وغیرہ فتح ہوگئے۔ خلیفہ حضرت عمرؓ یروشلم کو باقاعدہ طور پر قبضہ میں لینے کے لئے مدینہ سے ایک سرخ اونٹ پر سوار ہو کر اس طرح تشریف لائے کہ اس پر ایک تھیلا ستوؤں کا اور ایک کھجوروں کا لدا ہوا تھا۔ لکڑی کی ایک رکابی اور چڑے کا ایک مشکیزہ آپؓ کے پاس تھا۔ آپؓ عیسائی بطریق سوفرون کے ساتھ سوار ہو کر اس مقدس شہر میں داخل ہوئے۔

ملک شام کی فتح اور جیرۂ روم کے بندرگاہوں پر قبضہ کی وجہ سے عربوں کو سمندر پر بھی اقتدار حاصل ہو گیا۔ جلد ہی ان کے قبضہ میں رھوڈ س اور قبرص کے جزیرے بھی آگئے۔ قادسیہ کی جنگ اور طیسفون (مدائین) کی جو ایران کا دار الحکومت تھا راہی نے اس سلطنت کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کے زمانہ میں شام پر مکمل قبضہ ہو گیا۔

یہ الزام قطعاً غلط ہے کہ مسلمانوں نے اسکندریہ کا کتب خانہ جلایا۔ حقیقت یہ ہے کہ عظیم بطلوسی کتب خانہ کو تو ۴۸ ق۔م میں جولیس سیزر پہلے ہی نذر آتش کر چکا تھا۔ اور بعد میں اس کتب خانہ کو جس کا حوالہ "دفتر کتب خانہ" کے نام سے دیا جاتا ہے تقریباً ۳۸۹ء میں ایک فرمان کے ذریعہ شہنشاہ تھیوڈوسیس نے تباہ کرا دیا تھا۔ لہٰذا عربوں کے حملہ کے وقت اسکندریہ میں کوئی کتب خانہ موجود نہ تھا۔ جس کو عرب جلاتے۔

اسلامی تعلیمات کی رو سے "عالم کے قلم کی سیاہی شہید کے خون کے برابر قیمتی ہے"۔ دنیا صرف چار چیزوں سے قائم ہے۔"۱۔ صاحب فراست کی علمیت، ۲۔ صاحب اقتدار کے عدل، ۳۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ۴۔ بہادر کی

شہادت و شجاعت۔"

حضرت محمد ﷺ کی رحلت کے بعد پچیس سال کے اندر اندر چوتھے خلیفہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیرِ نگرانی علم کی سرپرستی اسلامی نظام کا ایک مستقل اور طے شدہ اصول بن گئی، خلفائے بغداد کے زیرِ سرپرستی اس اصول پر پوری طرح عمل درآمد ہوا۔ جعفر المنصور کے دربار میں ریاضی، فلکیات، طب اور عام ادب کے بانی اور ماہرین بھرے پڑے تھے۔ خلیفہ ہر مذہب و ملت کے مفکرین کی یکساں طور پر پذیرائی کرتا اور انھیں ہر طرح کا تحفظ دیتا تھا۔ اس کے جانشین ہارون الرشید کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ کبھی سفر نہیں کرتا تھا۔ جب تک کہ اس کے جلو میں سو علماء نہیں ہوتے تھے۔ اس عظیم فرماں روا نے ایک فرمان جاری کیا تھا کہ کوئی مسجد بھی تعمیر نہ کی جانی چاہئے جب تک اس سے ملحق ایک مدرسہ نہ ہو۔ یہی وہ خلیفہ تھا جس نے اپنے مدرسہ کی نگہداشت ایک نسطوری راہب کو تفویض کر دی تھی۔ اس کے جانشین مامون کی تربیت لائق ترین ریاضی دانوں، فلاسفہ اور اطباء نے کی تھی۔ وہ زندگی بھر اس کے رفیق رہے، ان فرماں رواؤں نے برابر کتب خانے قائم کئے اور مخطوطات کی فراہمی اور ان کے نقل کئے جانے کے کام کا باقاعدہ انتظام کیا۔ تمام بڑے شہروں میں مدارس کی کثرت تھی۔ اسکندریہ میں بیس سے کم مدرسے نہیں تھے۔ جیسی کہ توقع ہو سکتی تھی، یہ کام متعصب پرانی جماعت کے غصہ اور طیش کو بھڑکائے بغیر انجام نہیں دیا جاسکتا تھا۔ انہوں نے نہ صرف اعتراضات کئے بلکہ اس کو عذابِ خداوندی کا موجب قرار دیا۔ اس لئے کہ اپنے اس عمل سے وہ لوگوں کے عقیدہ کو متزلزل کر رہا تھا۔ بہر حال جو چیز اس طرح ایک گہری پالیسی کے طور پر شروع کی گئی تھی اس نے جلدی ہی ایک عادت کی شکل اختیار کر لی اور یہ بات مشاہدہ میں آتی رہی کہ جب کبھی کوئی امیر خود کو آزاد کرنے کا منصوبہ بناتا تھا تو وہ فوری طور پر اکادمیاں قائم کر دیتا تھا۔

عربوں سے ہمیں قومی زندگی کی سلسلہ وار شکلوں کی ایک نمایاں مثال ملتی ہے۔ وہ ہمیں عقیدت سے سرشار دکھائی دیتے ہیں۔ اور اس کا دور خوش اعتقادی کا دور معلوم ہوتا ہے۔

وہ چھان بین کے ایک دور سے گزرتے ہیں، محمد ﷺ کی بعثت کے امکان پر غور کرتے ہیں۔ اس کے بعد ان کا ایمان و یقین کا دور آتا ہے۔ جو نہایت تیزی سے ان کو قرب وجوار کے ممالک میں پھیلنے کا موقع دیتا ہے۔ آخر میں ان کا دور پختگی آتا ہے۔ ان کی نقل وحرکت کی نمایاں خصوصیت وہ سُرعت و تیزی ہے جس سے وہ ان سلسلہ وار کیفیات سے ہو کر گزرے اور ایک نمایاں خصوصیت ان کی قومی زندگی کی تیزی اور شدت بن گئی۔

سالہا سال سے وہ ٹیکس جو قسطنطنیہ کے شہنشاہ اپنی ایشیا اور افریقہ کی رعایا پر لگاتے تھے، نہ صرف بہت زیادہ اور استحصالی رہا بلکہ ساتھ ہی انتہائی پیچیدہ بھی بنا رہا۔ اس کی جگہ خلفاء نے ایک سادہ سا اور بالکل واضح خراج عائد کر دیا۔ جس کی مقدار کہیں کم تھی۔ چنانچہ، قبرص کے ہی معاملہ میں خلیفہ کو جو رقم ادا کی جاتی تھی وہ اس کا محض نصف تھی، جو شہنشاہ کو دی جاتی تھی اور حقیقت یہ ہے کہ نیچے طبقہ نے کبھی بھی فتح کی تلخی کو محسوس نہیں کیا۔ جہلا کی نظر میں طریقوں اور بشپوں کی تنظیم ان کی اپنی بے بسی کے سبب سے تھی۔ فاتح کو جو رقم ادا کی جاتی تھی اس کے لئے وہ ان کی عبادت کے تحفظ کی مکمل ذمہ داری لیتا تھا۔ جنگی ادائیگی کی جاتی تھی اسی کے مساوی معاوضہ ملتا تھا۔ اس انتہائی دیانت داری کی متعدد مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں، جس کا اظہار عرب سپہ سالاروں نے معاہدہ کے مطابق کیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے مقام رفع عیسیٰ کے گرجا کی سیڑھیوں پر جو مثال قائم کی تھی اس کی پیروی حضرت معاویہؓ نے بھی کی۔ انہوں نے اپنی عیسائی رعایا کے لئے واقعی گرجا کی تعمیر نو کرائی۔ عبدالملک نے بھی اسی پر عمل کیا۔ چنانچہ جب اس نے دمشق کے ایک گرجا کو مسجد کی شکل میں

بدلنا چاہا تو بعد میں یہ معلوم ہونے پر ایسا کرنے سے باز رہا کہ اگر فتح کے جوش میں ایسا ہو گیا ہو تو معاہدہ کی رو سے عیسائی اس کے مستحق ہوں گے۔ جب عربوں پر قرآنی اثرات پڑے تو جن اصولوں پر انہیں انحصار کرنا پڑا وہ اور بھی زیادہ مستحکم ثابت ہوئے۔ وہ ایک علمی قوم بن گئے۔ حضرت محمد ﷺ کے داماد حضرت علیؓ خلیفہ چہارم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے خود کو حصولِ علم کے لئے وقف کر دیا تھا۔ ان کے اقوال میں بعض یہ ہیں۔

"علم میں تبحر انسان کا سب سے بڑا اعزاز ہے"

"جو شخص خود کو علم کے لئے وقف کر دے وہ کبھی نہیں مرتا۔"

"انسان کا سب سے بڑا جوہر تبحر علمی ہے۔"

جب فرماں روانے اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا تو ناممکن تھا کہ غیر متشدد پالیسی کا غلبہ ہوتا۔

اس طرح عرب کا ہلالی شکل کا طیف شمالی افریقہ پر چھا گیا۔ جس کا ایک سرا باسفورس تک پہنچتا تھا اور دوسرا سرا کوہ پر تیز کے بھی پار چشم نمائی کرتا تھا۔ ایک دفعہ تو ایسا نظر آنے لگا کہ یہ شہاب بڑھ کر تمام یورپ کا احاطہ کرلے گا۔

عیسائیت کے قبضہ سے بہت سے وہ دل چسپ ممالک ہمیشہ کے لئے نکل گئے جہاں کسی وقت میں اس کا اثر پھیلا ہوا تھا۔ جیسے افریقہ، مصر، شام، سر زمینِ مقدس، ایشیائے کوچک اور ہسپانیہ۔ آخر میں یہ بھی ہونا تھا کہ اسی طرح وہ اپنا مشرق کا دارالحکومت یعنی مدینہ قیصر بھی کھو بیٹھے۔ ان قدیم اور ممتاز علاقوں کے بدلہ میں وہ (عیسائیت) پیچھے کی طرف سرک کر غالیہ (فرانس) جرمنی، برطانیہ اور اسکینڈی نیویا میں پھیلنے لگی۔ ان وحشی ممالک میں عظیم دارالحکومتوں اور کلیسائیت کی تاریخ میں ممتاز شہروں کی بدل کون سی چیزیں ہو سکتی تھیں۔ یہ کھوئے ہوئے مقامات نسلِ انسانی کے ریکارڈ میں ہمیشہ سے امتیازی درجہ حاصل کئے ہوئے تھے۔

برطانوی ایسوسی ایشن برائے ترقی سائنس

کا اعتراف

﴿۱﴾...... عربی اثر خود کو افریقہ، فرانس اور یورپ پر فوجی کامیابیوں کے ذریعہ اس طرح قائم کر رہا تھا کہ اس کی وجہ سے قسطنطنیہ تک اس سے خائف تھا۔ اس کا انحصار در اصل ہماری ذہنی بنیادوں پر تھا۔ ضروری ہے کہ ہم اس کی قدر و قیمت کو سمجھیں۔ قرآن کریم نے جو اس کی بنیاد ہے ہماری نسل کے انسانوں کے شدنی امور کو بڑی حد تک متاثر کیا ہے۔

﴿۲﴾...... اس کتاب کے اس دعویٰ پر غور کرتے ہوئے کہ اس کو بالواسطہ طور پر خود خدا نے نازل فرمایا ہے، ہم جا طور پر یہ توقع کر سکتے ہیں کہ اس کو ہر اس معیار پر جانچا جا سکتا ہے جو انسان قائم کر سکتا ہے اور وہ انسانی تنقید کی سخت آزمائش میں بھی اپنی حقانیت اور برتری کو منوا سکتا ہے۔ لہٰذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اس کی عالمگیریت، جامعیت، کاملیت اور یک رنگی کو دیکھیں اور پرکھیں۔

﴿۳﴾...... ہم جا طور پر توقع کر سکتے ہیں کہ قرآن ہمارے سامنے قدرت کے مقرر کردہ اصولوں اور اس دنیا کی جس میں ہمارا قیام ہے حالت کی تشریح کرے اور ہمیں جن مادی یا روحانی امور دنیوی سے واسطہ ہے ان کے مقابلے میں انسانی عقل و دانش کے نتیجہ میں منصۂ شہود پر آنے والے معروف تخلیقات کو حقیر ثابت کر دکھائے اور یہ جتا دے کہ کائنات کا عظیم الشان نظام

اور زمین پر دکھائی جانے والی حسین جان دار شکلیں، انسان کی ایجادات و اختراعات سے بدرجہا بر تر و بالا ہیں۔ اور اس وضاحت سے کہیں زیادہ وہ بلند درجہ رکھتی ہیں۔ جو ہندوستان کے رشی، منی، یا یونان کے فلسفی نظام قدرت کی ابتداء اور کائنات کے انجام کے بارے میں لکھ گئے ہیں۔ قرآن میں جو عظیم تصور پیش کیا گیا ہے اور جو عمدہ طرز ادا اختیار کی گئی ہے، اس کا اس مضمون کی بڑائی سے ہم آہنگ ہونا ضروری ہے۔ جس سے ان چیزوں کا تعلق ہے۔

﴿۴﴾...... یہ کہ قرآن اس بات کی وضاحت کرے کہ اس دنیا میں جس کا خالق قادر مطلق تمام ترخیر ہے، شر کا وجود کیوں اور کیسے ہے۔

﴿۵﴾...... یہ ہمارے سامنے اس امر کی تشریح کرے کہ کن باتوں میں انسان کے اعمال تقدیر کے تابع ہیں اور کن باتوں میں وہ آزاد ہے۔

﴿۶﴾...... یہ کہ قرآن ہمیں واضح طور پر اور غیر مبہم الفاظ میں بتائے کہ!

(الف) خدا کیا ہے؟

(ب) دنیا کیا ہے؟

(ج) روح کیا ہے؟

(د) اور یہ کہ کیا انسان کو حق و صداقت کا کوئی معیار معلوم ہو سکتا ہے؟

﴿۷﴾...... یہ کہ اس سے ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ ہم کہاں سے آئے ہیں۔ یہاں ہمارے وجود کے تسلسل کا مقصد کیا ہے اور اس کے ساتھ ہمارا کیا معاملہ ہونے والا ہے۔ اور ایک ایسا تحریری کام ہونے کی وجہ سے جو اپنا مبداء ربانی ہونے کا مدعی ہے۔ یہ خود کو ان لوگوں کی طبیعت کے موافق بھی بنالیتا ہے جو اس کو قبول کرنے میں کراہیت محسوس کرتے ہیں اور اس کی داخلی شہادتیں اتنی ہی مضبوط و مستحکم ہوتی جاتی ہیں جتنی اس کو جانچنے میں سختی

برتی جاتی ہے۔

﴿۸﴾..... یہ کہ قرآن ان امور سے بھی بحث کرتا ہے جن کا بڑھتی ہوئی معلومات کی روشنی میں مظاہرہ کیا جاسکتا ہے اور انسان کی حکمت و فراست اس میں سے آئندہ رونما ہونے والے نتائج کو پہلے ہی سے پالیتا ہے۔

﴿۹﴾..... ایک ایسا شاہکار جس کا مبداء اتنی عظمت کا حامل ہو، لازماً قدرتی فلسفہ کا منکر نہیں ہو سکتا۔ لہذا اس کی جانچ پرکھ مخالفت کے طور پر نہیں بلکہ اس کے بہترین سہارے کے ہونا چاہیے۔ جیسے جیسے زمانہ گزرتا جاتا اور انسانی علوم یقینی اور جامع ہوتا جاتا ہے ویسے ویسے اس کے نتائج اس علم کی موافقت اختیار کرتے جاتے ہیں۔

﴿۱۰﴾..... جب کوئی موقع پیش آئے تو قرآن کم از کم ان عظیم صداقتوں کو ہمارے لئے مہیا کردے جن کا پتہ علم ہیئت اور ارضیات نے لگایا ہے تاکہ وہ قدیم ادوار کی ان گھڑی داستانوں کی تائید کرے جو انسان کے اپنے عالم طفولیت کی اختراعات ہیں۔

﴿۱۱﴾..... قرآن ہمیں بتائے کہ کس طرح سورج اور دنیائیں خلا میں بکھری پڑی ہیں۔ اور لامحدود زمانہ کے دوران وہ ایک تسلسل کے ساتھ کس طرح وجود میں آئی ہیں۔

﴿۱۲﴾..... قرآن یہ بھی بتائے کہ کس حد تک خدا کی پیدا کی ہوئی دنیا ئیں قدرت کے مقررہ اصولوں کے مطابق ہو رہی ہیں اور وہ کون سا نقطہ ہے جہاں سے وہ اپنی مشیت اور اپنی بااختیار مرضی کے مطابق کام لیتا ہے۔

﴿۱۳﴾..... اس شاندار کائنات کا کتنا مبہم بالشان تذکرہ قادر مطلق کے ہاتھوں تحریر ہوا ہے۔

﴿۱۴﴾..... انسان کے بارے میں قرآن دوسری ذی حیات

مخلوقات کے ساتھ اس کے تعلقات کا تعین کرے۔ ان مخلوقات اور اشیاء کے درمیان اس کا صحیح مقام بتائے اور اس کے حقوق اور ذمہ داریوں کو متعین کرے۔

﴿۱۵﴾...... قرآن انسانوں کو اپنے راستہ کی تلاش میں یونانی فلسفہ کے شائبوں کے درمیان ٹامک ٹوئیاں مارنے اور بالآخر حق و صداقت کو کھو دینے کے لئے نہ چھوڑ دے بلکہ وہ اس کو (انسان کو) بتائے کہ حقیقی علم کن باتوں پر مشتمل ہے جن میں عضویات کا علم، طبعی قوت اور خود ہمارے زمانہ کی بہتری کے سامان کی پہلے سے نشاندہی کی جائے یہی نہیں بلکہ ہمارے فائدہ کے لئے وہ امور بھی بتائے جائیں جن سے ہم ابھی تک ناواقف ہیں۔

اتنے سارے اور ایسے مہتم بالشان معاملات کی بحث ایک ایسے کلام کے دائرہ اختیار سے باہر نہیں ہے جو ایسے علم حضوری پر مشتمل ہو، ان باتوں کو بیان کرنے میں اس کا انداز ہی وہ معیار ہے جو آنے والے وقتوں کے لئے اس کو استناد کا درجہ دیتا ہے۔

﴿۱۶﴾...... قرآن کا ایک غیر جانبدار قاری اس بات پر یقیناً متعجب ہوگا کہ اس طرح کی ایک مختصر سی کتاب اپنے مقصد کو اس قدر احسن طریقہ پر پورا کرے۔ قرآن شاندار اخلاقی احکام و نصائح سے بھرا ہوا ہے۔ اس کی ترتیب اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہوئی ہے کہ ہم اس کا ایک صفحہ بھی ایسا نہیں پائیں گے۔ جس میں ایسے اقوال نہ ملیں جن کو سب لوگ سراہتے ہوں۔ اس ٹکڑے ٹکڑے کی ہوئی ترتیب میں متون اور ایسے مقولے اور قوانین ملتے ہیں جو بذاتِ خود مکمل ہیں اور مسائل زندگی کے سلسلہ میں عام انسان کے لئے موزوں ہیں۔ عبادت کی ضرورت اور فرضیت پر مسلسل زور دیا گیا ہے۔ رحم دلی، خیرات، زکوٰۃ عدل و انصاف، روزہ، حج اور امور خیر کی برابر تاکید کی گئی

ہے۔ اخلاق سے متعلق مسائل ہیں جن میں سماجی اور خاندانی دونوں طرح کے اخلاق شامل ہیں۔ قرضہ جات، شہادتیں، شادی بیاہ، بال بچے اور اسی طرح کی اور باتیں ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک مسلسل تحریک کافروں اور منکروں کے خلاف جہاد کرنے سے متعلق ہے۔ زندگی گزارنے کے لئے مشکل ہی سے کوئی ایسی بات ہوگی جس کے لئے بطور ہدایت موزوں آیات نہ پیش کی جاسکیں۔ ان آیات میں فہمائش ہے، تسکین ہے، ہمت افزائی ہے۔ عبادات سے متعلق ایسے ٹکڑے سلسلہ وار نظریاتی قوانین وضوابط سے کہیں زیادہ مفید ہوتے ہیں۔

اس کتاب کی ادبی حیثیت کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ ترجمہ اس کا صحیح طور پر اندازہ لگانا ممکن نہیں۔ اس کتاب کی ادبی فوقیت و برتری متفقہ طور پر تسلیم کرلی گئی۔

﴿۱۷﴾...... ایک ایسی کتاب کے بارے میں جس کو کروڑوں انسان اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کی ہوئی مانتے ہیں جو کچھ بھی ہم نے کہا ہے اس میں ہم نے کوشش کی ہے کہ اس کے متعلق تعظیم کے ساتھ اور آزادی سے گفتگو کریں۔ یہ بات بھی برابر ذہن میں رکھے رہے ہیں کہ:

"اے قرآن! ایشیا اور افریقہ روزانہ کے معاملات میں رہبری کے لئے کس حد تک تیرے رہین منت اور یورپ اور امریکہ سائنسی مسائل میں روشنی حاصل کرنے کے لئے کس درجہ تیرے مرہون احسان ہیں۔"

عیسائیت کے قبضہ سے بہت سے وہ دل چسپ ممالک ہمیشہ کے لئے نکل گئے، جہاں کسی وقت میں اس کا اثر قائم تھا۔ جیسے افریقہ، مصر، شام، سرزمین مقدس، ایشیائے کوچک اور ہسپانیہ۔ آخر میں یہ بھی ہونا تھا کہ اسی طرح وہ اپنا مشرق کا دارالحکومت یعنی مدینہ قیصر بھی کھو بیٹھی۔ ان قدیم اور ممتاز علاقوں کے بدلہ میں وہ (عیسائیت) پیچھے کی طرف سرک کر غالیہ (فرانس) جرمنی برطانیہ اور اسکینڈے نیویا میں پھیلنے لگی۔ ان وحشی ممالک میں عظیم

دارالحکومتوں اور کلیسائیت کی تاریخ میں ممتاز شہروں کا بدل کونسی چیز ہو سکتی ہیں۔ یہ کھوئے ہوئے مقامات جو نسل انسانی کے ریکارڈ میں ہمیشہ سے امتیازی درجہ حاصل کئے تھے، قرطاجنہ، اسکندریہ، یروشلم، انطاکیہ اور قسطنطنیہ تھے یہ ایک نقصان رساں مبادلہ تھا۔ ذہنی اور جسمانی مشقتیں جن کے کسی زمانہ میں یہ شہر مراکز رہ چکے تھے۔ تبلیغ، گناہوں کے اعترافات اور عبادات جو ان میں اس قدر کثرت سے ادا کی جاتی تھی۔ انہوں نے متوقع اور ادعائی نتیجہ پیدا نہیں کیا۔ دینیات اور اخلاقیات میں لوگ روبہ انحطاط ہو چکے تھے۔ حب الوطنی کا فقدان تھا۔ وہ اپنے فرقہ کو محفوظ کرنے کی غرض سے ریاست کو داؤ پر لگا دیتے تھے۔ ان کو غداری کا صلہ محکومی کی شکل میں ملتا تھا۔

ان اندوہناک واقعات سے ہمیں یہ پتہ چل سکتا ہے کہ جو اصول اخلاق دنیا پر حکمرانی کرتے ہیں وہ ان اصولوں سے ملتے جلتے ہوتے ہیں جو مادی دنیا میں کار فرما ہیں۔ اس کے لئے مسلسل مداخلات نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ اس سے تاریخی عمل کے تسلسل میں رخنے پڑتے رہتے ہیں۔ معجزوں اور عجوبوں کے ذریعہ واقعات کا رخ متعین نہیں ہوتا بلکہ معاملات دنیوی، سبب اور اثر کے تعلق سے ایک دوسرے کے آگے پیچھے رونما ہوتے ہیں۔ ابتدائی دور کی عیسائیت کا زیادہ سے زیادہ پھیلاؤ سلطنت روما کی حدود کے ساتھ منطبق ہوا تھا۔ کلیسائی حالت کا انحصار سیاسی حالت پر تھا اور فی الحقیقت وہ اس کا براہ راست نتیجہ اور ماحصل تھا۔ اسی طریقہ سے افریقہ اور ایشیا کے ہاتھ سے نکل جانے کا تعلق عرب تحریک سے تھا۔ اگرچہ اس حادثہ کو روک دینا اور ان بڑا عظموں کو عقیدۂ مسیحیت سے ان بے شمار معجزوں میں سے کسی ایک انتہائی معمولی معجزے کے ذریعہ وابستہ رکھنا آسان ہوتا، جن معجزوں کے ذکر سے کلیسائی تاریخ بھری پڑی ہے۔ اور جو معجزے غیر اہم اور غیر معروف موقعوں پر اکثر رونما ہوتے رہے لیکن اس نوع کا کوئی ایک معجزہ بھی قدرت کی جانب سے عطا نہیں ہوا۔ اگرچہ

ایک فرشتہ شایانِ شان طریقہ پر نازل ہو کر یہ کام کر سکتا تھا۔ نسل و قوم کی تاریخ میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہے، جس میں کسی صاحبِ فکر انسان کے لئے مراقبہ کرنے کا اس سے زیادہ اچھا کوئی موقع ہو سکتا تھا جب افریقہ اور اسلام ہاتھ سے نکلے۔ یہ موقع ایسا تھا جب اس کے ذہن سے بہت سے غلط خیالات دور ہو جاتے اور جہاں سے اس کی رہنمائی دینوی معاملات کی راہ کے زیادہ اونچے ورفیع، زیادہ فلسفیانہ اور اس لئے زیادہ صحیح نقطۂ نظر کی جانب ہو جاتی۔

بازنطینی نظام، جس کی ابتدا اس پالیسی کے ساتھ ہوئی کہ کوئی اولوالعزم سپاہی اقتدار اعلیٰ کے حصول کے لئے جدوجہد کرتا رہے یا کسی مقابل کے خلاف کلیسائی عصبیت اور غیر رواداری کے حربے کو کام میں لایا جاتا رہے، سلطنتِ روما کے تمام مشرقی اور جنوبی حصوں میں پھیل چکا تھا اور انسانی علم سے نفرت اور بڑھے ہوئے مذہبی خیالات اور دستور کم از کم اٹلی تک میں اپنا لئے گئے تھے۔ جس میں اس جزیرہ نما کے مکینوں یعنی قوم قوط اور دوغلی نسل کے لوگوں کا بڑا ہاتھ تھا۔ گریگوری اعظم اس کی بگڑی ہوئی قوم کے خیالات کا زندہ نمونہ تھا۔ وہ مذموم نظام جس کو قسطنطین نے اس قدر ہوشیاری سے پر والا چڑھایا اور تمام مشرقی بشپوں نے نوازا تھا اس کو قوم وینڈل، ایرانیوں اور عربوں نے کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ لیکن اس کی شاخیں جو روم میں لگا دی گئی تھیں۔ غیر متوقع فراوانی کے ساتھ خود بخود پھیل گئیں اور وہ کئی صدیوں تک تمام یورپ میں اپنی تاریک پرچھائیاں بکھیرتا رہا۔ جس شخص کو معلوم تھا کہ عیسائیت، پیغمبرانہ ایام میں کیا چیز تھی وہ اس پیوندکاری کو جو اس پر کی گئی تھی، دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتا تھا۔

کوئی شخص بھی پاپائیت کی بشری ابتدا کی پختگی و بالیدگی کا مطالعہ نہیں کر سکتا۔ رومی اطالوی کلیسائی قوت بغیر یہ پتہ چلائے کہ کس قدر مکمل طور پر اس کا انحصار بشری ذرائع اور زیادہ تر انسان کی ہوائے نفس اور سازشوں

کس طرح کُلّی طور پر اس میں ربانی تعمیر و محافظت کی کسی علامت کا فقدان ہے۔ جو انسان کا زائدہ ہے، خدا کی تخلیق نہیں ہے اور اسی لئے اس پر انسان کی خواہشات انسانی خوبیوں اور انسانی عیوب کے نقوش غالب ہیں۔

عساکر اسلامی نے عیسائیت سے جیرۂ روم کے مغربی، جنوبی اور مشرقی ممالک چھین لئے تھے۔ اس سمندر میں اس کے جہازی بیڑے کو غلبہ حاصل تھا۔ کلیسائی پالیسی میں ایک انقلاب رونما ہو چکا تھا۔ قرطاجنہ، اسکندریہ، یروشلم، انطاکیہ، عیسائیت کے نظام سے نکل چکے تھے۔ ان کے بشپ دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ اسقفی مراکز میں سے صرف قسطنطنیہ اور روم باقی رہ گئے تھے۔ تمام ظاہری حالات ایسے تھے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ ان کے سقوط کے لئے بھی محض وقت کا سوال ہے۔

اس طرح روم کے بشپ کے اپنے افریقی اور ایشیائی حریفوں کے ساتھ تنازعات قبل از وقت اختتام کو پہنچ گئے تھے۔ اس کے سامنے مزید کوئی کام کرنے کے لئے نہیں رہ گیا تھا۔ ان کے روابط قسطنطنیہ میں مقیم شہنشاہ کے ساتھ مسلمانوں کی بحریہ کی صریحی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتے تھے۔ شہنشاہی قوت مفلوج ہو کر رہ گئی تھی۔ واقعات نے قوم کو دوسروں سے علیحدہ کر دیا تھا۔ اس نے اس کو آزاد کر دیا۔

عربوں کے ان فوجی حملوں نے جن کا پیشتر ذکر کیا جا چکا ہے، بازنطینی سیاسی نظام کو اکھاڑ پھینکا تھا۔ جس سے مشرق میں دینداری کا زمانہ قبل از وقت ختم ہو گیا تھا۔ ان کے ذہنی طریقۂ عمل سے ایک مساوی طور پر اہم نتیجہ بر آمد ہوا جو آخر آخر مغرب میں دینداری کے عہد کے خاتمہ پر منتج ہوتا تھا۔

مسلمانوں نے نہ صرف رومی مقبوضات کو تباہ کر دیا بلکہ انہوں نے عرب میں تعقل پسندی کے دور پر بھی ایک خصوصی خدوخال کی چھاپ لگا دی۔

اتنے اہم واقعات کی بنا پر ہمارے لئے ضروری ہو تا جاتا ہے کہ ہم یورپی ذہنی ترقی کے مخصوص تذکرے کو ایک طرف رکھیں اور اس سے انحراف کر کے عربوں کے دور تعقل پسندی کے موضوع پر آجائیں۔ ہمارے لئے اس عظیم الشان ڈرامہ میں جو پیش کیا جانے والا تھا ان کے عمل کو اس وقت تک سمجھنا ممکن ہے جب تک کہ ہم اس کردار کو نہ سمجھ جائیں جو انہوں نے اختیار کیا تھا۔

چند ہی صدیوں کے اندر اندر محمد ﷺ کی دی ہوئی قرآنی تعلیمات نے ان کے ظاہر کو کلی طور پر بدل ڈالا۔ ان میں بڑے بڑے مفکرین، اطباء، ریاضی داں، ہیئت داں، ماہر بن کیمیا اور قواعد داں پیدا ہوئے۔ ادب اور علوم کو تمام مختلف شعبوں میں ترقی نصیب ہوئی۔

جو قوم جنگی جوش و جذبہ سے سرشار ہو کر نہایت گہرائی تک حرکت میں آئی اور اس لئے نہایت تیزی سے ذہنی ترقی کی جانب مائل ہو گئی۔ وہ اس کی مستحق ہے کہ جس راستے سے اس کو خود گزرا ہے وہ ان لوگوں کو بھی دکھائے جو اس پوزیشن میں ہیں کہ وہ معلم کی حیثیت سے اس کی نشان دہی کر سکیں یا ان کی رہبری کر سکیں۔

حاملین قرآن ہی یورپ میں صنعتی ترقی کا موجب و محرک ثابت ہوئے۔ ان سے پہلے عیسائی دنیا میں علاج معالجہ کا طریقہ کلیتہً ماورائے فطرت تھا۔ اہل کلیسا نے یہ کام اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا، خزائن تبرکات، مزارات، و مقابر اور جھاڑ پھونک کے مراکز ہی دار الشفاء اور علاج معالجہ کا ذریعہ بنے ہوئے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف عربی فلسفہ اور معقولات اور دوسری جانب مسیحی ما فوق الفطرت شعبدہ بازی۔ ان دونوں کے درمیان ایک طرح کی آویزش چل نکلی۔ جس کی وجہ سے یورپ میں صنعتی زندگی کا آغاز ہوا۔

اس کو دنیا کی خوش بختی ہی سمجھنا چاہیے۔ بازنطینی پالیسی جس کی فروعات قسطنطنیہ اور اسکندریہ میں ہوئی تھی آخر ش تہ وبالا ہو گئی۔

جب یورپ کفاری Caffari اٹلی کا پست ترین قصبہ تمدن سے زیادہ روشن خیال نہیں تھا۔ اس وقت حاملِ قرآن لوگ سائنسی تخلیقات و ایجادات کر رہے تھے۔ فلکیات، ریاضی، طبیعیات، کیمیا، طب وغیرہ حاملِ قرآن لوگوں کے فوجی اور عسکری کارناموں سے کہیں زیادہ شاندار مستحکم اور اس لئے زیادہ اہم ثابت ہوئے۔

کائنات کے پھیلاؤ کا تصور جدید سائنس کی سب سے زیادہ مرعوب کُن دریافت سمجھی جا رہی ہے۔ فی زمانہ یہ ایک مستحکم تصور قرار دیا گیا ہے۔ اور بات صرف اس نقطہ پر آکر رکی ہوئی ہے کہ یہ پھیلاؤ کیوں اور کس طرح ہو رہا ہے۔

سب سے پہلے اس چیز کی نشاندہی اضافیت کے عام نظریہ نے کی تھی۔ اور اب طبیعیات میں کہکشانی طیف کے مشاہدہ سے اس کی تائید و توثیق ہو رہی ہے۔ کہکشانی طیف کے باقاعدگی کے ساتھ سرخ حصہ کی جانب کھسکنے کی تشریح اس کے سوا کچھ نہیں کی جا سکتی کہ کہکشائیں ایک دوسروں سے دور ہٹتی جا رہی ہیں۔ اس طرح کائنات کی وسعت میں غالباً برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ اور اضافہ اس نسبت سے زیادہ ہو تا جائے گا جس نسبت سے کہکشائیں ہم سے زیادہ فاصلہ پر ہیں۔ جن رفتاروں سے یہ ساوی معروضات ہم سے دور ہوتے جا رہے ہیں، جو ہے اس مسلسل پھیلاؤ کا وہ روشنی کی رفتار کی کسروں سے لگا کر اس سے بھی زیادہ رفتاروں پر منتج ہو رہی ہیں۔

قرآن کریم کی سورہ ۵۱، آیت ۴۷ جس میں اللہ رب العزت فرمارہا ہے!

وَالسَّمَاۤءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ

اور ہم نے آسمان کو اپنے زور سے بنایا ہے اور بیشک ہم اس

کو توسیع دے رہے ہیں۔(۱)

آسمان لفظ سماء کا ترجمہ ہے اور یہ کائنات کا وہی ماورائے عالم خاکی حصہ ہے جو یہاں مقصود ہے۔ پھر ہم اس کو توسیع دے رہے ہیں، یہ ترجمہ ہے اسم حالیہ Present Participle موسعون کا جس کا مفہوم ہے کشادہ کرنا، پھیلانا، فراخ کرنا، وسعت دینا۔

بعض مترجمین جو مؤخر الذکر کے مفہوم کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ اس لفظ کا ایک ایسا ترجمہ کرتے ہیں جو غیر مناسب ہے، مثلاً ہم سخاوت کے ساتھ دیتے ہیں۔ ایسے حضرات بھی ہیں جو مطلب تو یہی لیتے ہیں لیکن اپنے اظہار خیال سے ہچکچاتے ہیں، ڈاکٹر محمد حمید اللہ اپنے ترجمہ قرآن میں سماوات اور مکان کے وسعت اختیار کرنے پر گفتگو تو کرتے ہیں لیکن وہ بھی ایک سوالیہ نشان کا اضافہ کر دیتے ہیں، آخر میں وہ حضرات آتے ہیں جو اپنی تفاسیر و تشریحات میں اپنی ذاتی مقتدر سائنسی رائے رکھتے ہیں اور وہی معنی بیان کرتے ہیں جو یہاں بتائے گئے ہیں۔ منتخب کا بھی جو تفسیر کی ایک کتاب ہے، اور جس کو امور اسلامی کے لئے اعلیٰ سطح کی کونسل قاہرہ نے مرتب کیا ہے۔ یہی معاملہ ہے۔ اس میں کُلیۃً غیر مبہم الفاظ میں کائنات کے پھیلاؤ کا حوالہ دیا گیا ہے۔

بعض مفسرین اپنے ترجمہ قرآن میں اس کی تفسیر اس طرح بیان کرتے ہیں۔

اصل الفاظ ہیں "وَاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ" موسع کے معنی طاقت و قدرت رکھنے والے کے بھی ہو سکتے ہیں۔ اور وسیع کرنے والے کے بھی۔ پہلے معنی کے لحاظ سے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہ آسمان ہم نے کسی کی مدد سے نہیں بلکہ اپنے زور سے بنایا ہے اور اس کی تخلیق ہماری قدرت سے باہر نہ تھی۔ پھر یہ

ا۔ سورۂ ذاریات آیت ۴۷،

تصور تم لوگوں کے دماغ میں آخر کیسے آ گیا کہ ہم تمہیں دوبارہ پیدا نہیں کر سکیں گے۔ دوسرے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہے کہ اس عظیم کائنات کو ہم ایک دفعہ بنا کر نہیں رہ گئے بلکہ مسلسل اس میں توسیع کر رہے ہیں اور ہر آن اس میں ہماری تخلیق کے نئے نئے کرشمے اور معجزے رونما ہو رہے ہیں۔ ایسی زبردست خلاق ہستی کو آخر تم نے اعادہ خلق سے عاجز کیوں سمجھ رکھا ہے۔

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مختصراً کائنات اور اس کے پھیلاؤ کے بارے میں موجودہ دور کے سائنسدانوں کی تحقیق کا ماحصل پیش کر دیا جائے تاکہ دانشور اور روشن خیال حضرات جو ہمیں آئے دن تسخیر کائنات کا خوش آئند اور حسین خواب دکھاتے رہتے ہیں وہ اس کے لئے کوئی تیر بہدف نسخہ بھی بتا دیں تاکہ اس راہ میں ہم کوئی عملی قدم اٹھا سکیں۔

ماہرین ہیئت الافلاک پوری کائنات کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک قابل مشاہدہ کائنات، دوسری ناقابل مشاہدہ کائنات، قابل مشاہدہ کائنات کو موجودہ دوربینوں سے زیادہ قوت کی دوربینیں ایجاد کر کے دیکھ سکیں گے۔ لیکن ناقابل مشاہدہ کائنات کو انسان کبھی نہیں دیکھ سکے گا۔ قابل مشاہدہ کائنات کا ابھی تک چھیالیس فی صد حصہ دیکھا جا سکا ہے۔ اس حصہ کے آخری سرے سے روشنی کی ایک کرن کو ہم تک پہنچنے میں دو ارب سال لگتے ہیں۔ جبکہ روشنی ایک سال میں تقریباً ۶۰ کھرب میل کا فاصلہ طے کرتی ہے۔ کائنات کے اس حصے میں تقریباً دس کروڑ کہکشائیں ہیں۔ باقی قابل مشاہدہ اور ناقابل مشاہدہ کائنات میں کتنی کہکشائیں ہیں۔ اس کا علم سوائے اللہ کے اور کسی کو نہیں۔ ہماری کہکشاں میں تقریباً ایک کھرب ستارے ہیں جن میں ایک ہمارا سورج ہے، کم و بیش یہی حال دوسری کہکشاؤں کا ہے۔

کائنات کے جس حصہ کو ناقابل مشاہدہ کہا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں خیال ہے کہ اس حصہ کی کہکشائیں روشنی سے بھی زیادہ تیز رفتار سے ہم

سے دور بھاگ رہی ہیں۔ اس لئے وہ ہمیں کبھی نظر نہیں آئیں گی۔ ان کی اس بھاگ دوڑ کی وجہ سے کائنات میں نہایت تیزی سے پھیلاؤ ہو رہا ہے اور اسی لئے کسی وقت بھی انسان یہ نہیں بتا سکتا کہ کائنات کی وسعت کیا ہے۔

ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھ کر ہمارے وہ دانشور جو تسخیر کائنات کا مشورہ دیتے رہتے ہیں جلد از جلد وہ ترکیب بتائیں جس سے ہم اس وسیع کارخانۂ قدرت کو مسخر کر سکیں، تاکہ ہم اپنی مہم پر روانہ ہو کر اپنے مقصد حیات کو پورا کر لیں۔

ڈاکٹر اے۔ جے۔ آربری، پروفیسر کیمبرج یونیورسٹی لو۔ کے اپنی کتاب "قرآن کی تشریح Quran Interpreted میں فرماتے ہیں

قرآن کریم اس زمانہ میں نازل ہوا جب یونانی اور رومی تمدن بہیں واضح طور پر مُردہ ہو چکی تھیں۔ حامل قرآن لوگوں نے اپنی سائنس اور اپنے فنون کی تخلیق خود کی ہے۔

تاریخ تشکیل انسانیت، نیویارک:

اس چیز کا امکان نہایت قوی ہے کہ قرآن کریم کے بغیر جدید تمدن کبھی بھی وہ شکل اختیار نہ کرتا جس کی وجہ سے اس کو تمام سابقہ ہیئتوں پر سبقت حاصل ہوئی۔

پروفیسر ڈاکٹر ہارٹ وِک ہر شفیلڈ پی۔ ایچ ڈی، ایم آر اے ایس یونیورسٹی۔ لندن ۱۹۰۲ء:

قرآن کریم اپنی قوت استدلال، فصاحت بیان اور انشاء پردازی میں اس قدر بلند مقام پر ہے کہ وہاں تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ بلاشبہ سائنس کی تمام شاخوں کی انگیخت خیز ترقی کا موجب قرآن کریم ہے۔ کبھی بھی کسی قوم نے تمدن کی جانب اتنی تیزی سے پیش قدمی نہیں کی جتنی مسلمانوں نے قرآن

کے ذریعہ سے کی ہے۔ ہمیں یقیناً اس بات کو جان کر حیرت زدہ نہیں ہونا چاہئے۔ قرآن کریم سائنس کا سر چشمہ ہے۔ قرآن کریم فطرت پر غور کرنے اور اس کا مطالعہ کرنے پر بڑا زور دیتا ہے۔ قرآن کریم انسان کی توجہ اجرام فلکی کی حرکات کی جانب مبذول کراتا ہے جس سے تجربہ اور تحقیق کے لئے بے حد قوت محرکہ پیدا ہوتی ہے۔

قرآن کریم انسانیت کی اس سے بھی کہیں آگے خدمت انجام دیتا ہے۔ اس لئے کہ اس کے پاس قوموں اور نسلوں کے مابین تفہیم اور موالات کی ایک شاندار روایت موجود ہے۔ کوئی بھی دوسرا مسلک ایسا دکھائی نہیں دیتا جس کے پاس نوع انسان کی اتنی بہت سی اور مختلف نسلوں کو مساوی درجہ و حیثیت اور ترقی کے مواقع اور سعی و جہد کرنے پر ملانے کے لئے کامیابی کا ایسا ریکارڈ موجود ہو۔

عظیم امریکی مؤرخ پروفیسر ول ڈو رانٹ کا کہنا ہے :

قرآن کریم نے پروہتائی نظام کی تنسیخ کر کے بنی نوع انسان سے ہا تفریق و امتیاز سب سے بڑی کلفت و بدبختی کو مٹادیا ہے۔ پروہتائی نظام کا یہ ادارہ اپنی انتظامی حیثیت میں بھی نسل انسانی کی کلیسائی تاریخ میں خود اس مسلک کے وقار کے لئے زبردست کلفت و مصیبت ثابت ہو سکتا ہے۔

ایڈورڈ گبن آر اینڈ الیف کا ارشاد ہے :

لاطینی کلیسا نے اپنی شان کا تصور قرآن سے مستعار لینے کے سلسلہ میں کوئی تردید نہیں کی۔

برٹش ریسرچ کمپنی اور مشہور ترین سائنسی اصولوں پر کام کرنے والا مؤرخ اور قرآن کا زبردست مخالف ٹوائن بی Toynbee رقم طراز ہے :

نوع انسانی کے لئے اسلام کا تخلیقی ہدیہ "وحدانیت" ہے اور ہم یقیناً اس ہدیہ کو ضائع کر دینے کی جرأت نہیں کر سکتے۔

یورپ میں قرآن کریم کی اہمیت

مغربی تمدن نے ایک معاشیاتی اور سیاسی 'ملاء' Penums ضرور تیار کیا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ ایک معاشرتی اور روحانی "خلا" بھی تخلیق کر دیا ہے۔

لہذا مستقبل کے پس منظر میں ہم ان دو قیمتی اثرات کے بارے میں رائے زنی کر سکتے ہیں۔ جو اسلام مغربی معاشرے کے اس عالمی پرولتاری نظام پر ڈال سکتا ہے۔ جس نے دنیا کو پوری طرح محیط کر لیا ہے۔ اور تمام نسل انسانی کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ جب کہ مستقبل قریب میں ہم اس کے امکانی سبب بننے کے بارے میں قیاس کر سکتے ہیں جو اسلام ایک نئے مسلک کی شکل میں پیش کر سکتا ہے۔"

قرآن کریم کی اشاعت کی ضرورت :

نسلی امتیاز کا خاتمہ قرآن کریم کا ایک نہایت نمایاں کارنامہ ہے، اور موجودہ دنیا کی یہ وہ ضرورت ہے جو نہایت بلند آہنگی سے پیش کی جا رہی ہے کہ قرآن کی اس خوبی کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی جائے۔ یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے کہ روح اسلام ایک امدادی قوت ہو سکے گی۔ جو اس معاملہ کو امن اور رواداری کی موافقت میں طے کر دے۔

"برٹش ریسرچ" حقیقی اور صحیح اسلام از برنارڈ شا میں کہا گیا ہے

جس نصب العین کے حصول کے لئے فرانسیسی اور لاطینی امریکی

ممالک میں "حقوق کا معاہدہ" منصۂ شہود پر آیا۔ وہ مغرب کی ایجاد واختراع نہیں تھا۔ بلکہ اس کا سر چشمہ قرآن کریم تھا۔ اگر کوئی مسلک انگلستان ہی پر نہیں بلکہ پورے یورپ پر اپنی حکمرانی قائم کر سکتا ہے تو وہ اپنی عجیب وغریب قوت حیات کی وجہ سے صرف قرآن کریم کا مسلک ہو سکتا ہے۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں دنیا کے بدلتے ہوئے حالات کو اپنے اندر سمونے کی بھی صلاحیت ہے۔ جس کی بناء پر اس کا اثر ہر زمانہ میں پڑ سکتا ہے۔ میرا یقین ہے کہ اگر محمد ﷺ کی طرح کا کوئی ایک متنفس جدید دنیا کے ڈکٹیٹر کی حیثیت اختیار کرے تو وہ اس کے مسائل کو حل کرنے میں اس طرح کامیاب ہو جائے گا کہ اس کو وہ امن اور خوشحالی نصیب ہو جائے جس کی اسے سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ جس طرح یہ عقیدہ آج مقبول ہوتا جارہا ہے، اسی طرح یقین ہے کہ آگے چل کر یورپ کے لئے بھی قابل قبول ہوگا۔ نوع بشر، انسانی برادری، قانون کی نظر میں انسان کی مساوات، جمہوری حکومت جس میں باہمی مشورہ اور عام حق رائے دہی سب شامل ہیں۔ ان کے نصب العین جنہوں نے فرانسیسی انقلاب اور معاہدہ حقوق کو ابھارا تھا۔ جن کی بنیاد پر لاطینی امریکی ممالک کی تشکیل عمل میں آئی۔ یہ سب مغرب کی ایجادات نہیں تھیں۔ ان کی تخلیق تحریک اور ان کا سر چشمہ قرآن مجید میں ملتا ہے۔

"تمدن کی کہانی" از پروفیسر ول ڈورانٹ:

"مسلمانوں کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ "محمد ﷺ کے بت کی پوجا کرتے تھے" یہ کہ قرآن کریم امن وامان کا مخالف اور ترقی اور سائنس وغیرہ کے منافی ہے۔ ان ارباب قلم کا ایک متعین پروگرام ہے جو ایک قبیح مقصد کے پیش نظر یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ اسلام عیسائیت سے فروتر ہے۔ ان سب نے اسلام اور اس کے رسولِ پاک کی تحریف شدہ، توڑی مروڑی ہوئی، مسخ شدہ،

بگڑی ہوئی اور غلط تصویر پیش کی ہے۔ اس شرارت آمیز پروپیگنڈے سے جو غلط شبیہ تیار کی گئی تھی وہ اب بہت سے ایسے غیر مسلم مصنفین واشگاف کر رہے ہیں جنہوں نے اسلام اور قرآن کریم کا مطالعہ کیا ہے۔ (۱)

پروفیسر باسور تھ اسمتھ:

"محمد ﷺ تمام مصلحین میں عظیم ترین قرار دیتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ آپ ﷺ دنیا میں ایک ایسی انقلابی تبدیلی لائے جس کے برابر نہ آپ ﷺ سے پہلے اور نہ آپ ﷺ کے بعد ظہور میں آئی، نیز یہ کہ آپ ﷺ جملہ انبیا اور مذہبی شخصیات میں سب سے زیادہ کامیاب ثابت ہوئے۔

برٹش ریسرچ نے اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ بارہویں صدی تک یورپ کے تمام چیدہ اور لکھے پڑھے لوگوں نے نہ صرف قرآنی احکام کا مطالعہ کیا تھا بلکہ وہ قریب قریب عملاً مسلمان ہو گئے تھے۔

پروفیسر ایچ۔ اے۔ آر گب کا کہنا ہے کہ:

اپنی تہذیبی زندگی کو ترقی کے بام عروج تک پہنچانے کے لئے یورپ بغیر ان قوتوں اور صلاحیتوں کے جو قرآنی معاشرے میں پائی جاتی ہیں، کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ مغربی دنیا میں قرآنی مسلک، مختلف انتہاؤں کے درمیان اس وقت بھی توازن قائم رکھے ہوئے ہے۔ قرآنی تمدن یورپی قوم پرستی کی انتشاری کیفیت اور روسی اشتمالیت کی گروہ مدی کے معاشیاتی پہلو میں مدغم ہو کر نہیں رہ گیا ہے۔ پروفیسر میں گنم کا کہنا ہے کہ قرآن کریم بورژوسرمایہ داری اور بالشیوک اشتمالیت کے مابین نقطۂ اعتدال پر فائز ہے۔ قرآن کریم کو انسانیت کی ابھی اور خدمت انجام دینا ہے۔ اس لئے کہ اس کے پاس بین العملی

۱۔ "تمدن کی کہانی" ۷ مجلدات۔ نیویارک ۱۹۵۰ء از پروفیسر ول ڈورانٹ،

تعاون واتحاد کے لئے ایک شاندار ریاست موجود ہے۔اس کے علاوہ کوئی اور مسلک نوع بشر کی ایسی مختلف اور اتنی بہت سی نسلوں کو بہ اعتبار مساوات، ترقی کے مواقع اور جدوجہد کرنے کے لئے متحد کرنے میں اتنا کامیاب نہیں ہوا۔

برٹش ریسرچ کا یہ مزید اعتراف ہے کہ :

قرآن کریم نے محض اس ہر ذی روح وجھ ہی کو نہیں نکال پھینکا جو کسی قوم کی حرکت میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے بلکہ اس بے جان مادّہ کو زندہ قوت کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ قرآنی زندگی انتہائی سُرعت کے ساتھ آگے کی طرف بڑھتی ہے۔اس لئے کہ اس میں بعض پابندیوں کے ساتھ ہر شخص کے لئے اپنی زندگی کے ڈھب Career کو بنانے کی غرض سے راہ کھلی ہوئی ہے۔

جتنی ترقی حاملِ قرآن لوگوں نے ایک صدی میں کی اتنی ترقی کرنے کے لئے کسی دوسری قوم کو ایک ہزار سال سے زیادہ کی مدّت درکار ہوتی۔

لندن یونیورسٹی :

عقیدہ اور رسم ورواج.....ڈاکٹر سر ٹریٹن ڈی۔ لٹ ۱۹۵۱ء،

"قرآن کریم انتہائی یاس و حرماں نصیبی کے عالم میں کردار کی وہ مضبوطی، وہ استواری، ثابت قدمی، قوتِ ارادی اور تسلیم ورضا کی وہ قوت عطا کرتا ہے جو اس مسلک کے پیروؤں کی خصوصیت اور ان کا طُرّۂ امتیاز ہے۔ قرآنی عقائد کی بنیاد کُلّیۃً استدلال پر ہے۔لہٰذا اسلام میں عقل واستدلال کی فوقیت و برتری واضح ہے۔ قرآن کے عقیدہ کی مخصوص شے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔"

برٹش ریسرچ :

"قرآنی قوانین آخر کار کلیسا کے اعلیٰ طبقوں میں مقبول ہوتے گئے یہاں تک کہ پوپ گریگوری نے ان قوانین کو نجی طور پر اختیار کر لیا جو

اس طرح رَد کر دیئے گئے تھے۔"(۱)

شہنشاہ فریڈرک کے زوال کے بعد بھی قرآن مجید کے وہ اثرات زائل نہیں ہوئے جن کی وہ نمائندگی کرتا تھا۔ وہ اثرات نہ صرف اس کے بعد قائم رہے بلکہ آخر میں تو وہ اس قوت پر بھی غالب آگئے جس نے ان کو عارضی طور پر اکھاڑ پھینکا وہ اثرات نہ صرف اس کے بعد قائم رہے بلکہ آخر میں تو وہ اس قوت پر بھی غالب آگئے جس نے ان کو عارضی طور پر اکھاڑ پھینکا تھا۔ چاہے اس کے کہ ان کی کلی طور پر بیخ کنی ہوتی وہ دنیادار لوگوں میں اور اہلِ کلیسا میں بھی وسعت اختیار کرتے گئے۔

تہذیب و تمدن کے ارتقاء میں عربوں کا کردار:

یورپی، باشندے اپنی بہت سی ذاتی آسائشوں کے لئے عربوں کے احسان مند ہیں، چونکہ مذہبی اعتبار سے انھیں صاف ستھرا رہنا پڑتا تھا۔ اس لئے ان کے واسطے یہ ناممکن تھا کہ وہ یورپی باشندوں کی طرح لباس پہنیں اور اس وقت تک اس کو اپنے بدن سے جدا نہ کریں جب تک وہ تار تار نہ ہو جائے۔ اس میں جوئیں نہ پڑ جائیں اور سڑاند نہ پیدا ہو جائے۔ عربوں نے ہمیں ریشمی یا سوتی زیر جامہ کا استعمال سکھایا جو آج بھی ہماری خواتین میں پرانے عربی ناموں سے چلا آرہا ہے۔ اس زیر جامہ کو بار بار تبدیل کرنا اور دھونا پڑتا تھا۔ لیکن صفائی کے ساتھ ساتھ وہ آرائش و زیبائش کو بھی پسند کرتے تھے۔ بالخصوص عورتوں میں بناؤ سنگار کی جانب بے حد میلان تھا۔ ان کے اوپر پہنے جانے والے کپڑوں پر اکثر و بیشتر زردوزی کا کام ہوتا تھا۔ اور بعض اوقات ان کو جواہرات اور سنہرے کام سے زینت دی جاتی تھی۔

۱۔ برٹش ریسرچ پنجم ۲، باب دوازدھم صفحہ ۱۰۔

عرب عورتیں شوخ رنگوں اور یشب، سبز، نیلم، زمرد اور پکھراج کی چمک دمک، کی اتنی دل دادہ تھیں کہ یہ بات عام طور پر مشہور ہو گئی تھی کہ کسی پبلک عمارت کا زنانہ حصہ جس میں ان کو مدعو کیا جاتا ہے ایسا دکھائی دیتا ہے جیسے موسم بہار میں گلزار کھلا ہوتا ہے جو بارش میں ڈھل ڈھلا کر صاف و شفاف ہو گیا ہو۔

عربوں کا پاکیزہ ادب :

اس آرائش و زیبائش کے درمیان جس کو بنظر تحقیر دیکھنا کسی طرح روا نہیں اس لئے کہ آخر میں فرانس اور جنوبی یورپ میں اس کے نہایت اہم اور دوررس نتائج پیدا ہوئے۔ روم کے پاپاؤں کے برعکس اسپین کے عرب خلفاء نہ صرف علوم کی سرپرستی کرتے تھے۔ بلکہ انسانی علم کی تمام شاخوں میں ذاتی طور پر تخلیقی کام کرتے تھے۔ ان میں سے بعض نے ایسی کتابیں تصنیف کی ہیں جن کی پچاس پچاس جلدیں ہیں۔ بعض دوسرے حضرات نے ریاضی پر کتابیں لکھیں ایک نے خاص طور پر الجبرو المقابلہ پر ایک کتاب تحریر کی۔

جب فاضلِ زمانہ زریاب مشرق کی جانب سے اسپین آیا تو خلیفہ عبدالرحمٰن بذاتِ خود سوار ہو کر اس کے استقبال کے لئے گیا۔

عربوں نے یونانی شعراء کے کلام کو کبھی بھی اپنی زبان میں منتقل نہیں کیا۔ حالانکہ انہوں نے یونانی فلسفیوں کے افکار کو کافی جوش و جذبہ سے جمع کیا۔ ان کے مذہبی جذبات اور سنجیدہ طبائع اس امر کے موجب ہوئے کہ وہ ہماری کلاسیکی ضمیات سے کراہت محسوس کریں اور شہوت پرست اور چار دیواریوں میں مد اولمپی دیوتا مشتری، Jovs اور خدائے عظیم و کبیر کے مابین کوئی تعلق قائم کرنے کے تصور کو مسترد کر دیں۔ جو ان کے عقیدہ کے مطابق انتہا درجہ کے اور نا قابلِ معافی کفر و شرک کے مترادف تھا۔

خلیفہ ہارون الرشید نے اپنی خواہش کی تسکین اس طرح کی تھی کہ ہومر کے کلام کا ترجمہ سریانی زبان میں کرادے لیکن اس نے اس بات کی جرأت نہیں کی کہ ان رزمیہ نظموں کو عربی میں منتقل کرائے۔

ادبی سائنسی، فلسفیانہ اور عسکری امور میں عربوں کی کاوشیں کوہ پرانیز کے پار برابر نفوذ کر رہی تھیں اور اس طرح عرب معاشرہ کا فیشن، ان کا ذوق، ان کے علوم اور ان کے اخلاق و عادات غرناطہ اور قرطبہ سے نکل کر پراونیس، فرانس، انگلستان اور جرمنی تک جا پہنچے۔

یورپ کے امراء نے اچھے گھوڑوں کی خصوصیات کا علم عربوں سے حاصل کیا اور ان سے شہ سواری کا فن سیکھا۔ شکار اور شاہین بازی ان کا فیشن ایبل مشغلہ بن گیا۔ انہوں نے عربوں کی اس ہنرمندی کی ہمسری کرنے کی کوشش کی جس کی بدولت یورپ میں مشہور عربی گھوڑوں کی نسل پھیلی۔ نیزہ بازی اور ٹورنامنٹ وہاں کے مشہور مشاغل بن گئے۔ عرب شہر کا مہذب معاشرہ اپنی شائستگی پر نازاں تھا۔

مستشرقین کے بیانات

اگرچہ اریجینا صحیح معنوں میں قرآنی اصول متکلمین کا بانی تھا، تاہم بعض حضرات روسیلن کو اس اعزاز و امتیاز کا مستحق گردانتے ہیں۔ اس کے بعد ۱۱۰۹ء میں پیرس کے مقام پر ولیم آف شامپو نے قرآنی کا ایک مدرسہ قائم کیا۔ جس سے اس تحریک میں بڑا زور پیدا ہوا۔

مشہور مستشرق پروفیسر گب Gibb عالمی تہذیب کے لئے اسلام کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے لکھتا ہے۔

''اسلام کو ابھی انسانیت کی ایک اور خدمت انجام دینی ہے۔ لوگوں کے مراتب، مواقع، اور عمل کے لحاظ سے

مختلف نسلوں کے درمیان مساوات قائم کرنے میں کسی سوسائٹی نے اس جیسی کامیابی نہیں حاصل کی ہے، افریقہ، ہندوستان اور انڈونیشیا کے عظیم اور جاپان کے محدود مسلم معاشرہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ کس طرح اسلام مختلف نسلوں اور روایات، نہ مٹنے والے اختلافات کو تحلیل کر دیتا ہے، اگر مشرق و مغرب کی عظیم سوسائٹیوں میں مخالفت کے بجائے باہمی تعاون پیدا ہونا ہے تو اس کے لئے اسلام کی خدمات حاصل کرنا لازمی ہوگا۔(۱)

مشہور برطانوی فلسفی مؤرخ ٹائن بی A. J. Toynbee اسلامی مساوات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''مسلمانوں کے درمیان نسلی امتیاز کا خاتمہ اسلام کے عظیم کارناموں میں سے ایک ہے، اور موجودہ دور میں تو اسلام کی یہ سعادت، وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے...... حالانکہ کچھ دوسری حیثیتوں سے انگریزی بولنے والی اقوام کی کامیابیاں عالم انسانیت کے لئے باعث رحمت ثابت ہوئی ہیں، لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ نسلی جذبات کے خطرناک معاملے میں یہ بد قسمت رہا ہے۔(۲)

مشہور افریقی امریکی لیڈر میلکم ایکس Malcolm -X اپنی خود نوشت سوانح میں مسلم معاشرہ اور اسلامی تہذیب کی عطا کردہ وحدت و

1-H. A. R. Gibb, Whither Islam (London). 1932 P. 379

2- A.J. Toynbee, Civilization on Trial, Newyork. 1948, P. 205

مساوات کو اس طرح بیان کرتا ہے:

"ان اسلامی ملکوں میں پچھلے گیارہ دنوں سے میں نے ایک ہی پلیٹ میں کھانا کھایا اور ایک ہی گلاس میں پانی پیا ہے اور انہیں کے ساتھ ایک ہی قالین پر سویا ہوں،...... میں نے ان میں وہی خلوص پایا ہے، جس کا احساس مجھ کو نائجیریا، سوڈان، اور گھانا کے کالے افریقی مسلمانوں میں ہوا تھا۔ ہم سب بھائی بھائی تھے، کیونکہ اللہ پر ایمان نے ہمارے ذہن رویّہ، اور برتاؤ سے "گوری رنگت" کو حذف کر دیا تھا، میری سمجھ میں آگیا کہ اگر امریکا کے لوگ توحید پر ایمان لے آئیں تو شاید وہ بھی انسانی وحدت کو قبول کرلیں اور دوسرے لوگوں کا موازنہ، مخالفت، یا دشمنی رنگ کی بنیاد پر کرنا ترک کردیں، میں نے یہ بات گرہ میں باندھ لی کہ میں امریکہ کے لوگوں کو بتاؤں گا کہ یہاں ہر رنگ کے انسانوں میں حقیقی بھائی چارہ ہے، یہاں کوئی شخص اپنے آپ کو الگ تھلگ محسوس نہیں کرتا، نہ کسی میں احساس برتری ہے، نہ کسی میں احساس کمتری۔"(۱)

اس منفرد وحدت کو متعدد مغربی فضلاء اور اصحاب فکر و اہل قلم نے محسوس کیا اور اسے سراہا ہے، ہم یہاں صرف چند شہادتوں پر اکتفا کرتے ہیں۔

1-The Autobiography of Maloclm-X (Essex) 1965, P 419- 429

ہملٹن گب لکھتا ہے:

''اسلام ایک تصور ہے، جو ایک مربوط لیکن مختلف سیاسی معاشرتی اور مذہبی اجتماعیت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے، اور اس نے مختلف خطوں اور ادوار میں، مقامی، جغرافیائی، سماجی اور سیاسی قوتوں سے اثرپذیر ہو کر مختلف خصوصیات کا اظہار کیا ہے، مثال کے طور پر شمال مغربی افریقہ اور عہد وسطیٰ کے اسپین کا مغربی ایشیا میں اسلام کے مرکز سے گہرا تعلق تھا، ان کی تہذیب اسی مرکزی تہذیب کی ایک شاخ تھی، لیکن انہوں نے کئی امتیازی خصوصیات پیدا کیں، جنہوں نے مغربی ایشیا پر بھی اثر ڈالا، دوسرے بڑے اور خود کفیل خطوں، مثلاً تحتی برّاعظم ہند، انڈونیشیا، اور جنوبی روس کے صحرائی علاقوں سے لے کر چین کی سرحدوں تک متوازی عوامل نے اسی طرح امتیازی خصوصیات پیدا کیں۔ ان سب نے اور ان میں سے ہر ایک نے آسانی سے قابل شناخت اسلامی رنگ برقرار رکھا۔''(۱)

الفریڈ کانٹویل اسمتھ لکھتا ہے:

''مسلمانوں کی کامیابی ان کے مذہب کی داخلی کامیابی ہے، وہ صرف میدان جنگ میں فاتح نہیں ہوئے، اور انہوں نے زندگی کے مختلف شعبوں پر اثر نہیں ڈالا بلکہ مقابلتاً مختصر عرصہ میں انہوں نے زندگی کو ایک ایسی مجموعی شکل دینے میں کامیابی حاصل کی جسے تمدن کہتے ہیں، اسلامی تہذیب کی تشکیل

1- Hamilton, A. R. Gibb, Studies on Civilization of Islam, London 1962, P. 3

میں مختلف عوامل جیسے عرب، یونان، شرق اوسط کی سامی تہذیب، ساسانی ایران، اور ہندوستانی عناصر نے حصہ لیا، مسلمانوں کا کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے ان سب عناصر کو ایک ہم جنس طریقہ زندگی میں متحد کر دیا اور اسے مزید ترقی دی، یہ اسلام تھا، جس نے اس کی تکمیل کی اور اسے باقی رکھنے کی قوت فراہم کی، زندگی کے ہر رخ کو اس نے اسلامی شکل دی خواہ اس کے ترکیبی عناصر کی ماہیئت کچھ بھی رہی ہو۔

اسلامی طرز زندگی نے معاشرہ کو وحدت و قوت عطا کی، متحد رکھنے والی اس قوت میں مذہبی قانون کو مرکزی مقام حاصل تھا۔ جس نے اپنے طاقت ور اور متعین دھارے کے ذریعہ رسوم و عبادات سے لے کر ملکیت تک ہر چیز کو منضبط کر دیا، شرعی قانون نے اسلامی معاشرہ کو قرطبہ سے ملتان تک وحدت عطا کی، اس نے مسلم افراد کو بھی وحدت عطا کی اور اس کی زندگی کے سبھی اعمال کو ملکوتی رنگ دے کر بامعنی بنا دیا، معاشرہ کو تسلسل دے کر اس نے زمانہ کو بھی وحدت بخشی، سلاطین کا سلسلہ آتا اور جاتا رہا، لیکن ان کی حیثیت ربانی احکام کے مطابق کرۂ ارضی پر عمرانی زندگی کی تشکیل کی مسلسل کوشش میں محض ضمنی رہی۔ (۱)

اسلامی تہذیب کی ترقی:

اسلامی تہذیب، ایسی تہذیب ہے، جس کی ترقی اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی اور اس کا یقین و ایمان ہے، وہ خدائی رنگ (صبغۃ اللہ) میں رنگی ہوئی ہے، اور ایمان و ایقان کی بنیادوں پر قائم ہے، اس لئے اس کو دینی رنگ اور ربانی آہنگ اور ایمانی روح سے الگ کرنا ممکن نہیں اور اس پر جب بھی قومی عصبیت، جاہلی

1. Wilfred Cantwell Smith, Islam in Modern History (New York 1957) P36,37.

عصبیت، نسلی کشمکش، مادی ہوس، اخلاقی زوال، یا معاشرتی انارکی طاری ہوئی ہے، تو وہ عارضی طور پر یا خارجی اثرات یا اس ماحول و معاشرہ کی دین رہی ہے جس سے کوئی اسلامی عنصر نکلا ہے، یا اس میں اسلامی ثقافت سے عدم تاثر و استفادہ اور قرآن کریم اور حدیث نبوی اور اسلام کے اولین و اساسی مصادر سے عدم اشتغال کو دخل رہا ہے۔

تاریخ اسلام میں اصلاحی و تجدیدی عمل کی کامیابی کا راز:

اسی لئے مسلم اقوام و ممالک کی تاریخ میں اصلاح و تجدید، فساد و بدعات اور جاہلی اثرات کے خلاف جد و جہاد کا ایسا تسلسل رہا ہے جس کی غیر اسلامی اقوام و مذاہب میں کوئی مثال نہیں ملتی، اسی طرح ان مبارک کوششوں کو ایسی کامیابی بھی ملی جو دوسری اقوام و مذاہب کی تاریخ میں ناپید ہے، اور ایسا اس لئے ممکن ہو سکا کہ یہ کوششیں اس امت کے جوہر ذاتی، اس کی روح اور اس کے ذہن و نفسیات سے مطابقت رکھتی تھیں اور وہ انہیں اصول و مبادی سے عبارت تھیں جن پر اس امت کا وجود قائم تھا، اور جہاں سے اس کا تاریخی سفر شروع ہوا تھا۔

جسٹینین کے انتقال کے چار سال بعد ۵۶۹ء میں عرب کے شہر مکہ میں اس ہستی کی ولادت ہوئی جس نے تمام انسانوں کے مقابلہ میں نسلِ انسانی پر سب سے زیادہ اثر ڈالا۔ یہ ہستی محمد ﷺ کی تھی۔ آپ ﷺ نے اپنی قوم کو اشیاء پرستی، حجر شاہی کی پرستش اور اصنام پرستی کی پست ترین حالت سے نکال کر مقام بلندی پر پہنچا۔ آپ ﷺ نے وحدانیت کی تعلیم دی، جس کی وجہ سے آریین اور کیتھولک فرقوں کے بے بنیاد جھگڑے تیزی سے فضا میں منتشر اور تحلیل ہو کر رہ گئے۔ نصف سے زیادہ عیسائی دنیا، عیسائیوں کے ہاتھوں سے نکل

وہ سرزمین مقدس جو ہمارے مذہب کی جنم بھومی اور افریقہ شامل تھے۔ برّاعظم افریقہ اور ایشیا کا بہت بڑا حصہ ایک ہزار سال سے زیادہ مدت گزر جانے کے ابھی تک مستقلاً قرآنی تعلیمات سے وابستہ ہے۔ بڑی مشکل سے اور گویا معجزاتی طور پر یورپ خود کو ان کے قبضہ سے بچا لے گیا۔

محمد ﷺ ان صفات کے حامل تھے۔ جنہوں نے ایک سے زیادہ مرتبہ سلطنتوں کی قسمت کا فیصلہ کیا، آپ ﷺ ایک مبلغ سپاہی ہونے کی وجہ سے منبر پر پہنچتے تو ایک فصیح البیان انسان ہوتے اور میدانِ جنگ میں جاتے تو آپ ﷺ کی حیثیت ایک مردِ شجاع کی ہوتی تھی۔ آپ ﷺ کا لایا ہوا دین سادہ تھا اور اس کی بنیاد لا الٰہ الا اللہ پر تھی، اس دائمی صداقت کا اقرار کرتے ہوئے آپ ﷺ نے خود کو کبھی بیکار قسم کی مابعد الطبیعیات میں نہیں پھنسایا۔ اور خود کو ذاتی صفاتی و پاکیزگی، شراب سے اجتناب اور روزہ نماز سے متعلق ضابطوں کی تعلیم کے ذریعہ اپنی قوم کی معاشرتی حالت کے سدھارنے میں لگائے رکھا، آپ ﷺ نے جملہ امور سے افضل خیرات و زکوٰۃ کو قرار دیا۔ جس سے دنیا کچھ عرصہ پہلے سے بیگانہ ہو چکی تھی۔ آپ ﷺ نے لوگوں کی آزادی کو تسلیم کیا، بشرطیکہ وہ پاکباز ہوں۔ لا الٰہ الا اللہ کے اعلان کے ساتھ آپ ﷺ نے اس میں حکم خداوندی محمد الرسول اللہ (ﷺ) کا اضافہ کیا۔ جو کوئی یہ جاننے کا خواہشمند ہو کہ آیا اس طرح کے جرأت مندانہ اعلان کا واقعات نے کوئی جواب دیا اس کے لئے بہتر ہوگا کہ ہمارے زمانے میں دنیا کا جو نقشہ ہے اس کا جائزہ لے۔ اسے اس پر مکر و فریب سے ہٹ کر کسی اور شے کے نشاں ملیں گے۔ دنیا کا دینی سربراہ ہونا، ایک تمائی نسل انسانی کی روزانہ زندگی میں رہبری کرنا اللہ اس بات کی تائید کرتا ہے کہ آپ ﷺ پیغمبر تھے۔

ان یہودیوں کی تکذیب کرنے کے ساتھ ساتھ جو اس بات کی تعلیم دیتے تھے کہ عزیز اللہ کے بیٹے تھے، آپ ﷺ نے خطہ کے ان عیسائیوں کی اس

سے بھی زیادہ تکذیب کی جوشت پر ستانہ شعار اختیار کیئے ہوئے تھے۔ قرآن اس طرح کی سرزنشوں سے بھرا ہوا ہے۔

إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَ كَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَ رُوحٌ مِّنْهُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَ رُسُلِهِ ۖ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ ۚ انتَهُوا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ سُبْحَانَهُ أَن يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ ۘ ○

مسیح عیسیٰ ابن مریم اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ اللہ کا ایک رسول تھا اور ایک فرمان تھا۔ جو اللہ نے مریم کی طرف بھیجا اور ایک روح تھی اللہ کی طرف سے۔ پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور یہ نہ کہو کہ (اللہ) تین ہیں۔ باز آجاؤ۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ اللہ تو بس ایک ہی اللہ ہے۔ وہ پاک ہے اس سے کہ کوئی اس کا بیٹا ہو۔ (۱)

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ ۚ

تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ "اے عیسیٰ بن مریم، کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو بھی خدا بنالو؟ تو وہ جواب میں عرض کرے گا کہ "سبحان اللہ میرا یہ کام نہ تھا کہ وہ بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے حق نہ تھا۔" (۲)

۱۔ سورۃ النساء آیت ۱۷۱۔

۲۔ سورۃ المائدہ آیت ۱۱۶۔

محمد ﷺ نے اللہ کی نوعیت کے بارے میں تمام مابعد الطبیعیاتی تصورات کو یا گناہ کی ابتدا اور اس کے بارے میں قیاسات و نظریات کو مسترد کر دیا۔ یہ وہ موضوعات تھے جن پر مشرقی قوموں کی ذہانت صرف ہو رہی تھی آپ ﷺ نے شادی کو انسان کا فطری تقاضہ قرار دیتے ہوئے زہد و پارسائی کی خاطر تجرد کے اصول کو ترک کر دیا۔

اس دنیا میں اکثر و بیشتر کامیابی صداقت کا معیار رہی ہے۔ مسلمان آپ ﷺ کی رفتار زندگی کی شان و عظمت اور اس کی سرعت کو اپنے پیغمبر کا الہامی مشن قرار دے کر بطور ثبوت پیش کرتا ہے۔ لیکن اس بات کی کسی ایسے فلسفی کے ہاں بھی گنجائش ہے جو نسل انسانی کے ایک اتنے بڑے حصہ کے عقیدہ کے بارے میں گفتگو کرنے کا خواہش مند ہو اور یہ جائزہ لینا چاہئے کہ بعض ثانوی اسباب کیا تھے جن کا ایسا عظیم الشان نتیجہ بر آمد ہوا۔ عیسائیت اپنے انتہائی اہم مقامات سے ہمیشہ کے لئے خارج کر دی گئی۔ یعنی سرزمین فلسطین سے جو اس کی بے حد مقدس یادگاروں کا مرکز رہی ہے، ایشیائے کوچک سے جہاں اس کے اولین کلیسے تیار ہوئے اور مصر سے بھی۔

مثلیث کے زبردست عقیدہ کا شیوع کہاں ہوا۔ قرطاجنہ میں جہاں سے یہ عقیدہ یورپ پر چھا گیا۔

یہ قطعاً غلط تصور ہے کہ عرب کی ترقی تلوار کے ذریعہ ہوئی۔ تلوار تسلیم شدہ قومی مسلک کو تبدیل کر سکتی ہے، لیکن وہ انسانی ضمیر کو متاثر نہیں کر سکتی، اگرچہ اس کی تائید میں یہ مضبوط دلیل ہے۔ لیکن اسلام ایشیا اور افریقہ کی گھریلو اور معاشرتی زندگی میں جاری و ساری ہوا اور عربی زبان اتنی بہت سی مختلف اقوام کی زبان قرار پائی ہمیں اس سے کہیں زیادہ غامض اور واضح دکھائی

اس سیاسی واقعہ کی صراحت میں ایک بات ان مفتوحہ ممالک کی معاشرتی زندگی میں مل سکتی ہے۔ ان ممالک میں مذہبی اثرات عرصہ دراز سے معدوم ہو گئے تھے۔ اور ان کی جگہ دینیات نے لے لی تھی۔ دینیات بھی وہ جو ایسی ناقابل فہم تھی کہ یونانی زبان کی عجیب و غریب صلاحیتیں بھی مشکل سے ہی اس کے دقیق مطالبہ کو پورا کر سکتی تھیں۔ لاطینی اور بربری بولیوں کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ حرف ناشناس لوگ جن کو معمولی معمولی باتوں کی فہم مشکل سے ہی دلائی جا سکتی تھی۔ اس طرح کی پُر اسرار باتوں کو سمجھ لیتے ان کو یہ باور کرایا جاتا تھا کہ ان ہی عقائد پر نسل انسانی پر جزا و سزا کا انحصار ہے، وہ دیکھتے تھے کہ پادریوں نے انفرادی زندگی کی اصلاح و رہبری کا کام چھوڑ دیا ہے۔ ذاتی نیکی یا بدی پر کوئی توجہ نہیں کی جاتی اور بداعمالیوں کو گناہ قرار نہیں دیا بلکہ عیسائیت کے مسلمہ اصولوں سے انحراف کی بنیاد پر گناہوں کے درجے مقرر کئے جاتے ہیں وہ دیکھتے تھے کہ روم قسطنطنیہ اور اسکندریہ میں کلیسا کے سربراہ اقتدار اعلیٰ کے لئے جان توڑ کوشش اور جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں اور اپنے مقاصد ہتھیاروں کی مدد سے اور ضمیر فروشی کے ذریعہ حاصل کر رہے ہیں۔

جب پادری اپنے مخالفین کو دھوکے سے قتل کرانے، زہر دلانے، حرام کاریوں، رنگ رلیوں عیاشیوں اور خانہ جنگیوں میں ملوث ہوں تو پھر عوام اعلیٰ اخلاق کے لئے کس کی مثال کو سامنے رکھتے۔ جب اسقف اور اسقف اعظم دنیوی قوت و اقتدار کے حصول کی خاطر باہمی رقابتوں میں ایک دوسرے کو کلیسائی حقوق سے محروم کر رہے ہوں۔ خواجہ سراؤں کو رشوت میں اشرفیاں دے رہے ہوں اور ڈیرہ دار طوائفوں اور شاہی خواتین کو اسقفی محبت کی رعایتوں سے نواز رہے ہوں، نیز اپنی آواز کو وحی آسمانی بتا کر کونسلوں اور

اسمبلیوں کے فیصلوں کو متاثر کرتے ہوں تو پھر اصلاح اور رہبری کی امید کس سے رکھی جاتی۔ ان گھٹیا درجہ کی سازشوں اور ذلیل حرکتوں کے ذریعہ جو فتنہ انگیز خطیب اپنی منتخب اسمبلیوں میں اختیار کرتے تھے۔ راہبوں کے انبوہ کثیر جو شاہی افواج میں خوف وہراس پھیلاتے اور بڑے شہروں میں بلوے کراتے تھے ان سے دینی اصولوں کے بارے میں خطرناک قسم کے تنازعات اٹھ کھڑے ہوتے تھے، لیکن کبھی بھی کوئی آواز عام انسانوں کے پامال شدہ حقوق کی آزادی کے لئے نہیں سنائی دیتی تھی۔ جب حالت یہ ہو تو نتیجہ سوائے بد دلی یا لاتعلقی کے اور کیا ہو سکتا تھا، اگر ضرورت پڑتی تو یقیناً لوگوں سے ایک ایسے نظام کے ساتھ تعاون کرنے کی بالکل توقع نہیں کی جاسکتی تھی جو ان کے دلوں میں اپنی جگہ کھو چکا تھا۔

حضرت محمد ﷺ کی تدفین کے فوری بعد ہی آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کے اثرات عرب کے حدود کے پار بھی ظاہر ہونے لگے۔ خود نبی کریم ﷺ نے سلطنت روما کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا تھا۔ اور دمشق کی جانب آپ ﷺ کی سرکردگی میں پیش قدمی شروع ہوگئی تھی لیکن آپ ﷺ کی علالت کے سبب یہ مقصد پورا نہیں ہو سکا تھا۔ آپ ﷺ کے جانشین خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ کو رومیوں اور ایرانیوں دونوں سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ مصر پر قبضہ ۶۳۸ء میں ہوا جب عربوں کو قبطیوں نے اس ملک پر حملہ کی دعوت دی۔ چند ہی ماہ کے اندر اندر مسلمان سالار حضرت عمرو بن العاصؓ نے خلیفہ کو لکھا۔ ”میں نے مغرب کا بڑا شہر اسکندریہ لے لیا ہے۔“ مصر پر مکمل طور پر قبضہ ہو گیا ہے۔ اس کے بعد بھی افریقہ پر قبضہ مکمل کرنے کے لئے بہت سی فوجی کارروائیاں کرنے کی ضرورت تھی۔ سالار فوج حضرت عبداللہؓ بن ابی صراح نو سو میل تک نفوذ کر کے طرابلس (الغرب) تک جا پہنچے لیکن پھر وہاں سے

لوٹ آئے۔ اس کے بعد بیس سال تک کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ اس لئے کہ حصول خلافت کے لئے جھگڑے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ پھر حضرت معاویہؓ نے اپنے نائب، سالار فوج عقبہ بن نافع کو مغرب کی جانب روانہ کیا جو بڑھتے ہوئے بحر ظلمات (بحر اوقیانوس) تک جا پہنچے، لیکن وہ اس وسیع علاقہ کو مستقل طور پر قبضہ میں نہ رکھ سکے۔ پھر ۶۹۸ء میں خلافت اموی کے چھٹے فرماں روا عبدالملک بن مروان نے فوجی کارروائیاں شروع کیں۔ ان کے نائب حسن نے قرطاجنہ (کارتھیج) پر قبضہ کر لیا۔ لیکن یہ قبضہ موسیٰ بن نصیر کے ہاتھوں سے ہوا۔ ان کی شہرت دو حیثیتوں سے تھی۔ ایک تو یہ کہ وہ ایک بہادر سپاہی تھے۔ دوسرے یہ کہ وہ ایک خوش بیان مبلغ تھے، اور اس طرح یہ خطہ جو اپنی دینی فراست کے اعتبار سے ممتاز تھا اور جس کے لئے جدید یورپ اس قدر رہین منت ہے تلوار کے ذریعہ ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا گیا۔ اب اس نے تبلیغ کرنا چھوڑ دی اور عبادت کی جانب مائل ہو گیا۔

اس سیاسی نتیجہ یعنی افریقہ پر عربوں کے قبضہ کے بعد اس چیز میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ وہی عنصر جس نے وینڈال قوم کے حملہ کے وقت اس قدر مؤثر کردار ادا کیا تھا، اب پھر منظر عام پر آیا اور اس نے مصر میں فتح حاصل کی۔ یونانی آبادی نہایت کثرواقع ہوئی تھی۔ دیسی باشندے حکومت کے طرفدار Jacobites تھے۔ وہ اپنے ہم مسلک لوگوں کے جبر و تشدد کے مقابلہ میں عرب کی وحدانیت کو قبول کرنے کے لئے زیادہ آمادہ تھے۔ عربوں نے اسکندریہ کے معاملہ میں سابقہ پالیسی کو جاری رکھا اور اس طرح عیسائی نظام میں اس شہر کی بطریقی حکومت کا سیاسی وجود ختم ہو گیا جو اتنے طویل عرصہ سے سازشوں سے سختیوں کے سبب زیر و زبر ہو رہا تھا۔ نئے نظام میں تعدد ازدواج کا ناقابل مزاحمت اثر جلد ہی ظاہر ہو گیا۔ ابھی ایک نسل ہی گزرنے پائی تھی کہ

شمالی افریقہ کے تمام بچے عربی بولنے لگے۔

حضرت ابوبکرؓ کے دورِ خلافت میں اور حضرت محمد ﷺ کی رحلت کے بعد بارہ سال کے اندر اندر عرب، ایران، شام اور افریقہ میں ۳۶ ہزار سے زیادہ شہروں، قصبوں اور قلعوں پر قبضہ کر چکے تھے۔ چند ہی سال میں انہوں نے قرآن کی حکمرانی کو ایک ایک ہزار میل تک مشرق اور مغرب میں پھیلا دیا تھا۔ افریقہ کی طرح شام میں بھی اس کی ابتدائی کامیابیاں انتہائی مؤثر طریقہ پر پروان چڑھیں۔ دمشق پر ایک سال کے محاصرے کے بعد قبضہ ہو گیا ۶۳۳ء میں جنگ اجنادین میں حضرت خالدؓ "سیف اللہ" نے ہرقل کی فوج کو شکست دی اور رومیوں کے پچاس ہزار آدمی کام آئے۔ اس کے جلد ہی بعد یروشلم، انطاکیہ، حلب، ٹائر اور طرابلس (الشرق) جیسے بڑے بڑے شہر فتح ہو گئے۔ ایک سرخ اونٹ پر جس پر ایک تھیلا ستو کا اور ایک تھیلا کھجور کا لدا ہوا تھا، ایک لکڑی کی رکابی اور ایک چمڑے کا مشکیزہ تھا۔ خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ یروشلم کا رسمی طور پر قبضہ لینے کے لئے مدینہ سے تشریف لائے۔ آپ عیسائی اسقف سفورنیس کے ساتھ ساتھ سواری پر بیٹھے ہوئے شہر میں داخل ہوئے۔ اسقف کی اطاعت سے کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خدا پر سے اس کا بھروسہ ختم ہو گیا ہے۔

شام کی فتح اور صیدا روم کی بندرگاہوں پر قبضہ سے عربوں کو سمندر پر غلبہ حاصل ہو گیا۔ انہوں نے بہت جلد رہوڈس اور قبرص بھی لے لئے۔

قادسیہ کی جنگ اور ایران کے پایۂ تخت طسفون کی تاراجی نے اس سلطنت کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ اسی طرح شام کلی طور پر خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کے زیر نگیں آگیا۔

یہ بات غلط طور پر شہرت پا گئی ہے کہ مسلمانوں نے اسکندریہ کا کتب خانہ جلا دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ بطلیموسی کتب خانہ تو ۴۸ ق-م میں جولیس

سپرد آتش کر چکا تھا اور بعد میں وہ حصہ جس کو دفتر کتب خانہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، شہنشاہ تھیوڈوسیس کے ایک فرمان کے نتیجہ میں تقریباً ۳۸۹ء میں تباہ کر دیا گیا تھا۔ لہٰذا عربوں کے داخلہ کے وقت اسکندریہ میں کوئی کتب خانہ موجود نہیں تھا، جس کو عرب جلاتے۔

عربوں کو بہت جلد علم کے سرپرست کی حیثیت سے ایک امتیازی مقام حاصل ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ علم کے اقلیم پر بھی اس تیزی و سرعت سے چھا گئے جس سرعت سے انہوں نے اپنے ہمسایہ ممالک پر غلبہ حاصل کیا تھا۔ یہ ایک رواج ہو گیا تھا کہ ریاست کے اعلیٰ مناسب ان لوگوں کو ملتے تھے جو اپنے علمی تبحر کی وجہ سے امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ بعض مقولے جو رائج ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ علم کو کتنا بلند مقام حاصل تھا۔

"عالم کے قلم کی سیاہی کا وہی مرتبہ ہے جو شہید کے خون کا۔"

"وہ شخص جس نے اپنے قلم کو حق بات کے اظہار کے لئے استعمال کیا، جنت کا ویسا ہی مستحق ہے جیسا وہ شخص جس نے تلوار سے قتل ہو کر شہادت کا درجہ حاصل کیا۔"

☆☆...... "دنیا چار چیزوں پر قائم ہے"

☆☆...... مرد دانا کی علمیت

☆☆...... بڑے لوگوں کا انصاف...

☆☆...... اللہ کی عبادت اور

☆☆...... بہادر کی شجاعت"۔

حضرت محمد ﷺ کی رحلت کے بیس سال کے اندر اندر خلیفہ چہارم سیدنا حضرت علیؓ کی زیر نگرانی، علم کی سرپرستی اسلامی نظام کا ایک طے شدہ

اصول قرار پائی۔ پھر خلفائے بغداد کی زیر نگرانی اس اصول پر پوری طرح عملدر آمد ہوا۔ ریاضیات، ہیئت، طب اور دیگر علوم کی تخلیق کرنے والے المنصور کے دربار میں کثرت سے موجود تھے۔ منصور نے جملہ مفکرین کو خواہ ان کے مذہبی عقائد کچھ بھی ہوتے، مدعو کر کے ان کو اپنی سرپرستی میں کام کرنے کا موقع دیا۔ اس کے جانشین ہارون الرشید کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جب بھی وہ سفر کرتا تھا اس کے جلو میں ایک سو علما ہوتے تھے۔ اس عظیم فرماں روا کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے یہ فرمان جاری کیا تھا کہ کوئی مسجد بھی ایسی تعمیر نہ کی جائے جس کے ساتھ ایک مدرسہ نہ ہو۔ اسی نے اپنے مدرسہ کی نگرانی کا کام ایک نسطوری راہب کو سپرد کر رکھا تھا۔ اس کے جانشین المامون کی تعلیم و تربیت قابل ترین ریاضی دانوں، فلسفیوں اور اطباء کے زیر نگرانی ہوئی تھی۔ وہ لوگ زندگی بھر اس کے مصاحبت میں رہے۔ یہی فرماں روا برابر کتب خانے قائم کرتے رہے۔ اور ان ہی زمانہ میں باقاعدگی سے مسودات کی فراہمی اور ان کے نقل کا کام ہوتا رہا۔ تمام بڑے بڑے شہروں میں یہ کثرت مدرسے تھے۔ اسکندریہ میں ان کی تعداد کم از کم بیس تھی، جیسا کہ توقع کی جا سکتی تھی۔ یہ امر ان قدیم متشدد جماعتوں کے غصہ اور خفگی کو ابھارنے کا موجب ہوتا تھا جو نہ صرف کج بحثی اور دلیل و حجت سے کام لیتے تھے۔ بلکہ قہر خداوندی سے بھی ڈراتے تھے۔ جو ان کے خیال کے مطابق لوگوں کے عقیدہ کو اس طرح ٹھیس پہنچانے کی وجہ سے نازل ہونا ضروری تھا۔ بہر حال جو کام اس طرح ایک پالیسی کے تحت شروع کیا گیا تھا اس نے جلد ہی ایک عادت کی شکل اختیار کر لی۔ پھر یہ بات مشاہدہ میں آئی کہ جو امیر آزادی حاصل کرنا چاہتا تھا وہ اکادمیاں قائم کر لیتا تھا۔

مغرب میں عقیدہ کا دور :

تین یلغاریں :-

☆ شمالی یا اخلاقی ...... ﴿۱﴾

☆ مغربی (قرآنی) یا ذہنی ...... ﴿۲﴾

☆ مشرقی یا عسکری ...... ﴿۳﴾

رومی نظام اور اس کی عارضی سرزنشوں اور جھڑکیوں پر شمالی یا اخلاقی یلغار۔

رومی عیسائیت کی جغرافیائی حدود...... اس پر یلغار،

شمالی یا اخلاقی حملہ

جرمنی کے شہنشاہ پاپائیت میں قرآنی اصلاحات پر اصرار کرتے ہیں۔

...... گربرٹ (۱) جو قرآن کے ان خیالات کا نمائندہ ہے پوپ کے منصب پر فائز کر دیا جاتا ہے۔

رومی نظام کے ذہنی استرداد Intellectual Rejection کا آغاز۔ یا اس کی ابتداء "دلیل کے ساتھ بات کو منوانے کا حق قرآنی اصول و قوانین کی روشنی میں" سے ہوئی۔

۱۔ اس کا اصلی نام گربرٹ تھا، لیکن تاریخ میں سلویسٹر دوم کے نام سے مشہور ہے۔ ۹۴۰ء کے لگ بھگ فرانس کے ایک مشہور شہر اوری لک کے قریب پیدا ہوا۔ نہایت فاضل انسان تھا۔ خصوصاً ریاضی اور نیچرل سائنس میں تجربہ حاصل کیا۔ شروع میں ریمز کے مقام پر معلمی کی ۹۹۱ء میں وہیں کا آرچ بشپ مقرر ہوا۔ ۹۹۸ء میں ریونیا کے آرچ بشپ کا منصب دیا گیا۔ ۹۹۹ء میں پوپ کے منصب پر تعیناتی ہوئی اور یہ منصب اس کی وفات (۱۰۰۳ء) تک قائم رہا۔ مختلف موضوعات پر کئی کتابیں تصنیف کیں۔

قرآنی متکلمانہ اصول

کا آغاز وار تقاء

عیسائی راہبوں میں بغاوت :

گریگوری ہفتم (۱) از خود پاپائیت کے علاقہ میں قرآنی اصلاح کو تسلیم کر لیتا اور نافذ کر دیتا ہے، کسی خیال کی دنیا کو اکثر ہندسی خطوط کے ذریعہ متعین کیا جاسکتا ہے۔

اگر روم کو مرکز مان کر دو خطوط کھینچے جائیں جن میں سے ایک مشرق کی طرف کو جاتا اور باسفورس کے ایشیائی ساحل کو چھوتا ہو اور دوسرا مغرب کی سمت میں کھینچا گیا ہو اور کوہستان پرنیز کو پار کر کے دوسری طرف چلا جائے تو تقریباً وہ تمام رومی ممالک جو ان خطوط کے جنوب میں پڑتے ہیں اس مذہبی

ا۔ اصلی نام ہلڈے برینڈ تھا۔ لیکن پوپ کے عہدہ پر فائز ہونے کے بعد گریگوری ہفتم کے لقب سے جانا پہچانا گیا اور یہی اب اس کا اصلی نام سمجھا جاتا ہے۔ علاقہ ٹسکنی میں سینا کے قریب پیدا ہوا۔ شروع میں بینے ڈکٹائین فرقے کا راہب رہا۔ پھر مختلف مناصب پر فائز ہوتا ہوا پوپ کے منصب پر فائز ہوا۔ یہ منصب اس کے پاس ۱۰۷۳ء سے ۱۰۸۵ء تک رہا۔ کسی بات پر جرمنی کے شہنشاہ ہنری ہفتم سے آن بَن ہو گئی۔ اس کے سبب ہنری نے اس کو روم سے نکال دیا۔ وہ سیلرنو چلا گیا۔ اور وہیں حالتِ جلاوطنی ۱۰۸۵ء میں فوت ہو گیا۔

عقیدہ کے مطابق اس زمانہ میں زندگی بسر کر رہے تھے جس کے بارے میں ہم گفتگو کر رہے ہیں۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

''کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔''

لیکن جو ممالک (ان خطوط کے) شمال میں واقع تھے انہوں نے مقدس تثلیث کے تصور، کنواری مریم کی تعظیم تشبیہات کی پوجا، اولیاء سے منتیں ماننے اور تبرکات اور درگاہوں سے عقیدت و وابستگی رکھنے میں بیش از بیش اضافہ کیا تھا۔ جو شخص نویں اور بارھویں صدی کا موازنہ کرتا ہے وہ اس بات کو سمجھنے میں ناکام نہیں رہے گا کہ قرآنی تعلیم سے یورپ میں ذہنی ترقی ہوئی اور عیسائیوں کے ذہنوں میں جو خیالات بھرے ہوئے تھے وہ اس کے اثر سے پوری طرح تبدیل ہو گئے۔

جرمن قوم کی سنجیدگی قرآنی تعلیم سے مخلوط ہو کر اس دینیاتی بحث کے دھندلے بادلوں سے کبھی بھی منحرف نہیں ہو سکتی، جس سے فلسفہ برآمد ہوا۔ نہ اس یونانی کلاسکی جوہر میں جس میں اسکندریہ کے مقام پر وہ گم ہو کر رہ گئی تھی۔ بلکہ نفس کش راہب کے مضحک لبادہ میں ظاہر ہوئی۔ وہ کسی قدر ہچکچاتے ہوئے متکلمانہ انداز سے دنیا میں واپس آئی اور انسانوں کو عیسائیت کے ان مروّجہ عقائد پر غور کرنے کی ترغیب دی، جو معلوم ہوتا تھا کہ عقلِ عام سے کوئی سروکار نہیں رکھتے، جیسے ہی اس چیز کی بھنک مذہبی حلقوں کے کان میں پڑی، اقتدار کے خلاف ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا اور چونکہ ضروری تھا کہ اس طوفان کا مقابلہ اسی کے ہتھیار سے کیا جائے اس لئے کلیسا مجبور ہو کر کہ وہ بھی وہی متکلمانہ دینیات کا غازہ اپنے چہرہ پر مل لے، خود کو اخلاقی ضابطہ کے تقاضہ کے زیر اثر لا کر اور مذہبی ترقی کی شمولیت کو پوری طرح مسترد نہ کردے ایک

انسان ہلڈے برینڈ (۱) نے کلیسائی اصلاح کو جنم دیا۔ اس نے پاپائیت کو قوت و اقتدار کے انتہائی نقطہ پر پہنچادیا۔ اور اپنے جانشینوں کے لئے یورپ کے مادّی وسائل کو صلیبی جنگوں کے ذریعہ قبضہ میں لانے کے لئے راہ ہموار کرنے لگا۔

یہ خطرہ سر پر منڈلا رہا تھا کہ یورپ مذہبِ اسلام قبول کرلے گا۔

۱۔ ہلڈے برینڈ کے بارے میں پہلے بتایا جا چکا ہے۔ وہ پاپائیت کے منصب پر پوپ گریگوری ہفتم کے لقب سے ۱۰۷۳ء سے ۱۰۸۵ء تک فائز رہا۔ ۱۰۸۵ء میں حالت جلاوطنی سلرنو میں فوت ہوا۔

قرآن اور یورپ
کا سائنسی وتہذیبی انقلاب

واقعات کے تفصیلی تجزیے سے ظاہر ہوتا ہے کہ روم پر تین طرف
سے دباؤ پڑ رہا تھا۔ قرآنی تعلیمات کا مشرق سے دباؤ یعنی قاہرہ، دمشق اور بغداد
سے اسپین و مراکش سے اور ان سب کا حاصل شمال کی جانب سے دباؤ تھا۔ جو
لازماً عیسوی تھا۔ جبکہ قرآنی دباؤ بیرونی نوعیت کے تھے، اور یہ دباؤ گھریلو یا داخلی
تھا۔ ہم شالی جرمن دباؤ کا ذکر مغرب سے اور بعد میں مشرق سے پڑنے والے
دباؤ سے پہلے کریں گے۔ اس وقت ایک فوری خطرہ یہ تھا کہ کہیں یورپ اسلام
کا حلقہ بگوش نہ ہو جائے، لہٰذا یہ امر ضروری سا ہو گیا تھا کہ پاپائیت کی اصلاح
کے لئے کچھ کیا جائے۔

پاپاؤں کے جرائم جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے، یہ تھا کہ ان سے ایک اوسط
درجہ کے شریف آدمی کی بھی ہتک ہوتی تھی اور اس مقصد کو تکمیل تک پہنچانے
کی غرض سے اور تحریک کی روح کو سمجھنے کے لئے ہمیں اس کا گہرا مطالعہ کرنا
ہوگا۔ یہ تحریک ان قرآنی اثرات کی نمائندہ ہے جو ایک انتہائی ضروری واسطہ
قائم کرنے کے لئے پیش کئے گئے تھے۔

شہنشاہ اوٹو سوم (۱) کے جلو میں جب اس نے اس شورش کو روکنے کا

۱۔ اوٹو دوم کا لڑکا تھا۔ ۹۸۰ء میں پیدا ہوا۔ ۹۸۳ء سے ۱۰۰۲ء تک ہولی رومن
... کم عمری کی وجہ سے شروع کے آٹھ سال ... (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تہیہ کیا پاپاؤں میں ایک فرانسیسی گربرٹ بھی تھا، جو آورنے کے مقام پر پیدا ہوا تھا۔ لڑکپن میں جب وہ ایوریاک کی خانقاہ میں ایک طالب علم تھا اس نے بارسلونا(۱) کے کاؤنٹ کی توجہ کو اپنی جانب منعطف کرلیا، جو اسے ایک اسلامی جامعہ میں لے گیا۔ وہاں اس نے مسلمانوں کی ریاضی سائنس، ہیئت اور طبیعیات میں مہارت حاصل کرلی۔ وہ عربی زبان مسلمانوں کی طرح نہایت روانی سے بولتا تھا۔

جب اس کا قیام اسلامی جامعہ میں تھا تو وہاں مسلمان حکمران اس دور کے جملہ علوم وفنون کی سرپرستی کرتے تھے اور بعد میں جب اس کا قیام روم میں رہا تو وہاں اس نے ناقابلِ تصور حد تک جہالت اور بدچلنی کا مشاہدہ کیا۔ اس نے ریمز Rheimes (۲) کے مقام پر ایک عربی مدرسہ قائم کیا۔ جہاں اس

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) (۹۸۳ء۔۹۹۱ء) تک اپنی ماں کے زیرِ تولیت رہا۔ ماں کے انتقال کے بعد ۹۹۱ء سے ۹۹۶ء تک مین کے آرچ بشپ نے اس کے ولی کی حیثیت سے کام کیا۔ ۹۹۶ء میں آزاد ہو کر امورِ جہاں بانی انجام دینے لگا۔ ۹۹۸ء سے ۱۰۰۲ء تک شہر روم میں قیام کیا اور اپنے استاد سلوایسٹر دوم کو پوپ بنایا۔

۱۔ اسپین کا ایک قدیم شہر ہے۔ تیسری صدی قبل مسیح میں آباد ہوا تھا، پہلے اس کا نام بارسی نو تھا۔ پھر بارسی نو نا ہوا۔ مسلمانوں کے دور میں برشلونا ہوا۔ اب بارسلونا ہے۔ شیر ہ روم کا ہدرگاہ اور ایک بڑا صنعتی مرکز ہے۔ یہاں قدیم آثار پائے جاتے ہیں، جن میں ایک ہسپانوی قوطی گرجا اور رومیوں کے زمانہ کے ایک قلعہ کی دیوار شامل ہیں۔ میڈرڈ سے اس کا فاصلہ ۳۱۵ میل ہے۔

۲۔ اس کا قدیم نام دورد کور تورم تھا۔ بعد میں ریمی اور آخر کار ریمز ہو گیا۔ شمال مشرقی فرانس میں واقع ہے۔ یہاں تیرہویں صدی کا ایک قوطی گرجا ہے۔ اس وقت یہ ریلوں اور سڑکوں کا جنکشن اور بڑا صنعتی مرکز ہے۔

نے اسلامی سائنسی علوم کرہ اور بال فریم کی مدد سے سکھائے جو اس وقت کائنات عالم میں شمار ہوتے تھے۔

ریمز Rheimes کی کونسل میں اور لینس (۱) کے پادری نے جو تقریر کی وہ اسی کی مرتب کی ہوئی تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی تعلیم نے اس کی عیسائی دنیا میں اشیاء کی حالت پر غور کرنے کے سلسلہ میں کیسے رہبری کی تھی۔ یہ بات مشہور ہے کہ "روم میں ایک متنفس بھی ایسا نہیں ہے جو قربان کی اسامی کے لئے بھی ضروری معلومات اور صلاحیت رکھتا ہو۔" وہ پاپاؤں کے جرائم اور ذلیل حرکتوں کی داستانیں بیان کرتا ہے۔

پاپائیت مشرق کی اطاعت سے پہلے ہی محروم ہو چکی تھی۔ اسکندریہ، انطاکیہ، افریقہ اور ایشیا اس سے علیحدہ ہو چکے ہیں۔ قسطنطنیہ کے تعلقات ڈھیلے پڑ چکے ہیں اور اسپین کے اندرونی حصے پاپا کے نام سے ناآشنا ہیں۔

ان حالات میں صریحی طور پر پاپائیت کے خلاف بلکہ اس کی مصیبتوں کے مقابلہ میں ایک باغیانہ لہر اٹھتی ہے اور ہمیں اس آویزش کا مشاہدہ ہوتا ہے جو قرآنی علوم قرآنی اخلاق اور رومی جہالت اور جرم کے مابین رونما ہوتی ہے جو آگے کار یورپ کے لئے ایسے اہم نتائج پیدا کرتی ہے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب شہنشاہ اوٹو سوم قرآنی اصلاحات نافذ کرنے کی فکر میں لگا ہوا تھا۔ اس نے گربرٹ کو جو قرآنی علوم کا ایک ممتاز اسکالر تھا۔ اپنی پالیسی کے لئے مفید اور موزوں دیکھتے ہوئے گریگوری پنجم کی وفات پر ریونیا کے آرچ بشپ کی حیثیت سے منقرر کیا۔ شہنشاہ اوٹو نے گربرٹ کے۔ سلویسٹر ثانی

---

(۱) اور لینس کا قدیم نام اورے لیانم تھا۔ شمالی فرانس میں دریائے لوئر کے کنارے واقع ہے۔ اس کا فاصلہ پیرس سے ۷۰ میل ہے۔ ریلوں، کا جنکشن اور مختلف صنعتوں کا مرکز ہے۔ یہاں ایک پرانا گرجا ہے۔

کے نام سے انتخاب کے لئے حکم جاری کر دئے۔

سلویسٹر (گربرٹ) کو پاپا کے منصب پر رکھنے کے لئے اوٹوسوم کی توجہ درکار تھی۔ ایک لمحہ کے لئے ایسا محسوس ہونے لگا تھا گویا یہ اصلاح کئی صدیوں پہلے سے متوقع تھی۔ یعنی عیسائی یورپ اس بات کا انتظار کر رہا تھا کہ پاپائیت کی لعنت سے اس کو نجات مل جائے۔

اس وقت ایک عالم قرآن کا علم رکھنے والا اور راست باز پوپ (گربرٹ) بھی موجود تھا، اور ایک نوجوان شہنشاہ اوٹوسوم عربی کا فاضل بھی لیکن اسٹیفانیا کی ذات ایسی تھی کہ اس نے رومی رقابت کو کام میں لا کر ان توقعات کو خاک میں ملا دیا۔ اس جابر مگر بظاہر شریف مجرم کے ہاتھوں سے جو روم کے مقصد کے استحکام سے زیادہ دانستہ طور پر اس کی خوبی کے بدلہ میں انتقام لے سکتا تھا۔ صاف دل شہنشاہ اوٹو نے زہر کا پیالہ پی لیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ روم سے رخصت ہوتے ہی فوت ہو گیا۔ اس وقت اس کی عمر محض اٹھائیس سال تھی۔

جہاں تک پوپ سلویسٹر دوم کا تعلق ہے وہ بھی ان زہر یلی ادویہ سے جو چوری چھپے اس کے کھانے میں ملا دی جاتی تھیں، گھلتا چلا گیا۔ اور جلد ہی اپنے مربی شہنشاہ اوٹو کے پیچھے پیچھے کنج لحد میں جا پہنچا۔

حالات بدبختی کے اس درجہ پر پہنچ چکے تھے کہ اب وہ تقریباً لا علاج ہو گئے تھے۔ پاپاؤں کی سیاہ کاریوں کا اثر بغیر کسی روک تھام کے پادریوں کی جماعت میں بھی پہنچ چکا تھا۔ شہوانیت کا غلبہ اور ناجائز تعلقات کا چلن عام تھا۔ کلیساؤں میں مناصب کی ترقی کو خریدا جا سکتا تھا۔ پادری اور قسیس اپنے ناجائز خاندانوں پر فخر کرتے تھے۔ اور ہر قسیس کے ساتھ ایک داشتہ ہوتی تھی۔ یہ بدکاریاں جو اس طرح یورپ کے چند برگزیدہ اور مقدس افراد پر مسلط ہو گئی تھیں۔ ان کا رد عمل ہوا اور اس کا نتیجہ بغاوت کی شکل میں منظر عام پر آیا۔

، فرانس، سپانیہ اور جنوبی یورپ میں حاصل قرآن لوگوں کی موجودگی سے مغرب کے بے چین و مضطرب ذہن کو برابر تحریک مل رہی تھی۔ یعنی ایک قسم کی ذہنیت وہاں سے درآمد ہو رہی تھی۔

قرآنی کلچر غیر مرئی طور پر اور نہایت خاموشی سے اپنے اثرات پورے فرانس اور یورپ میں پھیلا رہا تھا۔ اور اہلِ کلیسا بعض اوقات اپنے دشمنوں سے جان بچا کر ملحدین (مسلمانوں) میں پناہ لینے پر مائل ہوتے تھے۔ فاصل ایبے (۱) لارڈ خود اس فکر میں تھا کہ کلیسائیوں کی ایذا رسانیوں سے بچ کر مسلمانوں کے پاس چلا جائے۔ مائل قرآن لوگ "خوانندہ راہبوں" کے لئے سایۂ عاطفت Protection کی حیثیت رکھتے تھے۔

آرچ بشپ ہنک مار (۲) Hincmar نے عربی زبان کے ایک فاضل جان ایری جینا (۳) John Erigena کو ۸۴۵ء میں اس کام پر متعین کیا

۱۔ پورا نام پیٹر ایبیے لارڈ Peter Abelard تھا۔ وہ علوم اسلامی میں کافی دست رس رکھتا تھا۔ اور اکثر امور میں قرآن کریم سے استدلال کرتا تھا اس لئے کلیسا کی نظر میں وہ ملحد تھا۔

۲۔ ہنک مار (۸۰۵ء تا ۸۸۲ء) ریمز کا آرچ بشپ تھا (۸۴۵ء)، اپنے زمانہ کے سیاسی اور مذہبی معاملات میں بڑی گہری نظر رکھتا تھا، مذہبی مناقشات سے متاثر ہو کر اس نے کئی مقالات لکھے۔

۳۔ اس کے نام کو کئی طرح سے لکھا اور بولا جاتا ہے لیکن زیادہ صحیح جوانیس اسکاٹس اری جینا Johannes Scotus Erigena ہے۔ اس کی تاریخ ولادت اور تاریخ وفات میں بھی اختلاف ہے۔ لیکن بعض قرائین کی بنیاد پر اس کا زمانہ ۸۱۵ء تا ۸۷۷ء بتایا جاتا ہے۔ اس کے والدین غالباً، سکاٹ لینڈ کے رہنے والے تھے لیکن وہ خود آئر لینڈ میں پیدا ہوا اور وہیں کا باشندہ سمجھا جاتا ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور خوشبوئیات میں بسے ہوتے تھے اور چونکہ انسانی شبیہ منا نا مذہباً ممنوع ہے اور اس کو بطور سامان آرائش رکھنا منع ہے اس لئے ایک عرب کا تخیل طرح طرح کے طغرائی شکل کی گلکاری کی جانب مائل ہوتا اور وہ فنون لطیفہ کے ممنوع کام کی جگہ باغ سے متعلق اشیاء اور عجائبات سے گھروں کو زینت دیتا تھا۔

مغربی دنیا کے خیال میں ابتدائی دور کے عرب کبھی بھی، فنون لطیفہ کے اچھے نمونے پیش نہ کر سکے۔ مذہب نے ان کی توجہ جمالیات کی جانب سے ہٹا دی اور انہیں سپاہی، سائنداں، فلسفی کاروباری انسان بنادیا۔ (۱)

خوبصورت پھولوں اور نایاب غیر ملکی پودوں سے صحنوں اور اندرونی کمروں تک زینت دی جاتی تھی۔ صفائی، مکینوں کے مشاغل اور تفریحات کی جانب خاص توجہ تھی۔ سیسے کے نلوں کے ذریعہ گرم اور ٹھنڈا پانی جو سال کے ہر موسم کے مطابق ہوتا تھا۔ سنگ مرمر سے بنے ہوئے تماموں تک پہنچایا جاتا تھا۔

خواتین کی تفریح کے لئے گیلریاں بنی ہوئی تھیں اور بچوں کے لئے بھول بھلیاں اور سنگ مرمر سے پٹے ہوئے کھیل کے میدان تھے۔ خود خلیفہ کے لئے بڑے بڑے کتب خانے تھے۔ سب سے بڑا کتب خانہ اتنا وسیع تھا کہ اس کی فہرست کتب ہی چالیس جلدوں پر مشتمل تھی۔ محل میں بڑے بڑے کمرے

۱۔ مغربی دنیا کے نزدیک جمالیات اور فنون لطیفہ سے مراد عریاں قسم کی تصویر کشی، مجسمہ سازی اور رقص و سرور ہے۔ وہ تعمیرات، منبت کاری، پچی کاری، خطاطی، چمن آرائی وغیرہ کو حسن و رعنائی سے عاری سمجھتے ہیں۔ اس لئے ان کو جمالیات اور فنون لطیفہ کی حدود سے خارج قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ عربوں کی جن چیزوں کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے، ان سے ان کی جمالیاتی حس کا پوری طرح اظہار ہوتا ہے۔ لیکن مغرب نے جمالیات کا جو معیار قائم کیا ہے وہ دوسرا ہے۔ اس لئے عربوں کی تمام چیزیں اہل مغرب کو حسن سے عاری نظر آتی ہیں۔

تھے۔ جہاں کتابیں نقل ہوتیں، ان کو مرتب کیا جاتا اور ان میں تزئین و آرائش کا کام ہوتا تھا۔ خطاطی کے ذوق اور شاندار، مطلا و مذہب کتابوں کے حصول کے شوق سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ایشیا اور جنوب مغربی یورپ میں ان چیزوں کی قدر تھی۔

یہ تھے مدینۃ الزہراء کے وہ محلات و باغات جو عبدالرحمٰن الناصر نے اپنی محبوب ملکہ کے لئے ہوا کر اس کی عزت افزائی کی تھی۔ اس عمارت میں بارہ سو ستون الیانیہ، اٹلی اور افریقہ سے آئے ہوئے ماربل کے تھے۔ دربار عام میں دیواروں پر سونے کے پتر چڑھے ہوئے اور موتی جڑے ہوئے تھے۔ اس کی نگرانی پر ۱۶۵۰۰ افراد تعینات تھے اور خلیفہ کے محافظ دستہ میں ۱۲۰۰۰ گھڑ سوار شامل تھے۔

یہی وہ عبدالرحمٰن تھا جس نے اپنے پچاس سالہ شاندار دور حکومت کے بعد جب ان ایام کا حساب لگایا جن میں اس کو حقیقی مسرت نصیب ہوئی تو پتہ چلا کہ ان ایام کی تعداد محض ۱۴ تھی۔ اس چیز سے متاثر ہو کر خلیفہ نے نہایت حسرت بھرے لہجہ میں کہا تھا۔

"اے انسان! تو اس عالم پر قطعا بھروسہ نہ کرنا۔"

کوئی قوم بھی اپنے باغوں کی خوبی و خوشنمائی میں عربوں سے سبقت نہیں لے گئی۔ ہم ان کے مرہون احسان ہیں کہ انہوں نے ہمارے یہاں متعدد گراں قدر پھل باہر سے لاکر لگائے۔ جیسے "شفتالو"

اپنے بزرگوں کی آب خنک سے شیفتگی کو قائم رکھتے ہوئے انہوں نے کثرت سے چشمے جاری کئے۔ مائی تعمیرات Hydraulic Works اور مصنوعی جھیلیں بنائیں جن میں دستر خوان کے لئے مچھلیاں پالی جاتی تھیں۔ انہوں نے دوسرے ملکوں کے جانوروں کے لئے افزائش خانے قائم کئے۔ چڑیا

جب اس کو پاپائی اقتدار کے ذریعہ خاموش کیا جائے۔"

ایبے لارڈ کے تثلیث کے عقیدے کے ماننے سے انکار کرنا اتنا بڑا جرم نہیں تھا جتنا قرآن کے اصول استدلال کی برتری کو تسلیم کرنا۔ یہی چیز اس کے موجبات سزا کو یقینی بنا دیتی ہے۔ ایبے لارڈ اپنی کتاب بعنوان "پس ایسا نہیں ہے" Sic- Et Non میں فادرس Fathers کی متضاد آرا پیش کرتا ہے اور اہم اصولی معاملات پر ان کے تنازعات اور جھگڑوں کو منظر عام پر لاتا ہے۔ اس طرح وہ پردے پردے میں یہ بتا دیتا ہے کہ کلیسا میں یک جہتی کی کتنی کمی ہے۔"

پطرس مقدس Peter The Venerable :

متکلمانہ فلسفہ کے ارتقا کو مسلمانوں کی شاندار روایات سے تحریک ملی، جنھوں نے اپنی طبعی تحقیقات سے پیشتر ہی ایک ایسی روش اختیار کر لی تھی جو شاندار نتائج پر منتج ہوتی تھی۔

شہنشاہ لیو(۱) :

خلیفہ یزید بن عبد الملک (۲) کا پکا دوست اور عربی زبان اور قرآن کا شیدائی۔

۱۔ اور ۲۔ لیو Leo نام کے مشرقی سلطنت روما کے چھ حکمراں (شہنشاہ) ہوئے ہیں، لیو اول (۴۵۷ء - ۴۷۴ء)، لیو دوم (۴۷۳ء - ۴۷۴ء)، لیو سوم (۷۱۷ء - ۷۴۱ء)، لیو چہارم (۷۷۵ء - ۷۸۰ء)، لیو پنجم (۸۱۳ء - ۸۲۰ء)، اور لیو ششم (۸۸۶ء - ۹۱۲ء)، یہاں جس شہنشاہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ لیو سوم تھا۔ یہ شہنشاہ ۶۸۰ء کے لگ بھگ پیدا ہوا تھا۔ اور یہ وہ سنہ ہے جس میں کربلا کا واقعہ پیش آیا۔ یزید بن معاویہؓ بن ابی سفیان کا انتقال ۶۸۳ء میں ہو گیا تھا۔ لیو سوم کا انتقال ہشام بن عبد الملک سے دو سال قبل ہوا۔

۷۲۶ء میں اس نے ایک اعلان کے ذریعہ تصاویر کی پرستش کی ممانعت کر دی۔ جس چیز کو دوسروں نے بھی تقلید کی۔ گرجا کی دیواروں کو دھوتے وقت ان تصاویروں کو مٹا دیا گیا۔ اس پر شہنشاہ کو یہ کہہ کر ملامت کی گئی کہ وہ مسلمان ہو گیا ہے۔ اس لئے کہ اس نے ہمارے نجات دہندہ (حضرت عیسیٰ) کے مجسمہ کو جو کالکو پراشیا Ohaloopratia کہلاتا تھا۔ ہٹا دینے کا حکم جاری کیا، راہبوں نے تمام سلطنت میں بغاوت کر دی۔ شہنشاہ کو ہر جگہ مسلمان (ملحد) کہہ کر اس پر کھلم کھلا لعنت ملامت کی۔ اس کو ملحد اور معبود ماور Thother God کا دشمن قرار دے دیا گیا۔ لیکن لیو جب تک زندہ رہا پورے عزم و ہمت سے قرآنی نظام کو اپنائے رہا۔

اس کے بیٹے اور جانشین (قسطنطین پنجم (۱)) نے بھی اس کی جاری کردہ قرآنی پالیسی کو جاری رکھا، ۷۵۴ء میں اس نے قسطنطنیہ کے مقام پر ایک کونسل بلائی جس میں ۳۸۸ اسقفوں نے شرکت کی اور ہمارے نجات دہندہ (حضرت عیسیٰ) کو خدا کا بیٹا کہنے کی بجائے محض ایک انسان قرار دیا۔ (۲) سچ پوچھئے تو اس کی سوانح حیات سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اس کے اسلام کی جانب رجحان میں قسطنطنیہ کا اعلیٰ طبقہ بھی برابر کا شریک تھا۔ البتہ راہبوں نے ایک ہنگامہ بپا کر دیا۔ لیکن وہ قتل کر دئے گئے۔ اور پاپائے اعظم کا نائب سفیر اس کامیابی میں حصہ لیتا دکھائی دیتا ہے۔

اس وقت کے سیاست دانوں کو جنہوں نے ان ہنگاموں کو ہوا دی تھی

۱۔ قسطنطین پنجم (۷۴۱ء تا ۷۷۵ء)

۲۔ دوبسٹر بایو گرافیکل ڈکشنری صفحہ ۳۴۲ پر مرقوم ہے۔ "وہ ایک بُت شکن تھا۔ اس نے رہبانیت اور خانقاہیت کو سختی سے کچل دیا۔ شبیہ کی پرستش کے سلسلہ میں ۷۵۳ء میں ایک کونسل بلائی۔"

یہ توقع تھی کہ ان سے لاطینی اور یونانی کلیساؤں کی تفریق ختم ہو جائے گی، لیکن اس کوشش میں وہ ناکام ثابت ہوئے۔ البتہ ان کی وجہ سے ان بظاہر خوشنما دعاوی کے ساتھ پاپائے اعظم کو اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ تک ہر عیسائی کی ذات پر کنٹرول حاصل ہو گیا۔

ان دعاوی کے تحت یورپ کے تمام حصوں میں محاصل کے بڑھانے کا اس کو حق حاصل ہو گیا۔ اس طرح بعید ترین قوموں کی آمدنیوں میں سے کسی ایسے کام کے لئے جس کے متعلق کوئی استفسار کی جرأت نہیں کر سکتا تھا رقم کھینچے کا اہتمام کر لیا گیا۔ اگر کوئی شخص اس طرح کی جرأت کر بیٹھتا تو فوراً الحاد کی تہمت لگا دی جاتی تھی۔ اس طرح دولت کا ایک مستقل چشمہ تھا۔ جس کا بہاؤ لگاتار اٹلی کی جانب ہو رہا تھا۔ پاپاؤں میں سے کسی ایک نے بھی کسی جہاد (صلیبی جنگ) میں حصہ نہیں لیا۔ اور کلیسا اس معاملہ میں ایک کارپوریشن کی حیثیت سے بے حد محتاط رہتی تھی کہ اس قسم کی مہمات پر نہایت قلیل رقم صرف کی جائے۔ پاپائیت کو دولت کثیر حاصل ہوتی تھی۔ کمزور دل و دماغ اور عقیدہ کے گنہگار اور وہ لوگ جو قریب المرگ ہوتے تھے بڑی بڑی جاگیریں اور املاک دے ڈالتے تھے تاکہ عالم آخرت میں ان کی روحیں نجات پا سکیں۔ اس لئے جہاد کا اثر کلیسا کے حق میں ایک منفرد نوعیت کا مفاد تھا۔ جس کی وجہ سے اس کو وہ برتر و بالاتر قوت نصیب تھی جو اس کو پہلے کبھی حاصل نہیں ہوئی تھی۔

جرمنی کے مقابلہ میں پاپاؤں نے اپنی مدافعت کے لئے کسی چالبازی کے اختیار کرنے میں کبھی بھی تامل نہیں کیا۔ انھوں نے پرنس ہنری کو اپنے بڑے مخالفین یہاں تک کہ اپنے باپ کے خلاف بغاوت کرنے پر اکسایا اور اس کی تادیب کے لئے مداخلت نہیں کی، بلکہ اس معاملہ میں اس کی اعانت فرمائی۔

جب پرنس نے اپنے باپ کو قید میں ڈال دیا اور اس کو ضروریات زندگی تک سے محروم کر دیا تو انھوں نے اپنے انتقام کو قبر کی منزل سے بھی آگے تک پہنچا کر

چھوڑا۔ جب کمسن سال شہنشاہ شکستہ خاطر ہو کر ان کی عقوبت سے بچ گیا۔ اور لیج Liege کے اسقف نے اس کو باعزت طریقہ پر دفن کر دیا تو اس رئیس کلیسا کو بطور سزا کلیسائی حقوق سے محروم کر دیا گیا۔ اور اس کو مجبور کیا گیا کہ وہ قبر کو کھدوا کر لاش نکال پھینکے۔

لیکن اس نوع کے جرائم کی جن کے خلاف فطرت انسانی بغاوت کرتی ہے۔ مکافات ہے۔ پرنس نے ہنری پنجم کی حیثیت اختیار کر کے روم کے خلاف یلغار کی اور تلوار کی دھار پر اپنے رقیب پوپ پسکل ثانی Paschal II (۱) کو مجبور کیا کہ وہ پاپائیت کی املاک اور مراعات سے دست بردار ہو جائے۔

برنارڈ Bernard (۲) نے دوسری صلیبی جنگ کا اعلان کیا جس کو بادشاہوں نے عملی جامہ پہنایا۔ ان کے ساتھ متعصب قسم کی خواتین بھی شامل تھیں۔ جنھوں نے مردانہ زرہیں پہن رکھی تھیں، لیکن یہ جہاد ناکامی پر منتج ہوا۔

اس کے باوجود تیسری صلیبی جنگ کے لئے اہتمام کیا گیا جس میں ارض مقدس میں حالات بد سے بدتر ہو گئے۔ صلاح الدین نے ۱۱۸۷ء میں یروشلم پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ باربروسہ (۳)، پسی ڈیا Pisidia (۴) میں ایک

۱۔ پسکل ثانی ۱۶۰واں پوپ تھا۔ اس کا اصلی نام رینی ری Ranieri تھا۔ ۱۰۹۹ء سے ۱۱۱۸ء تک پوپ کے عہدے پر فائز رہا۔

۲۔ برنارڈ (۱۰۱۹ء تا ۱۱۵۳ء) فرانسیسی کلیسا سے متعلق تھا۔ بعد میں انوسینٹ دوم کی پاپائی عدالت میں کافی اثر و رسوخ حاصل کر لیا۔ ۱۱۴۶ء میں عیسائیوں کو فرانس میں مدعو کیا اور دوسری صلیبی جنگ کا اعلان کیا، جو ۱۱۴۷ء میں شروع ہوئی۔

۳۔ باربروسہ، ہولی رومن امپرر فریڈرک اول کا لقب تھا۔ وہ فریڈرک باربروسہ کے نام سے بھی مشہور ہے۔ ۱۱۲۳ء کے لگ بھگ پیدا ہوا اور جون ۱۱۹۰ء میں موجودہ ترکی کے ایک دریا میں ڈوب کر مر گیا۔ وہ ۱۱۵۲ء سے ۱۱۹۰ء تک ہولی رومن امپرر رہا۔

۴۔ پسی ڈیا ایشیائے کوچک کے جنوب میں زمانۂ قدیم میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دریا میں غرق ہو گیا۔ انگلستان کا فرماں روا قید کر لیا گیا۔ لیکن پوپ نے صلیب کے اس جانباز سپاہی کے معاملہ میں کسی نوع کی دست اندازی نہیں کی۔

اسی دوران جرمنی کے شہنشاہوں نے سسلی پر قبضہ جمالیا۔ شہنشاہ ہنری ششم میسا کے مقام پر فوت ہو گیا۔ اس کا بیٹا فریڈرک جو دو سال کا ایک بچہ تھا خود پرورش کئے جانے کے لئے باقی رہ گیا۔

اس وقت تک ہم دیکھتے ہیں کہ بُت پرستی اور بد اخلاقی جس میں روم مبتلا ہو چکا تھا اس کا تعلق مادّی فائدوں سے تھا تاکہ اس سے ان کا استحکام یقینی ہو جائے۔ اس چیز نے جرمنی کو اسلامی اثرات اصلاح کی جانب مائل کیا۔ اور اس لئے اس نے اس کو معاشرتی قوت کی مدد سے مؤثر منانے کی سعی میں اطالوی نظام پر اخلاقی طور پر حملہ کیا۔ یہ حملہ سچ پوچھئے تو خالص اخلاقی تھا۔ اس کے ساتھ جو ذہنی عنصر در آیا یہ وہ عربی اثرات کا نتیجہ تھا، اور جرمنی پر ان عربی اثرات کی مدافعت میں پاپائیت نہ صرف کامیاب ہوئی بلکہ حقیقت میں اس کو متبدِ مقابل پر اس طرح الٹ دیا کہ اس نے جرمنی کے شہنشاہوں کو اکھاڑ پھینکا۔ اور خود اس منزل پر پہنچ گئی کہ یورپی استبدادی مطلق العنان حکومت قائم کرلے، جس کا سربراہ پاپائے اعظم ہو۔ یہیں سے ہمیں صاف طور پر وہ انداز دکھائی دیتا ہے جس سے پاپائیت اپنے مادّی فوائد کے ذریعہ مجبور ہوئی کہ وہ عربی علوم کے ذریعہ ہونے والی تمام ذہنی ترقی کے خلاف مزاحمت کرے۔

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) ایک ملک تھا۔ اس کے شمال مغرب میں فرجیا۔ شمال مشرق میں لکوکونیا، جنوب مشرق میں سائلیشیا اور جنوب مغرب میں لائیسیا تھا۔ چونکہ ایک پہاڑی علاقہ تھا اس لئے وہاں کے باشندوں کو ایرانی، معدونی یا رومی کبھی بھی پوری طرح مغلوب نہ کر سکے۔ یہاں تک قسطنطین اعظم کے زمانہ میں یہ عموماً ہمشیلیہ کا ایک حصہ سمجھا جانے لگا۔

اس مقام پر ہم اپنے اس موضوع کو نامکمل چھوڑ کر ان قرآنی اثرات کو بیان کریں گے جو مغرب اور مشرق پر اپنا دباؤ ڈال رہے تھے۔

عیسائیت کی ذہنی حالت، عرب کے مغرب اور مشرق کی ذہنی حالت سے بالکل مختلف تھی۔ قرآنی ذہنی حالت کا یورپی ذہنی حالت سے مقابلہ ملاحظہ ہو۔

اسی دوران مغرب میں رومی نظام پر ایک دباؤ پڑ تا رہا تھا۔ یہ مغربی یورپ میں عربوں کی موجودگی کی وجہ سے تھا، اس لئے یہ ضروری ہے کہ قرآنی معاشرتی اور ذہنی حالت کا عیسائیت کی عصری حالت سے مقابلہ کیا جائے۔ یورپ کے مقامی لوگ، جن کے بارے میں مشکل سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ غیر متمدن حالت سے ابھرے تھے، بربریت کی اس منزل میں تھے کہ ان کے جسم گندے، ذہن پستی میں مبتلا، جھونپڑیوں میں مقیم، مختلف درختوں کی چھلیوں، و بیج، جڑوں اور درختوں کی چھال تک پر گزر بسر کرنے والے کچی کھال کے کپڑوں میں ملبوس۔ یہ وہ حالت تھی جس کے درمیان بادشاہت کی شان و شوکت کا اظہار اس طرح ہوتا تھا کہ فرماں روا کے لئے ایک بیل گاڑی تھی جس کو جوئے میں جتے ہوئے دو بیل کھینچتے تھے۔ جن کی رفتار میں تیزی پیدا کرنے کے لئے پیدل چلنے والے سرفوں کے انکسوں سے کام لیا جاتا تھا۔ ان سرفوں کے پیروں پر پیال کے مٹھے لپٹے ہوئے ہوتے تھے۔ یہ صرف اس قوم سے تعلق رکھتے تھے جو درگاہوں سے منسوب کرامات اور لغو قسم کے تبرکات سے والہانہ عقیدت رکھتی تھی۔ ایک ادنیٰ درجے کی مذہبیت اور ہوس اقتدار کی بناء پر کلیساؤں میں ہونے والے جھگڑوں سے نظر ہٹا کر اب یہ بات خوش آئند معلوم ہوتی ہے کہ براعظم (یورپ) کے جنوب مغربی گوشے کی طرف رجوع کیا جائے۔ جہاں ایک نہایت مختلف قسم کی حمایت میں روشنی کی شعاعیں چھوٹنے والی تھیں۔

عربوں کے قدم مغربی یورپ میں ابھی مشکل سے ہی جے ہوں گے کہ انہوں نے ایک شاندار کیریر کا آغاز کر دیا۔ ایشیا میں اہلِ ایمان کے سالاروں کی جو پالیسی قائم ہو چکی تھی اس کو اختیار کر کے حاملِ قرآن لوگوں نے علوم و فنون کے عظیم سرپرستوں کی حیثیت سے خود کو نمایاں کیا، اور مقامی یورپی فرماں رواؤں کی حالت کے بالکل برعکس نفاست و نظافت کی ایک اعلیٰ مثال قائم کی۔ غرناطہ، قرطبہ، اشبیلیہ، طلیطلہ، بغداد، دمشق، قاہرہ اور سلطنتِ اسلامیہ کے دوسرے شہروں میں عوامی کتب خانے، عوامی مدارس کا قیام عمل میں آیا۔ ہر شہر کی آبادی لاکھوں تک جا پہنچی۔

غروب آفتاب کے بعد ان شہروں سے ہو کر پبلک لیمپوں کی روشنی میں دس میل تک ایک سیدھ میں کوئی انسان بغیر کسی دقت و دشواری کے سفر کر سکتا تھا۔ جب کہ اس کے سات سو سال بعد تک لندن جیسے شہر میں اس طرح کا ایک بھی پبلک لیمپ نہیں تھا۔ پیرس میں صدیوں بعد تک یہ حالت رہی کہ کسی بارش کے دن کوئی شخص جب اپنی دہلیز میں قدم رکھتا تھا تو اس کے پاؤں ٹخنوں ٹخنوں تک کیچڑ میں لت پت ہوتے تھے۔

عربوں کے محلات نہایت شاندار طریقہ پر آراستہ کئے جاتے تھے۔ مسلم فرماں رواجرمنی کے حکمرانوں کے مسکنوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنے میں حق بجانب تھے۔ اس لئے کہ وہ کسی اصطبل سے مشکل ہی سے بہتر ہوتے تھے۔ جن میں نہ چمنیاں ہوتی تھیں نہ کھڑکیاں۔ دھوئیں کے باہر نکلنے کے لئے چھت میں ایک سوراخ ہوتا تھا۔ حاملِ قرآن لوگ اپنے ساتھ ایشیا سے تمام اخلاقی فاضلہ، سامان آرائش و زیبائش اور فراخ دلی سے خرچ کرنے کی عادتیں لے کر آئے تھے۔

ان کی رہائش گاہوں میں سنگِ مرمر کی بالکنیاں، سایہ دار سنترے کے باغات، ایسے صحن جن میں آبشار ہوتے تھے اور ایسے سایہ دار گوشے بنائے

جاتے تھے جہاں دن کی سخت گرمی میں بھی مزے کی نیند آتی تھی۔ ایسے خلوت خانے ہوتے تھے جن کی محرابی چھتوں میں شیشے ہوتے اور جو طلائی کام سے مزین ہوتی تھیں۔ ان کے اوپر سے پانی کی نہریں بہتی ہوتیں۔ نفیس موزائیک کے فرش اور پارہ کی ہلکی ہلکی موجیں جن سے آنکھوں میں چکا چوند پیدا ہوتی تھی۔ جگمگ کرتے ذرات جو دھیمی آواز سے گرتے تو ایسا محسوس ہوتا جیسے مدھم آواز میں گھنٹیاں بج رہی ہوں۔

ایسے کمرے جن کے اندر گزاروں سے ہوا کے فرحت بخش جھونکے آتے رہتے تھے۔ گرمیوں میں یہ جھونکے میناروں کی جالیوں کے ذریعہ اندر داخل ہوتے تھے اور سردیوں میں مٹی کے ان نلکوں سے ہو کر جو دیواروں کے اندر چنے ہوتے تھے، دیواروں کو تختہ مدی کر کے چھپایا نہیں جاتا تھا۔ بلکہ طغرائی شکل کی گلکاری اور زرعی مناظر اور بہشتی نظاروں کے نقش آرائی کر کے زینت دی جاتی تھی۔ چھت سے جو طلائی منبت کاری سے مزین ہوتی تھی۔ بڑے بڑے بلوریں جھاڑ آویزاں ہوتے تھے۔ ہر نازک مرمریں استوانے میں اٹھارہ اٹھارہ سوبتیاں روشن دیکھ کر، ناظر حیران رہ جاتا تھا اور سوچنے لگتا تھا کہ آخر اتنا بھاری بوجھ وہ کیسے سہارے ہوئے ہیں۔ فرنیچر صندل اور ترنج کی لکڑی سے تیار کیا جاتا تھا، جس میں صدف، آبنوس، چاندی کی مُرصّع کاری اور سونے اور بیش قیمت ملاکیت کی آرائش ہوتی تھی۔ بلوریں گلدان، چینی کے ظروف اور نفیس پچی کاری کی ہوئی میزیں نہایت ترتیب اور قرینہ سے رکھی ہوئی تھیں۔

موسم سرما میں گھروں کے اندر قیمتی منجر کے پردے آویزاں ہوتے۔ فرش پر زردوزی کے کام سے مزین ایرانی قالین بچھے ہوتے تھے۔ نفیس طرز کے گاؤ تکیئے اور صوفے کمروں میں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر رکھے

اور خوشبوئیات میں لے ہوتے تھے اور چونکہ انسانی شبیہ مانند بہا ممنوع ہے اور اس کو بطور سامان آرائش رکھنا منع ہے اس لئے ایک عرب کا تخیل طرح طرح کے طغرائی شکل کی گلکاری کی جانب مائل ہوتا اور وہ فنون لطیفہ کے ممنوع کام کی جگہ باغ سے متعلق اشیاء اور عجائبات سے گھروں کو زینت دیتا تھا۔

مغربی دنیا کے خیال میں ابتدائی دور کے عرب کبھی بھی، فنون لطیفہ کے اچھے نمونے پیش نہ کر سکے۔ مذہب نے ان کی توجہ جمالیات کی جانب سے ہٹادی اور انہیں سپاہی، سائنداں، فلسفی کا کاروباری انسان مادیا۔(۱)

خوبصورت پھولوں اور نایاب غیر ملکی پودوں سے صحنوں اور اندرونی کمروں تک زینت دی جاتی تھی۔ صفائی، مکینوں کے مشاغل اور تفریحات کی جانب خاص توجہ تھی۔ سیسے کے نلوں کے ذریعہ گرم اور ٹھنڈا پانی جو سال کے ہر موسم کے مطابق ہوتا تھا۔ سنگ مرمر سے بنے ہوئے حماموں تک پہنچایا جاتا تھا۔

خواتین کی تفریح کے لئے گیلریاں بنی ہوئی تھیں اور بچوں کے لئے بھول بھلیاں اور سنگ مرمر سے پٹے ہوئے کھیل کے میدان تھے۔ خود خلیفہ کے لئے بڑے بڑے کتب خانے تھے۔ سب سے بڑا کتب خانہ اتنا وسیع تھا کہ اس کی فہرست کتب ہی چالیس جلدوں پر مشتمل تھی۔ محل میں بڑے بڑے کمرے

ا۔ مغربی دنیا کے نزدیک جمالیات اور فنون لطیفہ سے مراد عریاں قسم کی تصویر کشی، مجسمہ سازی اور رقص و سرور ہے۔ وہ تعمیرات، منبت کاری، پچی کاری، خطاطی، چمن آرائی وغیرہ کو حسن و رعنائی سے عاری سمجھتے ہیں۔ اس لئے ان کو جمالیات اور فنون لطیفہ کی حدود سے خارج قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ عربوں کی جن چیزوں کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے، ان سے ان کی جمالیاتی حس کا پوری طرح اظہار ہوتا ہے۔ لیکن مغرب نے جمالیات کا جو معیار قائم کیا ہے وہ دوسرا ہے۔ اس لئے عربوں کی تمام چیزیں اہل مغرب کو حسن سے عاری نظر آتی ہیں۔

تھے۔ جہاں کتابیں نقل ہوتیں۔ ان کو مرتب کیا جاتا اور ان میں تزئین و آرائش کا کام ہوتا تھا۔ خطاطی کے ذوق اور شاندار، مطلا و مذہب کتابوں کے حصول کے شوق سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ایشیا اور جنوب مغربی یورپ میں ان چیزوں کی قدر تھی۔

یہ تھے مدینۃ الزہراء کے وہ محلات و باغات جو عبدالرحمٰن الناصر نے اپنی محبوب ملکہ کے لئے بنوا کر اس کی عزت افزائی کی تھی۔ اس عمارت میں بارہ سو ستون البانیہ، اٹلی اور افریقہ سے آئے ہوئے ماربل کے تھے۔ دربار عام میں دیواروں پر سونے کے پتر چڑھے ہوئے اور موتی جڑے ہوئے تھے۔ اس کی نگرانی پر ۶۵۰۰ افراد تعینات تھے اور خلیفہ کے محافظ دستہ میں ۱۲۰۰۰ گھڑ سوار شامل تھے۔

یہی وہ عبدالرحمٰن تھا جس نے اپنے پچاس سالہ شاندار دور حکومت کے بعد جب ان ایام کا حساب لگایا جن میں اس کو حقیقی مسرت نصیب ہوئی تو پتہ چلا کہ ان ایام کی تعداد محض ۱۴ تھی۔ اس چیز سے متاثر ہو کر خلیفہ نے نہایت حسرت بھرے لہجہ میں کہا تھا۔

"اے انسان! تو اس عالم پر قطعاً بھروسہ نہ کرنا۔"

کوئی قوم بھی اپنے باغوں کی خوبی و خوشنمائی میں عربوں سے سبقت نہیں لے گئی۔ ہم ان کے مرہون احسان ہیں کہ انہوں نے ہمارے یہاں متعدد گراں قدر پھل باہر سے لا کر لگائے۔ جیسے "شفتالو"

اپنے بزرگوں کی آب خنک سے شیفتگی کو قائم رکھتے ہوئے انہوں نے کثرت سے چشمے جاری کئے۔ ماقوائی تعمیرات Hydraulic Works اور مصنوعی جھیلیں بنائیں جن میں دستر خوان کے لئے مچھلیاں پالی جاتی تھیں۔ انہوں نے دوسرے ملکوں کے جانوروں کے لئے افزائش خانے قائم کئے۔ چڑیا

گھر بنائے، ریشمی، سُوتی کپڑے اور مَلمَل کی صنعت کو فروغ دینے کے لئے کارخانے کھولے، کپڑے بننے کے لئے مشینیں لگائیں، زیوارت اور زردوزی کے کام میں وہ خواتین کی پسند کا پورا پورا خیال رکھتے تھے۔

فنِ باغبانی کو کہیں بھی ان سے بہتر طریقہ پر نہیں سمجھا گیا۔ اس لئے کہ فن کار، نہ صرف نگاہ کو سیری بخشنے کی کوشش کرتا تھا بلکہ تختہ ہائے گل سے اٹھنے والے مشک بیز جھونکے مشامِ جاں کو بھی معطر کرتے تھے۔

وہ منظم طریقہ جس سے یورپی ادب نے ان احسانات کو جو سائنس کے سلسلہ میں مسلمانوں کے ہم پر ہیں نظروں سے اوجھل رکھا، نہایت شرمناک ہے۔ آخر اس وقت ایک جدید ماہر فلکیات کیا عذر پیش کر سکے گا۔ جب وہ یورپ کی بربریت کو سامنے رکھ کر یہ دیکھے گا کہ ایک عرب ابوالحسن (۱) نامی اسی زمانہ میں ایسی بلندیاں بنا رہا تھا جن کے سروں پر بھری معروضات منسلک تھے۔

۱۔ ابوالحسن سے مراد ابو علی الحسن بن الحسین بن الہیثم المہندس البصری سے ہے۔ وہ ۹۶۵ء کے لگ بھگ میں پیدا ہوا اور ۱۰۴۳ء میں مصر میں فوت ہوا۔ اگرچہ وہ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ایک سرکاری دفتر میں ملازم ہو گیا تھا۔ لیکن چونکہ وہ سائنسی علوم سے بے حد دل چسپی رکھتا تھا اس لئے اس ملازمت سے قطعاً مطمئن نہیں تھا اور محض حصولِ معاش کا ذریعہ سمجھ کر اس کو جاری رکھے ہوئے تھا۔ مصر کے فاطمی خلیفہ حاکم بامر اللہ نے اس کی علیت کا شہرہ سنا تو اسے بلا کر دریائے نیل پر بند باندھنے کا کام سپرد کیا۔ اگرچہ ابن الہیثم اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکا تاہم مصر میں رہ کر اس نے بہت سا علمی کام کیا اور مختلف النوع موضوعات پر متعدد کتابیں لکھیں۔ واضح رہے کہ اس نے عینک اور دوربین بھی ایجاد کی تھی۔

اور جس قسم کی بعد کو مراغہ (۱) کے مقام پر کام میں لائی گئیں۔ اور اس وقت کیا رائے قائم کرے گا جب اس کے مطالعہ میں یہ بات آئے گی کہ عبدالرحمن الصوفی (۲) اب سے کئی سو سال پہلے ستاروں کی نوریائی کو ترقی دینے میں کوشاں تھا۔ کیا ابن یونس (۳) (م ۱۰۰۹ء) کی ہیئیتی جدولیں، جن کو جداول حاکمی کہا جاتا ہے۔

۱۔ اس وقت مراغہ مشرقی آذربائی جان کا ایک چھوٹا سا شہر ہے اور جھیل اُرمینیا سے ۱۸ میل مشرق میں واقع ہے۔ ۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے مطابق اس کی آبادی ۵۸۰۰۰ نفوس پر مشتمل تھی۔ منگول سردار ہلاکو خان نے تیرھویں صدی عیسوی میں فتح کر کے اس کو اپنا دارالحکومت بنایا تھا۔ اس کے وزیر نصیر الدین طوسی نے ایک بڑا کتب خانہ قائم کیا تھا اور ایک رصدگاہ قائم کی۔ مراغہ کی شہرت ان ہی دو چیزوں سے ہے۔

۲۔ عبدالرحمن الصوفی (۹۰۳ء یا ۹۸۶ء) مسلمان ہیئت دانوں میں نہایت بلند مقام پر فائز ہے۔ اس نے ثابت ستاروں کے بارے میں نہایت بیش قیمت معلومات حاصل کیں۔ ان کی حرکتوں اور رنگوں کا پتہ چلایا اور پھر اپنی تحقیقات کو الکواکب الثابتہ نام کی کتب میں درج کیا۔ یہ کتاب آج کل بھی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ چنانچہ اس کا بعض یورپی زبانوں میں ترجمہ بھی ہو گیا ہے۔

۳۔ ابن یونس کا پورا نام ابوالحسن علی بن ابو سعید عبدالرحمن بن یونس صوفی تھا۔ سنہ پیدائش معلوم نہیں۔ البتہ سنہ وفات ۱۰۰۹ء ہے۔ ابن یونس کا شمار مسلمانوں کے عظیم ہیئت دانوں میں ہوتا ہے۔ خلیفہ حاکم بامر اللہ نے قاہرہ میں جو رصدگاہ بنائی تھی اس کا ناظم تھا۔ حاکم بامر اللہ کے حکم سے مشاہدۂ کواکب کے لئے اس نے جو جدولیں تیار کی تھیں وہ جداول حاکمی کے نام سے مشہور ہوئیں اور اہل یورپ نے ان سے بہت فائدہ اٹھایا۔

نصیر الدین طوسی (۱) کی زیچ ایلخانی جو محولہ بالا عظیم رصدگاہ مراغہ متصل طوس میں ۱۲۵۹ء میں تیار کی گئی تھی۔ یا شاقول کے اہتزاز سے وقت کے ناپنے کا عمل اور باقاعدہ مشاہدات سے ہیئتی جدولوں کی تصحیح کے ایسی باتیں ہیں جن کو ذہنی کیفیت کی بیکار علامتیں سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے۔ عرب نے یورپ پر اپنا ایک گہرا ذہنی نقش چھوڑا ہے۔ جس کا عیسائیت کو بہت جلد اعتراف کرنا پڑے گا۔ اس نے اس چیز کو پتھر کی لکیر کی طرح آسمان پر ثبت کر دیا ہے۔ جس کو ہر شخص کسی عام کرۂ سماوی پر ستاروں کے ناموں کی شکل میں پڑھ سکتا ہے۔

زندگی کے روزمرہ کے کاروبار کے سلسلہ میں ہم پر عربوں کے احسانات سائنس کی اعلیٰ شاخوں سے بھی زیادہ واضح ہیں۔ غالباً یہ اس لئے ہے کہ روزمرہ زندگی سے متعلق معاملات میں اکتساب فیض کرنے کے لئے ہمارے اسلاف زیادہ آمادہ تھے۔ عربوں نے زراعت کو ماہرانہ طور پر ترقی دینے میں ایک اچھی مثال قائم کی جس کو ایک مجموعۂ ضوابط کے تحت مرتب

۱۔ نصیر الدین طوسی یا محقق طوسی ایران کے قدیم شہر سلوہ میں ۱۲۰۱ء میں پیدا ہوا اور ۱۲۷۱ء میں بغداد میں وفات پائی۔ وہ بہ یک وقت ریاضی، ہیئت، علم ہندسہ، علم مثلث (مستوی اور کروی)، منطق، طب اور جغرافیہ کا ماہر تھا۔ اس نے ان تمام مضامین پر متعدد کتابیں لکھیں۔ وہ ہلاکو خاں کا وزیر تھا اور اس کی سرپرستی میں اس نے مراغہ کے مقام پر ایک کتب خانہ قائم کیا۔ جس میں مختلف علوم و فنون کی تقریباً چار لاکھ کتابیں تھیں۔ وہیں اس نے ایک رصدگاہ بھی قائم کی تھی۔ ہلاکو کے حکم سے اس نے مشاہدات فلکی کی نئی جدولیں تیار کیں جو زیچ ایلخانی کے نام سے مشہور ہیں۔

منضبط کیا گیا۔(۱) انہوں نے نہ صرف پودوں کو اگانے کی جانب توجہ کی اور بے شمار نئے پودے لگائے بلکہ مویشیوں کی افزائش نسل کی جانب بھی کافی توجہ مبذول کی۔ خاص طور پر بھیڑوں اور گھوڑوں کی نسلوں کو بڑھایا۔ اہم ترین اجناس جیسے چاول، شکر، کپاس کو رواج دیا جس کے لئے ہم ان کے مرہونِ احسان ہیں۔ اور جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے عام باغات اور میوہ باغوں میں پیدا ہونے والے پھل اور میوے بشمول بعض کم اہم پودے جیسے پالک اور زعفران انہیں کی بدولت ہمیں نصیب ہوئے۔

۱۔ مسلمانوں نے نہ صرف زراعت و باغبانی کو عملاً ترقی دی بلکہ نظری طور پر بھی اس موضوع پر بہت کام کیا۔ چنانچہ زراعت اور باغبانی سے متعلق بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں "کتاب الفلاحت" مصنفہ علامہ ابو زکریا یحییٰ بن محمد اشبیلی بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ کتاب اگرچہ تقریباً نو سو سال پہلے لکھی گئی تھی لیکن موجودہ زمانہ کی تصنیف معلوم ہوتی ہے۔ زراعت اور باغبانی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس پر روشنی نہ ڈالی گئی ہو۔ اس میں زمین کی تمام اقسام کا مفصل ذکر کیا گیا ہے۔ اچھی اور بری زمین کی شناخت کے متعدد طریقے لکھے گئے ہیں۔ زمین کی اصلاح اور تعمیر کی مفید ترکیبیں بتائی گئی ہیں۔ درختوں اور دوسری نباتات کے اقسام کی طویل فہرست دی گئی ہے۔ ان کی زراعت کے مختلف طریقے بتائے گئے ہیں۔ نباتات کی کیمیاوی تحقیقات، زمین سے ان کے تعلقات اور پانی کے ان پر اثرات کو تفصیلی طور پر بیان کیا گیا ہے۔ کھاد اور اس کی اقسام، آبپاشی اور اس کے ذرائع، آلات زراعت کا طریقہ استعمال، درختوں کی آپس میں ترکیب یعنی پیوند کاری اور اس کے نادر اصول، آفات ارضی و سماوی، نیز دیگر نباتاتی امراض کے مفید علاج، نقصان رساں حیوانات، نباتات اور جمادات کے دفعیہ کے طریقے، ان سب کا نہایت عمدگی کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اسپین میں ریشم کی پیداوار انہیں کے زمانے سے شروع ہوئی۔ انہوں نے سیلابوں، پھاٹکوں، چرخیوں پر پمپوں کے ذریعہ آب پاشی کا مصری طریقہ رائج کیا اور صنعت و حرفت کی بہت سی اہم شاخوں کو ترقی دی۔ پارچہ بافی، ظروف سازی، لوہے اور فولاد کی صنعتوں کو بڑھایا۔ طلیطلہ کی تلواریں اپنی کاٹ اور برش کے لئے ہر جگہ قدر کی نظر سے دیکھی جاتی تھیں۔ عرب، اسپین سے اپنے اخراج پر ایک قسم کی چرمی صنعت کو جس میں ان کی برتری مسلّم تھی اپنے ساتھ مراکش لے گئے جہاں چمڑے نے خود اس ملک کا نام اختیار کر لیا۔ ایک انتہائی بھیانک قسم کی بارود اور توپ خانہ کی ایجاد بھی ان ہی کے ذریعہ ہوئی۔ جو توپ وہ استعمال کرتے تھے وہ پکے لوہے کی بنی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ لیکن غالباً اس مکروہ ایجاد کی تلافی انہوں نے بحری قطب نما کی ایجاد کے ذریعہ کر دی۔ ان کی بحری قطب نما کی ایجاد سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ عرب تجارتی معاملات میں بڑی دلچسپی رکھتے تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) خصوصیت کے ساتھ اس کا وہ حصہ بہت زیادہ دلچسپ ہے جو باغبانی سے تعلق رکھتا ہے۔ باغبانی کے تمام قواعد و ضوابط کی تشریح کی گئی ہے۔ اشجار اور فواکہ کے لگانے کی عجیب و غریب ترکیبوں کو بیان کیا گیا ہے۔ ایک ہی درخت سے مختلف انواع و اقسام کے پھل حاصل کرنے کا جو طریقہ بتایا گیا ہے وہ بالکل نرالا ہے۔ باغبان اور زراع کی نفسیات سے بھی کہیں کہیں بحث کی گئی ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ زراعت اور باغبانی کے لئے کس قسم کے آدمیوں کا انتخاب کرنا مناسب ہوگا۔ عام جاہل کاشت کاروں کے نقائص پر ایک طویل بحث کی ہے۔ ان کی کاہلی اور سستی سے متنبہ کیا ہے۔ اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ زمیندار کو ان تمام فروعی باتوں سے واقف کر دیا جائے۔ جن کے بغیر وہ کامیاب زندگی کسی طرح بسر نہیں کر سکتا۔

یہ ایک ایسا نتیجہ ہے جس تک ہم اس بات سے بھی پہنچ جاتے ہیں جب ہم ان خلفا کے مالیہ پر غور کرتے ہیں تو عبدالرحمٰن ثالث کی آمدنی ہی ساڑھے پانچ ملین (پچپن لاکھ) پونڈ بتائی جاتی ہے۔ جو موجودہ زمانہ کے متبادل کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو ایک بہت بڑی رقم ہوتی ہے۔ اور اس سے کہیں زیادہ قرار پاتی ہے۔ جو زرعی پیداوار پر محصولات عاید کر کے حاصل ہونے کا امکان ہو سکتا تھا۔ بر شلونہ اور دوسرے مدرگاہوں سے لیوائٹ (۱) کے ساتھ تجارت بڑے پیمانہ پر ہوتی تھی۔ ایک ہزار سے زیادہ مال بردار جہاز کام میں لائے جاتے تھے۔ تنیس (۲) کے مقام پر ان کے کارخانے قائم تھے۔ اور وکیل اور ایجنٹ رہتے تھے۔

۱۔ بحیرہ روم کا مشرقی ساحل جو مغربی یونان سے شروع ہو کر مغربی مصر تک چلا گیا ہے۔

۲۔ مسلمانوں کے دورِ عروج میں دریائے نیل کے ڈیلٹے کے مشرق میں تیس ایک بڑا کاروباری شہر تھا۔ جو ایک جزیرہ پر آباد تھا۔ اس کے بارے میں شہاب الدین ابو عبداللہ محمد قدوسی بشاری ۹۸۵ء۔ ۳۷۵ھ نے اپنے سفرنامہ احسن التقاسیم میں لکھا ہے:

"سمندر اور نیل کے درمیان ایک بحیرہ میں ایک چھوٹا جزیرہ ہے۔ جس پر یہ شہر پھیلا ہوا ہے۔ کیا کہنا اس شہر کا! چھوٹا بغداد ہے۔ اور اگر اس کو سونے کا پہاڑ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا۔ مشرق و مغرب کی تجارتی منڈی ہے۔ یہاں عمدہ بارونق بازار ہیں، ہر جگہ سے لوگ تجارت کے لئے یہاں آتے ہیں۔ پُر منفعت جگہ ہے۔ معاشی سہولتیں موجود ہیں۔ مچھلی سستی ہے، لیکن شہر تنگ جزیرہ پر واقع ہے۔ جس کو ہر طرف سے سمندر گھیرے ہوئے ہے۔ اضمحلال انگیز اور گندی جگہ ہے۔ پانی حوضوں میں بند رکھا جاتا ہے۔ اکثر باشندے قبطی ہیں۔ گندگیاں راستوں میں ڈال دی جاتی ہیں۔ یہاں السی کا نرم و باریک کپڑا اور رنگین چادریں بنائی جاتی ہیں۔"

مقدسی سے چونسٹھ پینسٹھ سال بعد ۴۳۹ھ۔ ۱۰۴۷ء، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صرف قسطنطنیہ کے ساتھ ہی ان کی تجارت بڑے پیمانہ پر ہوتی تھی۔
یہ تجارت بحیرۂ اسود اور بحیرۂ روم سے تقسیم ہو کر ایشیا کے اندرونی حصوں میں پھیل جاتی تھی۔ مال ہندوستان اور چین کی بندرگاہوں تک جاتا تھا۔ اور افریقہ کے ساحل سے ہو کر مدغاسکر تک پہنچتا تھا۔ ان کاروباری معاملات میں بھی عربوں کی ذہانت وذکاوت فروزاں نظر آتی ہے۔ دسویں صدی عیسوی کے وسط میں جب یورپ کی حالت ایسی تھی جیسی آج کل کافرستان کے باشندوں کی ہے۔ روشن خیال مسلمان مثلاً ابوالقاسم تجارت اور کاروبار کے اصولوں پر کتابیں اور مقالے لکھ رہے تھے۔ دوسرے بہت سے معاملات کی طرح انہوں نے اس شعبہ میں بھی اپنے نشانات چھوڑے ہیں۔ چھوٹے سے چھوٹا وزن جو

(حاشیہ گزشتہ صفحہ کا بقیہ) میں ناصر خسرو تنیس کے بارے میں رقم طراز ہے:
"شہر میں اندازاً دو ہزار دکانیں ہیں۔ جن میں سو عطاروں کی ہوں گی۔ یہاں بڑھیا رنگین قصب کپڑا بنا جاتا ہے۔ اس کے عمامے، نقابیں اور زنانے کپڑے بنتے ہیں۔ ایسا کپڑا کسی دوسری جگہ نہیں ہوتا۔ سفید قصب دمیاط میں بنتا ہے۔ شاہی کارخانے میں بنا ہوا قصب نہ تو بیچا جاتا ہے نہ کسی کو دیا جاتا ہے۔ ایک دوسرا ابیش قیمت کپڑا بو قلموں (دھوپ چھاؤں) بھی تنیس میں بنتا ہے۔ اس کی بھی دنیا کے کسی ملک میں نظیر نہیں ملتی۔ یہ سنہرا ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ قیصر روم نے خلیفۂ مصر سے درخواست کی کہ تنیس مجھے دیدو اور اس کے بدلے میں مجھ سے سو شہر لے لو، لیکن خلیفہ اس کے لئے تیار نہیں ہوا۔ قیصر روم نے یہاں کے بے مثال قصب اور بو قلموں کپڑے کی خاطر درخواست کی تھی۔ تنیس میں پچاس ہزار کی آبادی ہے اور شہر کے ساحل پر ہروقت سو کشتیاں بندھی رہتی ہیں۔ ان میں سے کچھ تاجروں کی ہیں اور کچھ سرکاری، شہر میں کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی۔ اس لئے ضرورت کا سب سامان باہر سے آتا ہے۔"

وہ تجارت میں استعمال کرتے تھے۔ وہ جو کا ایک دانہ (گرین) تھا۔ یہ چار دانے مل کر وہ وزن بنتا تھا جس کو عربی میں قیراط کہتے تھے۔ ہم ابھی تک گرین کو وزن کی ایک اکائی کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اور سونے کے متعلق ابھی تک کہتے ہیں کہ اتنے قیراط خالص سونا ہوا۔

یہ تھے مغرب کے خلفا، ان کی شان و عظمت، ان کے ٹھاٹ باٹ اور ان کی معلومات، یہ ہیں ان کے احسانات جن کے بوجھ تلے ہم آج بھی دبے ہوئے ہیں۔ یہ وہ احسانات ہیں جن کو عیسائی یورپ اپنی غیر معمولی ریاکاری سے ہمیشہ چھپاتا رہا ہے۔ البتہ ملحدوں کے خلاف آواز صلیبی جنگوں کے کافی بعد تک بلند ہوتی رہی۔

کسی فلسفیانہ یا سیاسی نظام کی قدر و قیمت اس کے نتائج سے لگائی جاسکتی ہے۔ اس اصول پر رومی نظام پاپاؤں کی سوانح عمریوں سے ان کی مذہبی فضیلت کا اندازہ لگاتے ہوئے صحیح معیار پیش کرتا ہے۔ ایسے ہی طریقہ سے مسلمان قوم کی ذہنی حالت کا اندازہ سلسلہ وار زمانوں میں اس کے مناسب معیار سے لگایا جاسکتا ہے۔

مسلمانوں کی سائنسی اور تہذیبی خدمات

اس وقت جب یورپ میں عربی اثرات نے رومی نظام پر غلبہ حاصل کرنا شروع کیا، متعدد مسلمان سائنسی علوم پر لکھنے والے اور اسکالر موجود تھے۔ جن کی تصانیف کے چھ حصے ہم تک پہنچے ہیں۔ جس طرح کہ کوئی ماہر تعمیرات اپنے فن میں اہرام کے مطالعہ و مشاہدہ سے قدیم مصریوں کی ذہانت و ذکاوت کا کچھ اندازہ لگا سکتا ہے۔ اسی طرح شرقین Saracens کے اسلامی علوم کی ان باقیات سے ہم مسلم قوم کی ذہنی حالت اور ترقی کا پتہ چلا سکتے ہیں۔ حالانکہ مسلمانوں کا بیشتر سرمایہ ضائع ہو چکا ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ دانستہ طور پر تباہ کر دیا گیا ہے۔

ایسے مصنفین میں ابن الہیثم کا نام پیش کیا جاسکتا ہے۔ جس کا زمانہ ۱۱۰۰ء کے لگ بھگ تھا۔ اس کی مناظر و مرایا سے متعلق کتابوں سے جن کا لاطینی میں ترجمہ کیا جاچکا ہے۔ یورپ والے خوبی واقف ہیں۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے نگاہ کی حقیقت کے بارے میں یونانیوں کے غلط تصور کو رد کیا اور بتایا کہ روشنی کی شعاعیں بیرونی معروض سے آکر آنکھ پر پڑتی ہیں اور آنکھ سے خارج ہو کر بیرونی اشیا سے نہیں ٹکراتیں جیسا کہ اس کے زمانہ میں عام طور پر خیال کیا جاتا تھا۔ اس کا بیان محض مفروضات پر مبنی نہیں تھا۔ بلکہ واضح طور پر تشریح بدن سے متعلق تحقیق اور ہندسی حقائق سے اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔

اس کا کہنا ہے کہ شبکیہ (آنکھ کا پردہ Retina) نگاہ کا مرکز ہے اور روشنی سے اس پر جو نقش قائم ہوتا ہے وہ عصبہ چشم ~~Potic~~ Optic Nerve سے ہو کر دماغ تک پہنچتا ہے۔ اگرچہ اس طرح کی باتوں کا اعلان کرنا ابن الہیثم کی زندگی میں آسان نہ تھا اس لئے کہ جب تک کوئی شخص چیر پھاڑ کے ممنوع عمل سے نہ گزرتا اس وقت تک وہ ان نتائج تک نہیں پہنچ سکتا تھا، نہ ہی مذہب سے حقیقتاً ان حقائق کے بارے میں اس کو کوئی معلومات حاصل ہو سکتی تھیں، تاہم وہ بڑے اعتماد اور پورے یقین کے ساتھ کہتا ہے کہ جب ہم دونوں آنکھوں کو کام میں لاتے ہیں تو دونوں کے پردوں پر یکساں بصری نقوش ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے ہمیں ایک ہی شکل نظر آتی ہے۔ موجودہ زمانہ میں کسی ماہر عضویات کے لئے اس طرح کی باتوں کا ذکر اتنی ہی اہمیت رکھتا ہے جتنا کہ کسی ماہر تعمیرات کے لئے اہرام کے اندر کی ایک محراب کا واقع ہونا۔ یہ سب کچھ بتانے کے بعد الہیثم یہ بھی کہتا ہے کہ روشنی کے معاملہ میں ہمارا احساس کسی طرح بھی قابل اعتماد رہنما کی حیثیت نہیں رکھتا۔ اور یہ کہ روشنی کی شعاعیں اس وقت جو راستہ اختیار کرتی ہیں جب انہیں انعطاف و انعکاس سے دوچار ہونا پڑتا ہے تو ہم

فریب نظر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ان طبعی مسائل میں سے ایک کے سلسلہ میں اس کی یہ بحث ایسی ہے جس سے اس کی سائنسی عظمت حقیقتاً فروزاں نظر آتی ہے۔ وہ اس امر سے پوری طرح آگاہ ہے کہ بلندی کے بڑھنے سے کرۂ باد میں ہوا کی کثافت کم ہو جاتی ہے اور اسی نظریہ کی بنیاد پر وہ اس بات کا بھی اظہار کرتا ہے کہ روشنی کی کوئی شعاع جب اس میں داخل ہوتی ہے تو وہ ایک منحنی راستہ اختیار کر لیتی ہے جو زمین کی جانب مقعر شکل کا ہوتا ہے۔ اور چونکہ دماغ ایک معروض کی جائے، وقوع کا اس سمت کے لئے تعین کر دیتا ہے جس سمت سے اس سے نکلی ہوئی روشنی کی شعاع آنکھ میں داخل ہوتی ہے، اس لئے لازمی طور پر فریب نظر ہوگا جیسا کہ اجرام سماوی کے سلسلہ میں ہوتا ہے۔ عربی کی اصطلاح کو کام میں لاتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ جس جگہ ہوتے ہیں ہمیں اس کے مقابلہ میں سمت الراس کے زیادہ قریب دکھائی دیتے ہیں، اور اپنی صحیح جگہ پر نظر نہیں آتے۔ جب روشنی آنکھ میں پہنچتی ہے تو اس وقت وہ ہمیں انعطاف کے خم پر کھینچے جانے والے مماس کی سمت میں دکھائی دینے لگتے ہیں۔ اسی سے وہ یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ ستارے، سورج اور چاند ہمیں طلوع ہونے سے قبل اور غروب ہونے کے بعد نظر آتے رہتے ہیں جو ایک عجیب و غریب قسم کا فریب نظر ہے۔ ابن الہیثم یہ بھی بتاتا ہے کہ جب کوئی شعاع ہوا سے ہو کر گزرتی ہے تو اس کی خمیدگی، بڑھتی ہوئی کثافت کے ساتھ ساتھ زیادہ ہوتی جاتی ہے، اور یہ کہ اس کا راستہ ان ہوائی رطوبات پر منحصر نہیں ہوتا جو بعض اوقات موجود ہوتی ہیں، بلکہ جن واسطوں سے وہ ہو کر گزرتی ہے ان کی کثافت کی تبدیلی پر منحصر ہوتا ہے۔

افقی آفتاب و ماہتاب:

ابن الہیثم کا یہ کہنا صحیح ہے کہ جب سورج اور چاند افقی سمت میں ہوتے ہیں۔ اس وقت اسی انعطاف کے سبب ان کے قطر راسی سمت میں گھٹ جاتے ہیں۔ اس کی تبدیلیوں کو وہ ستاروں کے جھلملانے کا موجب بھی قرار دیتا ہے۔ اول الذکر کی جسامت میں ظاہری طور پر جو اضافہ ہو جاتا ہے وہ اس کو ایک ذہنی فریب سے تعبیر کرتا ہے جو ارضی معروضات کے درمیان میں حائل ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ انعطاف کے اثر سے سورج کی رویت میں جو اضافہ ہوتا ہے اس کے سبب رات کی مدّت گھٹ جاتی ہے۔

صبح اور شام کے جھٹ پٹے کی تشریح:

ہوا کے انعکاسی عمل پر بحث کرتے ہوئے وہ صبح اور شام کے جھٹ پٹے کی حقیقت کی نہایت حسین توضیح و تشریح کرتا ہے۔ وہ اس کا سبب اس روشنی کو قرار دیتا ہے کہ جو طلوع آفتاب سے قبل اور غروب آفتاب کے بعد دکھائی دیتی ہے۔ اس کی اس توضیح کو ہم آج بھی صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ اپنی غیر معمولی فراست سے وہ ان اصولوں کو جو اس کے پیش نظر رہے ہیں کرۂ ہوا کی بلندی کا تعین کرنے کے کام میں لاتا ہے اور اس کی روشنی میں یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اس کی آخری حد تقریباً ساڑھے اٹھاون میل ہے۔

یہ تمام بحث نہایت مہتمم بالشان ہے۔ کیا ہم اس کا موازنہ اس کے ہم عہد یورپی کلیساؤں کے راہبوں کے معجزات و کرامات اور راہبانہ فلسفہ سے کر سکیں گے؟ اس بحث کو اگر ہمارے اپنے زمانے میں ایک سائنسی سوسائٹی کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ ایک زبردست تاثر پیدا کرے گی۔ ابن الہیثم کی

تخلیق "کتاب میزان الحکمۃ" کے ترجمہ کے لئے ہمیں ایک روسی ایم خانی کوف M. Khanikoff کے ممنون احسان ہیں، ہمارے سامنے میکانکی تصور میں ایک ایسی عدیم المثال صراحت پیش کرتی ہے جس کے لئے ہم خود کو مشکل سے ہی آمادہ پاتے ہیں۔ یہ کتاب مسلمہ طور پر اپنے زمانہ کی سائنسی اکتسابی استعداد کو پیش کرتی ہے۔

ہوا کا وزن :

اس کتاب میں صاف طور پر ہوا کے وزن اور اس کی بڑھتی ہوئی کثافت کے مابین تعلق قائم کیا گیا ہے۔

ہوا کے وزن کا دریافت کرنے والا پہلا شخص ٹوری سیلی (۱) Torricelli نہیں بلکہ ابن الہیثم تھا :

لہٰذا کرۂ ہوا کا وزن ٹوری سیلی سے بہت پہلے سمجھ لیا گیا تھا۔ ابن الہیثم کا کہنا ہے کہ کسی جسم کا وزن ہلکی اور کثیف ہوا میں مختلف ہوگا، اور یہ کہ ہلکی ہوا کے وزن کا ضیاع کثیف ہوا کی بہ نسبت زیادہ ہوگا۔

۱۔ ایوانجلسٹ ٹوری سیلی یا توری چیلی Evangelist Torricelli (۱۶۰۸ء تا ۱۶۴۷ء) اطالیہ کا مشہور و معروف ریاضی دان اور ماہر طبیعیات تھا۔ پہلے وہ فلورنس میں گیلیلیو (۱۵۶۴ء تا ۱۶۴۲ء) کا جو آخری عمر میں نابینا ہو گیا تھا، املا نویس رہا۔ پھر اس کے انتقال کے بعد ٹسکنی کے گرانڈ ڈیوک کے پاس ریاضی داں کی اور فلورنٹائین اکیڈمی میں پروفیسر کی حیثیت سے کام کرتا رہا، اس نے دوربین کو کافی ترقی دی۔ آلۂ مقیاس الوزن Barometer کے اصول معلوم کئے اور ایک سادی سی شکل کا بیرومیٹر اور ایک خوردبین بنائی اور دائرہ نما Cy Cloid پر بھی کام کیا۔

ترازو کا نظریہ:

وہ اس قوت کا تخمینہ پیش کرتا ہے جس سے ڈوبے ہوئے اجسام ان بھاری واسطوں سے جن میں وہ غرق ہیں ابھر یں گے۔ پھر تیرتے جسموں کی غرقابی سے بحث کرتا ہے۔ وہ مرکزِ ثقل کے اصول کو سمجھتا ہے اور اس اصول کو ترازو اور اسٹیل یارڈ کی دریافت کے سلسلہ میں کام میں لاتا ہے اور اس طرح مرکزِ ثقل Centre of Gravity اور مرکزِ تعلق Centre of Suspension کے درمیان تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔ کہ کب وہ آلہ قرار پکڑے گا اور کس صورت میں ارتعاش پیدا ہوگا۔ وہ کشش کو ایک قوت بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ فاصلہ کے ساتھ ساتھ اس میں کمی واقع ہوتی جاتی ہے۔

جاذبہ Gravity کو دریافت کرنے والا پہلا شخص نیوٹن نہیں بلکہ ابن الہیثم تھا:

چنانچہ قوت جاذبہ کو دریافت کرنے والا نیوٹن نہیں بلکہ ابن الہیثم تھا۔ وہ گرتے ہوئے اجسام کی رفتاروں، فاصلوں اور اوقات کے درمیان تعلق کو صحت کے ساتھ جانتا تھا۔ اور کشش شعری Capillary Attraction کا نہایت واضح تصور رکھتا تھا۔

اس نے آب پیما بنایا تھا اور اجسام کی کثافتوں کا تعین جو ابن الہیثم نے کیا تھا وہ ہمارے اندازے کے بہت قریب تھا۔ جہاں تک کہ پارے کا تعلق ہے۔ اس کی کثافت پچھلی صدی کے اندازے سے کہیں زیادہ رہی ہے جو ہمارے زمانہ میں سمجھی جاتی ہے۔ ہم بلاشبہ دیگر ماہرین طبعی علوم کی طرح ابن الہیثم کی اس نیک تمنا میں اس کے ساتھ ہیں کہ روز قیامت خدائے رحمٰن و رحیم اور یحان

کی روح کو سکون عطا فرمائے۔ کیونکہ وہ نسلِ انسانی میں سب سے پہلا شخص تھا جس نے کثافت اضافی کی جدول تیار کی تھی۔ یہی بات ہم ابن الہیثم کے بارے میں بھی کہیں گے اس لئے کہ وہ پہلا آدمی تھا جس نے ہوا میں روشنی کی شعاع کے منحنی راستہ کا پتہ چلایا۔

اس طبعی اور مادی معلومات کی بناء پر عربوں نے سب سے پہلے آلۂ مقیاس الحرارت (تھرمامیٹر) بنایا وہ درجۂ حرارت کی پیمائش کی اہمیت کو خوبی جانتے اور سمجھتے تھے۔ عربوں نے رقیق اور سیال اشیاء کی گرمی کے سبب پیدا ہونے والی کثافت میں تبدیلی کو بھی معلوم کر لیا تھا۔

وقت کی پیمائش کے معاملہ میں انہوں نے اور بھی زیادہ کامیابی حاصل کی۔ انہوں نے متعدد اقسام کی پن گھڑیاں ایجاد کر لی تھیں۔ اس میں ایک کمانی دار گھڑی بھی موجود ہے۔ لیکن یہ ان کے عظیم ہیئت داں ابن یونس کا کام تھا۔ جس نے سب سے زیادہ بیش قیمت اور اعلیٰ درجے کے وقت پیما کی تخلیق کی۔

شاقول والی گھنٹہ گھڑی :

ابن یونس پہلا شخص تھا جو وقت کی پیمائش کے لئے شاقول کو کام میں لایا۔ لیپلس (۱) Laplace (۱۷۴۹ء تا ۱۸۲۷ء) اپنی کتاب نظامِ کائنات

۱۔ مارکوس پیئری سائمن دے لیپلس Marquis Pierre Simon De- Lpace (۱۷۴۹ء تا ۱۸۲۷ء) فرانسیسی ریاضی داں اور ماہر فلکیات تھا۔ نارمنڈی میں پیدا ہوا۔ پیرس کے فوجی اسکول میں ریاضی کا پروفیسر مقرر کیا گیا۔ اس نے چاند، مشتری، زحل وغیرہ کی حرکت کا مشاہدہ کیا۔ ۱۷۹۹ء تا ۱۸۲۵ء میں اس نے ۵ جلدوں میں کائنات سے متعلق ایک ضخیم کتاب تصنیف کی جس سے اس کو بڑی شہرت ملی۔

کی پانچویں مختصر یادداشت میں اس مفکر کے مشاہدات سے استفادہ کرتا ہے اور البتانی (۱) اور دوسرے عربوں کے مشاہدات سے زمین کے مدار کی خروج المرکزیت Eccentricity of orbit میں کمی کے مسلمہ ثبوت سے مستفید ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ بیان کرتا ہے کہ طریق شمس کے میلان Obliquity of the Ecliptic کے سلسلہ میں اختلاف منظر اور انعطاف کے لئے پوری طرح مطابقت پیدا کرنے کے بعد ابن یونس کے مشاہدہ سے ۱۰۰۰ء کے لئے ایک ایسا نتیجہ نکلتا ہے جو نظری طور پر اخذ شدہ نتیجہ کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ وہ ۲۳ اکتوبر ۱۰۰۷ء کے سلسلہ میں مشتری اور زحل کی عدم مساواتوں کے متعلق بے حد اہمیت کے لحاظ سے ابن یونس کے ایک اور مشاہدہ کا بھی حوالہ دیتا ہے۔

عربی اعداد :

یہ بات پہلے ہی بتائی جا چکی ہے کہ اس عظیم عرب کی تحریروں میں عربی اعداد اور ہمارے عام حسابی عمل عام طور پر مستعمل ہیں۔ افریقہ اور جنوبی یورپ وہ (اعداد) اٹلی پہنچے جہاں کاروباری لوگوں نے ان کو سرعت قبول کر لیا

۱۔ ابو عبداللہ محمد ابن جابر البتانی (تقریباً ۸۵۰ء تا ۹۲۹ء) اپنے زمانہ کا سب سے بڑا ماہر فلکیات تھا۔ دریائے فرات کے کنارے رقہ کے مقام پر چالیس سال سے زیادہ (۸۷۷ء تا ۹۱۸ء) مقیم رہ کر تحقیقی کام کیا۔ بطلیموس کی کئی غلطیوں کی تصحیح کی۔ طریق شمس کے میلان کو زیادہ صحت کے ساتھ معلوم کیا۔ گرم علاقہ کے سال اور موسموں کی لمبائی کا حساب لگایا۔ ریاضیاتی حسابات میں جیب Sine کے استعمال کو رائج کیا۔ اس کی کئی گراں قدر تصنیفات ہیں۔

اور ان کی قدرو قیمت کو فوراً سمجھ لیا۔ جیسا کہ ولیم آف میل میسبری (۱) William of Malmesbury کہتا ہے کہ وہ تھکا دینے اور پسینہ چھڑا دینے والے حسابات سے چھٹکارہ دلانے کا موجب ہوئے۔ یہ ایک ایسی صفت (پسینہ چھڑا دینے والے) اس نے استعمال کی ہے۔ جس کی صحت ہر اس شخص پر جلد ہی منکشف ہو جائے گی جو ضرب یا تقسیم کا ایک معمولی سا مسئلہ رومن ہندسوں کی مدد سے حل کرنے کی کوشش کرے گا (۲) کہا جاتا ہے کہ

۱۔ ولیم آف میل میسبری (۱۰۹۰ء یا ۱۰۹۶ء تا ۱۱۴۳ء) انگریز مؤرخ تھا۔ میلمسبری Abbey کا لائبریرین رہا۔ وہ گیستا ریگم اینگورم Gesta Regum Anglor-um یعنی انگریز بادشاہوں کے کاموں کو ترتیب دینے پر مامور تھا اور اسی سلسلہ Se-quel کی استوریا نوویلا Historia Novella تاریخِ جدید کو بھی اس نے مرتّب کیا۔ انگریز پادریوں کی سوانح۔ اور گلیسٹن بری کے کلیسا کی تاریخ بھی اس نے لکھی۔

۲۔ عربی ہندسوں میں اگر ۲۵ اور ۱۳ کے اعداد کو کام میں لا کر ضرب دی جائے تو حاصل ضرب ایک سطر میں نکل آئے گی۔ ملاحظہ ہو:

۳۲۵=۱۳×۲۵

اب اگر اسی عمل کو رومن اعداد کی مدد سے کیا جائے تو راہ ہفت خواں طے کرنا ہو گی۔ چنانچہ ۲۵ کو رومن میں XXV سے اور ۱۳ کو XIII سے ظاہر کیا جاتا ہے ان دونوں اعداد و کو ضرب کا عمل دیکھئے اور پھر فیصلہ کیجئے کہ کیا اس کو حل کرنے میں انسان کا پسینہ نہیں بہے گا؟

XXV کا X گنا

X کا X گنا= X X X X X X X X X X =C (۱۰۰)

X کا X گنا= X X X X X X X X X X =C (۱۰۰)

X کا X گنا= V V V V V V V V V V =L (۵۰)

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

گربرٹ، پوپ سلویسٹر نے یہ اعداد (ہندسے) مسلمانوں کی جامعہ قرطبہ میں سیکھے تھے۔ اس میں بالواسطہ طور پر صفر کا حوالہ دیا گیا ہے جو نو ۹ کے ہندسے کے بعد آتا ہے لیکن وہ جب کسی دوسرے ہندسے کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے تو اس کی قوت کو دس گنے کے بقدر بڑھا دیتا ہے۔ گربرٹ نے اپنے ایک خط میں اپنے مربیّ، شہنشاہ آٹو سوم Otho III کو نہایت سادہ طریقہ پر لیکن مزاحیہ انداز میں لکھا تھا۔ ''میں تمام ہندسوں کے سب سے آخری ہندسے (یعنی صفر) کی طرح ہوں۔''

رومی ہندسوں کے عربی ہندسوں کے ذریعہ خاتمہ نے ان دونوں حریف ناموں کے درمیان ہونے والے کہیں زیادہ اہم سیاسی مقابلہ کے نتیجہ کو دھندلا کر دیا۔ لیکن یہ دکھانے سے پہلے کہ کس طرح عربوں کی فراست روم پر غالب آئی اور مایوسی کی وہ لرزہ خیز جدوجہد جو روم نے اس کو روکنے کے لئے

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ کا)

XXV کا I گنا

X کا I گنا = X (۱۰)

X کا I گنا = X (۱۰)

V کا I گنا = V (۵)

X کا I گنا = X (۱۰)

X کا I گنا = X (۱۰)

V کا I گنا = V (۵)

X کا I گنا = X (۱۰)

X کا I گنا = X (۱۰)

V کا I گنا = V (۵)

۳۲۵ = CCC XXV = CCL XXXXXXXVVV

کی، ہمیں تھوڑی دیر کے لئے اول الذکر کے بارے میں ایک نقطۂ نظر کے تحت غور کرنا پڑے گا اور اسلامی تفکر پر کچھ گفتگو کرنا ہوگی۔ اس موقع پر ہمیں الغزالی (ف ۵۰۵ھ۔ ۱۱۱۱ء) سے رہبری حاصل کرنا ہوگی۔ جن کی ولادت (۱۰۵۸ء۔ ۴۵۰ھ) میں ہوئی تھی۔

اب ہم عربوں کی مہذب زندگی، ان کی سائنس، ان کے فلسفہ اور ان کے کلچر سے ایک اور زندگی کی جانب رجوع ہوتے ہیں۔ یہ اشیا کی ایک نفرت انگیز حالت و کیفیت کی داستان ہے۔ ہم اطالوی نظام کے تحت مذہب کے مقدس نام کو سازشوں، خونریزی انسانی ذہن کے جور و ستم اور ذہنی ترقی کی ایک گونہ نفرت انگیزی سے آلودہ ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں۔

ہماری توجہ خصوصیت سے دو ممالک کی جانب مبذول ہوتی ہے۔ یہ ممالک وہ ہیں جن پر اسلامی تہذیب و تمدن کے اثرات پڑنے شروع ہو گئے تھے اور ان کا دباؤ روم پر پڑنے لگا تھا۔ یہ فرانس کا جنوبی حصہ اور صقلیہ (سسلی) ہیں۔

انوسینٹ سوم (۱) ۱۱۹۸ء میں ۳۷ سال کے سن میں پوپ منتخب

۱۔ انوسینٹ سوم Innocent III کا اصلی نام گلووانی لوتاریو دے کونتی تھا۔ وہ ۱۱۶۱ء میں پیدا ہوا اور ۱۲۱۶ء میں مرا۔ ۱۱۹۸ء سے ۱۲۱۶ء تک پوپ کے منصب پر فائز رہا۔ وہ ایک رومی امیر کاؤنٹ ٹراسی منڈ کا لڑکا تھا۔ اس نے پیرس، روم اور بولونیا میں تعلیم پائی۔ گریگوری ہفتم کی اس پالیسی کو جاری رکھنے کی کوشش کی کہ پاپائیت، ریاست پر غالب رہے۔ چنانچہ اس نے پاپائی قوت کو بلند ترین مقام تک پہنچا دیا۔ اسی کی کوشش سے چوتھی صلیبی جنگ (۱۲۰۲ء۔ ۱۲۰۴ء) برپا ہوئی۔ جس کے نتیجہ میں قسطنطنیہ پر قبضہ ہو گیا اور اس طرح لاطینی سلطنت کا قیام عمل میں آیا۔

(بقیہ آئندہ صفحہ پر)

ہوا۔ پاپائی اقتدار اپنے انتہائی نقطہ پر پہنچ چکا تھا۔ اور قرآنی تعلیمات کے خلاف کلیسا کے ہتھیار اپنی پوری قوت حاصل کر چکے تھے۔ اطالیہ، جرمنی، فرانس اور انگلستان میں امتیازی احکام اور حقوق سے محرومی نے پاپائی اثر و اقتدار کو منوالیا تھا۔ جیسا کہ ریوینے (۱) کے ڈیوک، شہنشاہ آٹو فرانس کے فلپ اغسطس (۲)

(بقیہ گزشتہ صفحہ کا) انوسینٹ نے جرمنی میں آٹو چہارم کے خلاف سوابیہ کے فلپ کی حمایت کی اور جب آٹو حیثیت شہنشاہ منتخب ہو گیا تو اس کو حقوق سے محروم کر دیا (۱۲۱۰ء) شاہ انگلستان جان کے خلاف پاپا کے حقوق کو منوانا چاہا اور اس کو ۱۲۱۳ء میں اطاعت پر مجبور کر دیا۔ آٹو چہارم کو ہٹا کر سسلی کے فریڈرک دوم کو شہنشاہ مادیا۔ (۱۲۱۵ء)۔ اسی سال چوتھی لیٹرن کونسل کی صدارت کی۔

۱۔ ریونیا Ravenna کے علاقہ ایمیلیا، رومانیہ Emilia Romagna کا ایک صوبہ بھی ہے اور کیمون بھی شہر ریونیا، فلورنس سے شمال مشرق کی جانب ۶۱ میل کے فاصلے پر ہے۔ تقریباً ۷۵۰ء کے بعد تک لمبارڈس کے قبضہ میں پہنچا اور اس کے بعد فرینکس کے قبضہ میں رہا۔ تیرھویں صدی میں یہ ایک آزاد جمہوریہ بن گیا۔

۲۔ فلپ اغسطس یا فلپ دوم (۱۱۵۶ء تا ۱۲۲۳ء) لوئی ہفتم کا لڑکا تھا۔ ۱۱۸۰ء سے ۱۲۲۳ء تک فرانس کا بادشاہ تھا۔ ۱۱۸۱ء سے ۱۱۸۵ء تک مختلف لڑائیوں میں الجھا رہا اور سلطنت دیتا رہا۔ ۱۱۸۲ء میں یہودیوں کو گرفتار کیا۔ ۱۱۸۷ء تا ۱۱۸۹ء انگلستان کے خلاف جنگ جاری رکھی۔ ۱۱۹۰ء میں شاہ انگلستان رچرڈ اول کے ساتھ تیسری صلیبی جنگ کے لئے روانہ ہوا۔ لیکن وہ دونوں سسلی اور شام میں آپس میں لڑ پڑے ۱۱۹۱ء میں فرانس واپس آتے وقت رچرڈ کے بھائی، جان کے ساتھ سازش کی کہ انگلستان کے ان علاقوں پر قبضہ کرلے جو فرانس میں تھے۔ یہ جنگ چھ سال تک یعنی ۱۱۹۴ء سے ۱۱۹۹ء تک جاری رہی۔ رچرڈ کے انتقال کے بعد اس نے جان پر حملہ کر کے فرانس میں واقع انگلستان کے دیگر علاقوں سے محروم کر دیا۔ اور بھی ممالک سے معرکے رہے۔ بہت سے گرجے اور ادارے بنائے۔ تجارت کو ترقی دی۔ ۱۲۰۰ء میں پیرس یونیورسٹی قائم کی۔

اور انگلستان کے بادشاہ جان (۱) کے معاملات میں ظاہر ہوا۔

ان معاملات میں سے کسی بھی عظیم اخلاقی اصولوں یا حقوق انسانیت کے قائم رکھنے کی غرض سے یہ مہم نہیں چلائی گئی تھی بلکہ ہنگامہ صرف عارضی سیاسی معاملات کے لئے تھا۔

شاہ انگلستان جان نے قرآنی تعلیم کی محبت میں ایک سفیر اسپین بھیجا اور مسلمان ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ اس وقت اس میں مذہبی جوش و جذبہ اسی طرح بے حد فزوں تھا۔ جس طرح شاہ فرانس میں۔ اس کا بھی میلان طبیعت اسی طرف تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ صلیبی جنگوں کے چھڑ جانے سے تمام یورپ، پوپ کا باج گزار بن گیا تھا۔ اس کے مال وصول کرنے والے گماشتے ہر بڑے شہر میں موجود تھے۔ یہ لوگ تمام سمتوں اور ہر ملک میں گناہوں کے لئے معافی نامے فروخت کر کے چندہ جمع کرتے پھرتے تھے۔ یہ معافی نامے ہر طرح کے گناہوں کے لئے ہوتے تھے۔ خواہ یہ گناہ حقیقی ہوتے یا فرضی۔ یہ پروانے اسامیوں کی فروخت کے لئے بھی ہوتے تھے۔ خواہ یہ اسامیاں بڑے درجے کی ہوتیں یا ادنیٰ درجے کی۔ دولت کا ایک مستقل سیل رواں تھا جو ہر اقلیم سے بہا چلا آرہا تھا جس زمانے کے بارے میں ہم گفتگو کر رہے ہیں۔ اس کے پچاس سال

۱۔ شاہ انگلستان جان (۱۱۶۷ء تا ۱۲۱۶ء) اپنے بھائی رچرڈ دوم یا شیر دل رچرڈ کے انتقال کے بعد ۱۱۹۹ء میں انگلستان کا بادشاہ بنا۔ اس کا دور نہایت ناکام رہا۔ فرانس میں انگلستان کے تمام مقبوضات ہاتھ سے نکل گئے۔ بیرنون نے اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ۱۲۱۵ء میں اس سے میگنا کارٹا پر دستخط کرا لئے، لیکن اس پر کبھی عمل درآمد نہیں ہوا۔ بیرونی امداد حاصل کر کے بیرنون کے خلاف لڑائی شروع کر دی لیکن جنگ کا فیصلہ ہونے سے پہلے ہی ۱۹ اکتوبر ۱۲۱۶ء کو فوت ہو گیا۔

بعد لنکن کے اسقف اور راجر بیکن کے دوست رابرٹ گروسٹیٹ Ropbert Grostate سے اس رقم کے بارے میں تصدیق کرائی گئی، جو انگلستان میں باہر سے آئے ہوئے قسیسین وصول کرتے تھے۔ پتہ چلا کہ یہ رقم خود بادشاہ کی آمدنی کے تین گنے کے برابر تھی۔

جب انوسینٹ سوم ہر دربار میں اس طرح دخل اندازی اور سازش کا مرتکب ہو رہا تھا اور ہر قوم سے خراج وصول کر رہا تھا۔ اس وقت اس نے اپنی توجہ کو ایک لمحہ کے لئے بھی صلیبی جنگوں سے نہیں ہٹایا۔ جس کے پاپائیت کے لئے غیر معمولی فوائد اب پوری طرح سامنے آگئے تھے۔ ان کی وجہ سے پوپ کو یورپ میں اقتدار حاصل ہو گیا۔ فوجی اور اقتصادی ذرائع پر اس کو پوری طرح گرفت حاصل ہو گئی۔ انوسینٹ جیسے شخص کو کسی امید موہوم کے ذریعہ دھوکے میں نہیں ڈالا جاسکتا تھا، جہاں تک صلیبی جنگوں کے تسلیم شدہ مقصد کا تعلق تھا ان کا انجام لازمی طور پر ناکامی تھا۔ یورپ میں نہ صرف دنیا دار لوگوں نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا تھا کہ سرزمین مقدس میں جنگ کے لئے جو روپیہ فراہم کیا گیا ہے اس کا مصرف کچھ اور نکال لیا گیا ہے اور کسی ناقابل توجیہ طریقہ پر اس کا رخ اٹلی کی طرف موڑ دیا گیا ہے۔ بلکہ اہل کلیسا تک بھی اپنے ان شکوک و شبہات کو چھپا نہیں سکے تھے کہ صلیبی جنگ کا اعلان روپیہ ٹھگنے کا محض ایک بہانہ ہے۔ اس کے باوجود پوپ انوسینٹ دنیائے عیسائیت پر ٹیکس لگا لگا کر اپنی اسکیم کو آگے بڑھاتا رہا۔ اپنے غلط پروپیگنڈے کے ذریعہ بڑی دقت سے اس نے ۱۲۰۲ء میں چوتھی صلیبی جنگ کے لئے تیاری مکمل کی۔ وینس کے باشندے سامان لے جانے کے لئے جہازوں کا ایک بیڑا فراہم کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ لیکن یہ مہم نہایت تیزی سے اپنے اصل

مقصد سے ہٹ گئی۔ باشندگان وینس نے صلیبیوں کو شاہ ہنگری سے زارا(۱) Zara چھین لینے پر لگا دیا۔ اس سے بھی زیادہ بدتر اور کہنے میں شرمناک کام جو جزوی طور پر لوٹ مار کی غرض سے اور کلی طور پر کلیسائی سازش اور سازباز کے تحت انجام پایا وہ یہ تھا کہ بار دیگر اس کا رخ قسطنطنیہ پر حملے کے لئے موڑ دیا گیا اور شدید دھاوا کر کے اس شہر پر ۱۲۰۴ء میں قبضہ کر لیا گیا۔ اس طرح مشرقی دارالحکومت میں لاطینی عیسائیت (رومن کیتھولک مذہب) قائم کر دی گئی۔ لیکن افسوس کہ یہ سب کچھ بڑے خون خرابے، استحصال اور آتش زنی کے بعد انجام کو پہنچا۔ حملہ کی رات اس سے زیادہ تعداد میں مکانات نذر آتش کر دئیے گئے۔ جتنے فرانس کے کسی تین عظیم ترین شہروں میں مل سکتے تھے۔

عیسائی مؤرخین بھی کیتھولک عیسائیوں کے ہاتھوں قسطنطنیہ کی تباہی کا مقابلہ صلاح الدین کے یروشلم پر قبضہ سے کرتے ہوئے شرماتے ہیں۔ خود پوپ انوسینٹ بھی ان مظالم اور سفاکیوں کے خلاف جو اس کے عزائم سے کہیں زیادہ بڑھ گئے تھے۔ احتجاج کرنے پر ہوا۔ اس کا کہنا ہے کہ عیسائی صلیبیوں تک نے بھی علی الاعلان حرام کاریوں اور بدفعلیوں کے مناظر

۱۔ زارا Zara یا زادر Zadar شہر ایڈریاٹک پر واقع مغربی یوگوسلاویہ کی بندرگاہ ہے۔ جہاز سازی کا مرکز اور سمندری تفریح گاہ ہے۔ ۱۸۷۳ء تک یہ ایک قلعہ بند شہر تھا۔ اغسطس کے زمانے میں رومی نو آبادی بنا۔ ۱۴۰۲ء میں وینس کے قبضہ میں چلا گیا۔ پھر ہنگری کا قبضہ ہو گیا۔ ۱۴۰۹ء میں اس کو وینس نے خرید لیا۔ ۱۷۹۷ء میں آسٹریا نے لے لیا۔ ۱۳۔ ۱۸۰۵ء میں نپولین کے قبضہ میں رہا۔ ۱۸۱۳ء میں پھر آسٹریا کو واپس مل گیا۔ ۱۹۲۰ء میں پھر آسٹریا کو واپس مل گیا۔ ۱۹۲۰ء میں ریالو کی صلح کی رو سے اٹلی کو دیدیا گیا۔ ۱۹۲۳ء میں فری پورٹ بن گیا۔ ۱۰ فروری ۱۹۴۷ء کو ایک صلح کے بموجب یوگوسلاویہ کو دیدیا گیا۔

پیش کیے۔ انہوں نے منکوحہ عورتوں اور ان ناکتخدا لڑکیوں کو جو راہ خدا میں نذر کر دی گئی تھیں سائیسوں کی شہوت پرستی کے لئے چھوڑ دیا۔ انہوں نے گرجوں اور کلیساؤں کی دولت کو لوٹا۔ اس سے بھی زیادہ نفرت انگیز بات یہ ہے کہ مقدس ظروف اور خاص قربان گاہوں سے نقرئی میزیں اور تختیاں تک لوٹ کر لے گئے۔ مقدس ترین اشیا کو توڑ پھوڑ دیا اور صلیبوں اور تبرکات تک کو لے اُڑے۔

پوپ انوسینٹ نے نہایت ریاکارانہ انداز سے اظہار افسوس کرتے ہوئے اپنی نگرانی میں شہر قسطنطنیہ میں تمام اشیا کو ازسرِنو جمایا۔ یہ سب کچھ کر چکنے کے بعد روم کے بشپ نے قسطنطنیہ کے بشپ کا تقرر کیا۔ اور اس طرح مشرق میں بھی پاپائی اقتدار کو تسلیم کرا لیا گیا۔ روم اور وینس نے اپنی مہم سے حاصل شدہ منافع کو آپس میں بانٹ لیا، اگر اور کوئی بات اہلِ یورپ کی آنکھیں کھول دینے کے لئے ناکافی رہی ہے تو اس موقع پر جو کچھ ہوا اس کو کافی سمجھنا چاہئے۔ پاپائے روم اور وینس کا صدر مجسٹریٹ۔ ایک انسانوں کی خوش اعتقادی کا تاجر اور دوسرا اجیرہ ڈایڈریاٹک کا تاجر۔ دونوں نے صلیبی جنگ کے غنائم کو جو دیندار لوگوں نے مقدس سرزمین کی آزادی کے لئے مہیا کیے تھے آپس میں بانٹ کھایا۔

اس طرح قسطنطنیہ فتح ہوا۔ اور عیسائیوں کے عزیز کشانہ ہاتھوں سے تسخیر ہوا۔ اس بلائے بے درماں کے لئے جو اس نے مغربی تمدن پر مسلط کی تھی مکافات عمل کے ایام اب قریب آ گئے تھے۔ ان حادثات میں اس نے سزا کی پہلی قسط تو وصول کر لی تھی۔ تین سو سال قبل مؤرخ لوئٹ پرینڈ (۱) Luitprand

---

۱۔ لوئٹ پرینڈ Luitprand یا لوئٹ پرینڈ آف کریمونا (۹۲۲ء تا ۹۷۲ء) رئیس کلیسا اور کریمونا کا بشپ (۹۶۱ء تا ۹۷۲ء) اس کی تصانیف میں ایک کتاب Antapodosis جس میں اٹلی کی تاریخ ۸۸۶ء سے ۹۵۲ء تک واقعات درج ہیں۔

جس کو شہنشاہ اوٹو اول نے۔ نسے فورس فوکاس (۱)-Nicephorus II Pho
cas کے دربار میں بھیجا تھا، اس کے متعلق عینی شاہد کی حیثیت سے کہتا ہے۔ ''وہ
شہر جو کسی وقت اتنا دولت مند تھا اور جہاں اس قدر چہل پہل تھی، اب وہاں
کے لوگ بھوکوں مر رہے ہیں اور غلط بیانی، دروغ گوئی، دھوکے بازی، حرص و
ہوا، لالچ، خلل اور شیخی میں مبتلا ہیں۔'' اور لوئٹ پرینڈ کے زمانے سے وہ اور بھی
روبہ زوال ہے۔

بزنطینیوں کے پاس دنیا بھر میں علوم وفنون کے بہترین نمونے تھے۔ لیکن
ایک ہزار سال کی مدّت میں انہوں نے کوئی بھی اوریجنل چیز پیش نہیں کی تھی۔
یونانیوں نے کبھی بھی فلسفہ یا سائنس میں کوئی پیش رفت نہیں کی۔ کبھی کوئی
عملی دریافت نہیں کی۔ کوئی نظم نہیں لکھی۔ کوئی قابل ذکر ٹریجڈی ترتیب نہیں دی۔
ان کے سطحی ادب کی روح۔ اگر اس کو ادب کہا جاسکتا ہو۔ پیٹریارک فوٹیس (۲) کی
کہانی میں پوری طرح دھندلا جاتی ہے جس نے اپنی لائبریری سے کافی فاصلہ پر بغداد
میں بیٹھ کر ان ۲۸۰ کتابوں کا، جن کا اس نے بیشتر مطالعہ کیا تھا خلاصہ پیش کیا۔

۱۔ نسے فورس دوم فوکاس Nicephorus II Phocas ولادت ۹۱۳ء وفات ۹۶۹ء۔
مشرقی سلطنتِ روما کا شہنشاہ۔ ۹۶۳ء تا ۹۶۹ء۔ اس نے شہنشاہ قسطنطین ہفتم اور شہنشاہ
رومانس دوم کے ماتحت سپاہی کی حیثیت سے کام کیا۔ اس مہم کی قیادت کی جس نے مسلمانوں
سے اقریطش (کریٹ) چھینا (۹۶۰ء۔۹۶۱ء) شہنشاہِ رومانس کے مرنے کے بعد دو نو عمر
شہزادوں کے ولی کی حیثیت سے شہنشاہ بنا ان شہزادوں کی ماں سے شادی کر لی تھیوفانو نے
شمالی شام اور سائیلیشیا فتح کر لئے (۹۶۴ء تا ۹۶۶ء) انطاکیہ اور حلب پر قبضہ کر لیا (۹۶۹ء)
اپنے بھتیجے جان زمیس John Zimisces کے ہاتھوں مارا گیا

۲۔ پیٹری یارک فوٹیس Patriarch Photius (۸۲۰ء۔۸۹۱ء) وہ قسطنطنیہ کا اسقف
اعظم Patriarch تھا۔ ۸۵۸ء سے ۸۶۷ء تک اس منصب پر فائز رہا۔ پوپ نکولاس
اول نے اس کو کلیسائی حقوق سے محروم کر دیا۔ دوبارہ پیٹرآرک بنا لیکن پھر ۸۸۲ء میں محروم
کر دیا گیا۔ شہنشاہ لیو ششم نے آرمینیا کی جانب جلاوطن کر دیا (۸۸۶ء) اس کے بعد بغداد
میں بیٹھ کر ببلیو تھیکا مرتّب کی جو ۲۸۰ کلاسیکی مصنّفین کی کتابوں کا خلاصہ ہے۔

شکاگو یونیورسٹی "تاریخ اسلام کا بیان ہے :

انسانی تجربہ کا مشکل کوئی شعبہ ایسا ہوگا جہاں قرآن نے یورپی تہذیب کو مالا مال نہ کیا ہو۔

لارنس۔ ڈبلیو براؤن۔ اسلام کی کامیابی کی توقعات

: The Prospects of Islam

ضمناً ان حتمی طور پر تسلیم شدہ حقائق سے اس خیال کی پوری طرح تردید ہو جاتی ہے جو عیسائی تحریروں میں بہ کثرت ظاہر کیا گیا ہے کہ "مسلمان جہاں کہیں گئے انہوں نے تلوار کے زور سے لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا۔" (۱)

مارکوئس آف ڈفرن۔ گورنر جنرل کی تقاریر جو ہندوستان میں کی گئیں :

یہ سب کچھ مسلمانوں کی سائنس، مسلمانوں کے فنون، مسلمانوں کے ادب کا اثر ہے۔ جس نے یورپ کو قرون وسطیٰ کی تاریکی سے نکالا۔ (۲)

واشنگٹن کارو مجین ریسرچ کا کہنا ہے :

"جن یورپی مؤرخین نے عربی علوم کو نظر انداز کر کے کچھ کہا۔ انہوں نے موضوع سے متعلق نہ صرف یہ کہ نامکمل رائے قائم کی بلکہ قطعاً غلط نظریہ پیش کیا۔" (۳)

۱۔ لارنس۔ ڈبلیو براؤن۔ اسلام کی کامیابی کی توقعات The Prospects of Islam لندن ۱۹۴۴ء صفحہ ۱۴۔

۲۔ مارکوئس آف ڈفرن۔ گورنر جنرل کی تقاریر جو ہندوستان میں کی گئیں لندن ۱۸۹۰ء صفحہ ۲۴ :

۳۔ واشنگٹن کارو مجین ریسرچ۔ نمبر ۷۶، ۳۔

الیگزینڈر پاول۔ "ایشیا میں اقتدار حاصل کرنے کیلئے جدوجہد" ۱۹۲۳ء کا بیان ہے:

مسلمانوں نے اپنی فتوحات کے زمانہ میں جو لڑائیاں لڑیں ان میں انہوں نے مذہبی رواداری کی جو مثالیں پیش کیں ان سے بہت سی عیسائی اقوام کے سر شرم سے جھک جاتے ہیں۔

ای ہیینی اولیوری "اسلام ایٹ دی کراس روڈ":

"تاریخ اس بات کو واضح کر دیتی ہے کہ "یہ افسانہ جس میں یہ بیان کیا جاتا رہا ہے کہ متعصب مسلمانوں نے دنیا کو روند ا اور مفتوحہ اقوام پر تلوار کے زور سے اسلام کو مسلط کیا۔" انتہائی متعصبانہ اور مہمل خرافات ہے جو مؤرخین نے بیان کی ہے۔" (۱)

قرآن اور آئین سازی:

ریاستہائے امریکہ کے اٹارنی جنرل نے اپنی کتاب "اسلامی قانون" کے ابتدائیہ میں تحریر کیا ہے کہ "امریکی قانون کا اخلاق سے بہت کم تعلق ہے۔ ایک امریکی کو قانون کی پابندی کرنے والا شہری اس صورت میں بھی تسلیم کر لیا جاتا ہے جب اس کی داخلی زندگی قابل نفرت اور بگڑی ہوئی ہو۔ لیکن اسلام قانون کا سرچشمہ خدا کی مرضی کو قرار دیتا ہے۔ اس کے رسول ﷺ پر بذریعہ وحی نازل ہوئی۔ اور آپ ﷺ کے ذریعہ لوگوں تک پہنچائی گئی۔ یہ قانون یہ منشا لئے مومنین کی پوری جماعت کو ایک واحد معاشرہ کے طور پر باندھتا ہے۔ جس میں وہ تمام مختلف نسلیں اور قومیں شامل ہیں، جن سے دور دراز کے علاقہ میں پھیلی ہوئی ایک ملّت کی تشکیل ہوتی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس سے مذہب ایک حقیقی قوت بن کر سامنے آتا ہے اور اس کی وجہ سے دین

---

(۱) ای ہیینی اولیوری "اسلام ایٹ دی کراس روڈ" لندن ۱۹۲۳ء صفحہ ۸۔

معاشرے کا اتصال پذیر عنصر ثابت ہوتا ہے۔ قومیت یا جغرافیہ سے اس کو تقسیم نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ خود حکومت قرآن کے اقتدارِ اعلیٰ کی مطیع و فرماں بردار ہوتی ہے۔ اس کی وجہ سے کسی اور قانون ساز کے لئے کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ چنانچہ کوئی مقابلہ یا رقابت یا نااتفاقی پیدا ہونے کا امکان نہیں ہوتا۔ ایک مومن اس دنیا کو روح کی پاکیزگی کے لئے ایک گزرگاہ سمجھتا ہے جو دوسری دنیا کے لئے پیش دالان کی حیثیت رکھتی ہے، اور قرآن پوری طرح اس بات کی صراحت کر دیتا ہے کہ وہ شرائط اور قوانین کیا ہیں جن کے مومنین پابند ہیں۔ یعنی ایک دوسرے کے ساتھ اور معاشرے کے ساتھ کیا طرزِ عمل ہونا چاہئے اور اس طرح اس دنیا سے عالمِ آخرت کی جانب منتقلی کو یہ عقیدہ یقینی اور مستحکم بنا دیتا ہے۔

مغرب کے رہنے والوں کی اسلام کے بارے میں کم معلومات اور ان کے غلط تصورات کے باوجود ان کے منکرین کی ایک بڑی تعداد اسلامی تعلیمات کی گہرائی اور گیرائی کو سمجھتی ہے اور اس کی واضح تفاسیر اور قابلِ تعظیم اصولوں پر اپنے جذباتِ تحسین اور ستائش کو چھپاتی نہیں۔

کسی مسلمان عالم کا اسلامی قوانین و ضوابط کا احترام کرنا کوئی حیرت خیز امر نہیں ہے۔ لیکن اگر ایک غیر مسلم فاضل اپنی مذہبی عصبیت کے باوجود اسلام کی شان و عظمت اور اس کی اعلیٰ و ارفع ہدایت کا اعتراف کرتا ہے تو یہ ایک حقیقی خراجِ تحسین ہے۔ بالخصوص اس صورت میں جب کہ وہ اسلام کے قانونی نظام اور بنی نوع انسان کے لئے اس کے ترکہ کی ترقی پذیر نوعیت کے اقرار پر مبنی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب میں اسلام کے متعلق اغیار کے فیصلوں کو دہرایا گیا ہے۔ ہم یہ اس لئے نہیں کر رہے ہیں کہ ہمیں ان کی حمایت کی ضرورت ہے، بلکہ اس لئے کہ ان سے حقیقت کے متلاشی اور محقق حضرات کے لئے راستہ کھلنے میں مدد مل سکے، اور جو کوئی پڑھے وہ خود اپنے راستے پر چل سکے۔

یورپ کا تہذیبی ارتقاء
مسلمانوں کا مرہونِ منّت ہے

پیغمبر اسلام ﷺ کے تاریخی کارنامے :

"آج دنیا میں محمد (ﷺ) کا کام مع اپنے تمام مشتقات کے ہر دوسرے نام سے بڑھ کر چلا ہوا ہے۔ جو خود ایک روشن دلیل ہے۔ اسلام کے اقتدار کی۔ اسلام بہت پھیلا ہوا ہی نہیں (مراکش سے چین اور ترکستان سے جنوب مشرقی ایشیا تک) بلکہ بڑا زندہ مذہب بھی ہے۔ وہ اپنے پیروؤں پر نہ صرف اپنی گرفت ہی قائم کئے ہوئے ہے بلکہ اس میں روز افزوں ترقی بھی ہو رہی ہے۔ اس کا تبلیغی پہلو کبھی بھی ضعیف نہیں رہا۔ یہاں تک کہ آٹھویں نویں صدی میں جو مسلم سلطنتوں کے سیاسی ضعف کا بدترین زمانہ تھا۔ اسے نمایاں کامیابیاں حاصل رہیں اور آج بھی افریقہ کے استوائی علاقوں جنوب مشرقی ایشیا میں اسے برابر تبلیغی کامیابیاں حاصل ہو رہی ہیں۔" (۱)

بر فولٹ اپنی تصنیف تشکیل انسانیت میں لکھتا ہے :

Briffault The making of Humainty

۱۔ ڈاکٹر چارلس ایسوی کا مقالہ جسے سہ ماہی Muslim World نے ۱۹۵۰ء میں شائع کیا ص ۸۴۔

یورپ کی نشاۃ ثانیہ عربوں کے اثر کی مرہون منّت ہے:

"یورپ کی حقیقی نشاۃ ثانیہ پندرھویں صدی میں نہیں ہوئی، بلکہ عربوں کے اثر اور ہسپانیہ کی اسلامی ثقافت کے تجدیدی دور کی رہین منت ہے۔

اس نشاۃ ثانیہ کا گہوارہ اٹلی نہیں بلکہ اسلامی ہسپانیہ تھا۔ یورپ بربریت کے اسفل ترین گہرائیوں میں گر کر جہالت اور ذلت کی تاریکیوں میں ڈوب چکا تھا۔ جبکہ اسلامی دنیا کے شہر بغداد، قاہرہ، قرطبہ وغیرہ تہذیب و تمدن کی سرگرمیوں کے درخشندہ مرکز بن رہے تھے۔ اور وہیں اس حیات نو نے آنکھ کھولی۔ جو بعد میں انسانی ارتقا کی ایک نئی شکل اختیار کرنے والی تھی جوں ہی ان کی ثقافت یورپ پر اثر انداز ہوئی، وہاں ایک نئی حرکت ظہور پذیر ہوئی۔

آکسفورڈ کے مدرسہ فکر میں ان ہی ہسپانوی مسلمانوں کے جانشینوں کے زیر اثر راجر بیکن نے عربی زبان اور عربی سائنس سے استفادہ کیا۔

تجرباتی طریقہ کار (استوائی) سے یورپ کو متعارف کرانے کا سہرا نہ تو راجر بیکن کے سر ہے نہ ہی اس کے بعد اس کے ہم نام کے سر۔ راجر بیکن مسیحی یورپ میں مسلم سائنس اور تجرباتی طریقہ کے مبلغین میں سے ایک تھا جس نے کبھی یہ تسلیم کرنے سے انکار نہیں کیا کہ عربی زبان اور عربی سائنس ہی اس کے ہم عصروں کے لئے حقیقی علم کا ذریعہ تھی۔

یہ بحث کہ تجرباتی طریقہ کا بانی کون نامور تھا۔ وغیرہ وغیرہ، مغربی تہذیب و تمدن کے ماخذوں سے متعلق عظیم ترین اجزاء میں سے ہے۔

بیکن کے زمانہ تک عربی کا تجرباتی طریقہ کار عام رواج پا چکا تھا اور سارے یورپ میں بڑی سرگرمی سے اس طریقہ کار کا ذوق پیدا کیا جا رہا تھا۔

موجودہ تہذیب اس عظیم بالشان عطیہ یعنی سائنس کے لئے عرب تہذیب کی رہین منت ہے۔ البتہ اس عطیہ کے ثمرات بڑی مدت میں تیار ہوئے۔

ہسپانوی ثقافت کے انحطاط کے بہت عرصہ بعد اس غیر معمولی قدو قامت کے پودے نے پوری بالیدگی حاصل کی نہ صرف سائنس ہی نے یورپ کو نئی زندگی عطا کی بلکہ اسلامی تہذیب کے گوناگوں اثرات نے بھی اس کی خوابیدہ روح کو گرمی حیات بخشی اگرچہ یورپ کی تمدنی نشوونما میں کوئی بھی شعبہ ایسا نہیں جس پر اسلامی تمدن کا فیصلہ کن اثر نہ پایا جائے۔ تاہم یہ امر قطعی ہے کہ اس دور جدید کی خصوصی قوت اور اس کی کامیابی کا راز یہی طبعی سائنس اور سائنسی رجحانات ہیں جو اسے عربوں سے ورثہ میں ملے۔

ہماری سائنس پر عربوں کا احسان انقلاب انگیز اور محیّر العقول سائنسی نظریات وایجادات نہیں بلکہ عرب تمدن کا ہماری سائنس پر اس سے کہیں عظیم تر احسان ہے، کیونکہ خود اس کا وجود ہی ان کا شرمندۂ تخلیق ہے۔

یونانیوں نے علم ہیئت اور علم ریاضی دوسرے ممالک سے مستعار لئے، مگر ان علوم کو یونانی ثقافت کبھی بھی راس نہ آئی۔ انہوں نے ان علوم کو ترتیب دیا اور نظریات بھی قائم کئے۔ مگر مثبت علم کی تحقیق، سائنس کے دقیق طریقے تفصیلی اور طولانی مشاہدے اور تجربات کے صبر آزما مراحل۔ یونانی طبائع کی برداشت سے باہر تھے۔ جس کو ہم سائنس کہتے ہیں اس کا آغاز یورپ میں تجسس کا ذوق تحقیقات کے نئے اصول تجربات کے انوکھے طریقوں، مشاہدوں اور ریاضی کی پیمائشوں پر مبنی تھا۔ جن سے یونانی محض ناواقف تھے اور جن سے یورپ کو عربوں نے متعارف کرایا۔

عرب نہ ہوتے تو یورپ کی تہذیب وجود میں نہ آتی :

بہت ممکن ہے کہ اگر عرب نہ ہوتے تو موجودہ یورپی تہذیب بھی وجود میں نہ آتی، یہ تو بالکل یقینی امر ہے کہ عربوں کے بغیر یورپی تہذیب کبھی وہ حقیقت اختیار نہ کرپاتی جو وہ آج ارتقا کی سابقہ منزلوں پر فوقیت پا رہی ہے۔

اسلام کے عقائد عقل کی اساس پر قائم ہیں :

فرانس کا مشہور مستشرق ایڈورڈ مونٹیٹ

''اسلام جوہری اعتبار سے ایک عقلی و فکری دین ہے کیونکہ عقلی اسلوب Ratwialism کا مطلب یہ ہے کہ عقائد و افکار عقل و نطق کی میزان میں پورے اترتے ہوں اور انہیں ماننے سے انسانی فطرت کو کسی قسم کا بار محسوس نہ ہو۔ دین اسلام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے مجموعی عقائد منطق اور عقل کی اساس پر قائم ہیں۔ خدا کو ماننے کے بعد اس کی توحید کا عقیدہ خالص عقلی ہے، جسے وجدانی والہامی ہدایات سے مدد ملتی ہے۔ اسلام کی اشاعت میں ہمیشہ دو باتوں کو دخل حاصل رہا ہے۔ ایک اس کی سادہ قابل فہم اور فطری تعلیم، دوسرے اس کے عقلی و منطقی دلائل اس کی سادہ تعلیم سے افریقہ کے وحشیوں نے بھی فائدہ اٹھایا اور اس کی عقلی تعلیم نے بوعلی سینا، فارابی، ابن رشد اور بیچن پیدا کیے۔

(پریچنگ آف اسلام از آرنلڈ) مسٹر این رائے اپنی کتاب " The Historial Role of Islam " میں لکھتے ہیں۔

اسلام کی بدولت یورپ جدید تہذیب کا قائد بنا :

''تاریخ کے غیر جانبدارانہ اور صحیح مطالعہ کے بعد مسلمانوں کے

مذہب و کلچر سے نفرت کرنا نہایت معیوب ہوگا ایسا کرنا تاریخ کو جھٹلانا اور ملک کے سیاسی مستقبل پر ضرب لگانا ہوگا۔

مسلمانوں ہی کے ذریعہ یورپ جدید تہذیب کا قائد بنا، اب تک یورپ والے علمائے اسلام کے مرہونِ منت ہیں۔ بدقسمتی سے ہندوستان اسلامی کلچر کے گراں بہا تر کہ سے فائدہ نہ اٹھاسکا، کیونکہ وہ اس قابل نہ تھا اب ہندوستان کی نئی زندگی کے دور میں دونوں فرقوں کا فرض ہے کہ تاریخ کے اس یادگار صفحہ سے سبق لے کر اپنی تنگ نظری دور کریں۔ یقیناً دونوں کی موافقت سے ایک نیا رجحان اور نئی ذہنیت پیدا ہوگی۔

سر تھامس آرنلڈ لکھتا ہے:

تبلیغ کا انتظام نہ ہونے کے باوجود اسلام کی ترقی کے اسباب:

''مسلمانوں نے کبھی منظم تبلیغ نہیں کی کبھی غیر ممالک میں ان کے تبلیغی وفود نہیں گئے، سلاطین اسلام نے بھی تبلیغ میں انفرادی حصہ نہیں لیا اور کروڑوں پونڈ کجا ہزاروں پونڈ بھی اس مقصد کے لئے مخصوص نہیں کیئے گئے۔ مگر اس پر بھی اسلام کی اشاعت حیرت انگیز ہے۔ سچ پوچھئے تو اسلام کے مقابلے میں مسیحیت صرف اس لئے زندہ رہی کہ اس کے چلانے کے لئے اربوں پونڈ صرف کیئے گئے۔ اسلام کی سرعت اشاعت کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ مبلّغین اسلام کا عمل دوسروں کے لئے ایک مستقل کشش رکھتا تھا۔ ان کی مدلّل گفتگو ان کی راستبازی اور راست روی، ان کی رحم دلی رواداری ان کی عبادت بدن کی پاکیزگی ان کی دیانت و خلوص اور مذہب کے لئے ان کا جوش و

خر وش وہ چیزیں تھیں کہ اچھوں اچھوں کو مسلمان بنا گئیں۔
اسلام نے اپنے پیروں میں عمل کی جو روح پھونکی تھی اس کا یہ اثر تھا
کہ بے عمل مشنریوں کی ان کے سامنے پیش نہ گئی"۔

اسلامی عبادت کی سادگی پر ایک شخص نے خوب ریمارک کیا ہے:

Win Uood reade

"مسلمانوں کی عبادت اس قدر سادہ ہے کہ اس سے زیادہ سادگی کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ نماز کو دیکھئے اس میں گانے اور ناچنے کی کوئی گنجائش نہیں، اور شراب و کباب کا تو کہنا ہی کیا، غیر لوگوں کو ایسی عبادت بے مزہ معلوم ہوگی۔ لیکن جو لوگ اپنی عبادتوں میں موسیقی اور رقص بلکہ شراب و کباب کا بھی استعمال کرتے ہیں وہ گواہی دیں گے کہ اسلامی عبادت کی سادگی میں کس قدر دلکشی اور جاذبیت ہے۔ بادہ خوار بھی سمجھ سکتا ہے کہ پرہیزگاری کیا چیز ہے اور جن لوگوں نے رقص و سرور کی عبادت میں شرکت کی ہے وہی بتا سکتے ہیں کہ اسلام کی بے کیف نماز حقیقی اعتبار سے کس قدر پُر کیف ہے اور محویت کا طاری کرنا تو اس کا ایک معمولی کرشمہ ہے"۔

گیارھویں صدی عیسوی کا ایک انگریز سیاح جوزف تامسن لکھتا ہے:

"جب دریائے نائیگر میں ہماری، دخانی کشتی چڑھاؤ پر جاری تھی تو دو سو میل تک کوئی ایسی چیز نظر نہ آئی جو میرے خیال میں کسی طرح کی تبدیلی پیدا کرتی کیونکہ بُت پرستی کے ساتھ مردم خوری اور شراب کی تجارت زور پر تھی لیکن جب ساحل کا نشیبی ملک پیچھے رہ گیا اور میں وسط سوڈان کی شمالی سرحد پر پہونچا تو لوگوں کی سیرت و صورت میں مجھے ترقی معلوم ہوئی مردم خوری موقوف ہوتے ہی بُت پرستی بھی رخصت ہوئی شراب کی تجارت بھی ختم ہوئی، اور لوگوں کے بدن پر کپڑے زیادہ صاف نظر آنے لگے اور صورتوں میں ایسی متانت پائی

گئی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اخلاقی ترقی شروع ہو گئی ہے اور ہر چیز سے معلوم ہوتا تھا کہ ضرور کوئی خاص بات ہے جس نے ان وحشیوں پر قدرت پا کر ان کی قلب ماہیت کر دی ہے۔ آپ کو یہ سن کر حیرت ہو گی کہ یہ خاص بات اسلام ہے۔" (١)

ارنسٹ ہیکل فلسفی اور سائنس دان جو تمام مذاہب کا منکر ہے اپنی کتاب معمۂ کائنات۔

مسلمانوں کی عبادت و مساجد کا اثر قلوب پر کیا پڑتا ہے؟

"The Riddle of Uriverse" میں لکھا ہے:

"ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ محمدی مذہب نے تاریخی ارتقا کے مختلف ادوار میں توحید خالص کی جوہریت کو بڑی احتیاط سے محفوظ رکھا ہے۔ یہودیت اور عیسائیت پر اسے اس اعتبار سے خاص فوقیت حاصل ہے۔ ہمیں آج بھی اسلامی توحید کی روح اس کی نمازمیں اس کی تبلیغ میں اس تعمیرات میں اور اس کی مساجد میں صاف نظر آ سکتی ہے۔

جب میں پہلی مرتبہ ١٨٧٣ء میں سفر پر نکلا اور قاہرہ سمرنا بروصہ اور قسطنطنیہ کی مساجد کو دیکھنے کا اتفاق ہوا تو مجھے مساجد کی اندرونی و بیرونی سادگی ان کی خوبصورتی ان کی سجاوٹ بہت پسند آئی۔ ان مساجد کی سادگی کا مقابلہ کروان کیتھولک گرجاؤں سے جن کے اندرونی حصے تصاویر اور مجسموں سے لبریز ہیں اور جن کے بیرونی حصے انسانی اور حیوانی تصاویر سے لتھڑے ہوئے ہیں اور پھر خدا کے سامنے خاموش عبادت رقت آمیز طریقہ سے قرآن کی تلاوت کہاں

---

(١) پریچنگ آف اسلام آرنلڈ ص ٣٥٨۔

گرجاؤں کا شور و غل اور تھیٹر کے سے مظاہرے اور کہاں مساجد کی خاموش فضا اور عبادت گزاروں کی شائستہ عبودیت"۔(۱)

مسٹر اسمرین جو اپنے دور کا ایک سیاسی مفکر ہے۔ اپنی کتاب پر لکھتا ہے۔(۲)

اسلام نے جس توحید کا سبق دیا اُس کی مثال نہیں ملتی:

"اسلام نظریہ توحید کا سب سے بڑا علمبردار ہے۔ جس قرآن نے صدیوں تک دنیا کے مختلف لوگوں کو توحید کا سبق دیا اور کوہ اطلس سے ہمالیہ تک انسانی وحدت کا صور پھونکا بالآخر اس نیشنلسٹ (قومی) گروپ میں شامل ہوگئے جن کا معبود قوم (وطن) ہے اور پھر مسلمانوں نے قوم پرستی Nationalism کو وہ درجہ دیا جس کے سامنے پیغمبر محمد ﷺ کی تعلیم ہیچ ہو کر رہ گئی۔ ترکی میں پان تورانزم کو فروغ ہوا، جنوب میں پان عرب تحریک شروع ہوئی جو صرف عرب قبائل کو اپنے دائروں میں لے سکتی تھی۔ مشرق میں ہندوستان ہے، جہاں کے مسلمانوں کو نیشنل فیلنگ (قومی احساس) کا خوگر بنایا جا رہا ہے اور اس کے لئے نیا نعرہ ایجاد ہوا ہے یعنی پہلے ہندوستان بعد میں مسلمان"۔

"سویت روس کے مسلمانوں میں سویت نیشنلزم کا پیغام کام کر رہا ہے۔ یہ لوگ سوائے اس کے کچھ نہیں چاہتے کہ اپنے قومی بتوں کی پرستش کریں اور ان کی اپنی نیشن اسٹیٹ ہو، مگر یہ دنیا کی کتنی بڑی

۱۔ "The Riddle of Uriverse" باب پندرہ ص ۲۸۳۔

۲۔ The Anatomy of the Peace P.78

ٹریجڈی ہے کہ نیشنلزم (وطنیت) کو آفاقیت کی جگہ دی جا رہی ہے اور عالمی مشن چند گروہوں میں محدود کیا جا رہا ہے۔ دراصل یہ نیشنلزم قبائلیت کا دوسرا نام ہے جو تمام مصیبتوں تباہیوں کی جڑ ہے۔"

ایچ جی ویلز تاریخ عالم کا مصنف اپنی کتاب پر لکھتا ہے۔(۱)

مسلمان خود کو خدا کے حوالے کر دے یہ انسانیت کیلئے بہترین تعلیم ہے:

"اسلام کی یہ تعلیم کہ ایک مسلمان سب کچھ خدا کے حوالے کر دے اور اپنے اندر (نماز وغیرہ کے ذریعے) تنظیم پیدا کرے۔ گو عقلی اعتبار سے محدود ہی کیوں نہ ہو لیکن وہ انسانیت کے لئے ایک بہترین اور قابل احترام تعلیم ہے۔ اسلام کی اسپرٹ موجودہ دنیا کے تمام تقاضوں کی تکمیل کرتی ہے اس لئے روڈ بار ڈ سمپلنگ نے جب خدا کے تصور کو پیش کرنا چاہا تو اسے اسلام کے پیش کئے ہوئے خدا کے سوا کوئی اور خدا نہ چل سکا۔"

انگلستان کا شہرۂ آفاق دہریہ لکھتا ہے (۲):

برطانوی امریکی لٹریچر کی سب سے بڑی خرابی:

"برطانیہ اور امریکہ کے تاریخی لٹریچر میں سب سے بڑی خرابی یہ نظر آتی ہے کہ اس میں عرب و ایران کے تمدن کے عظیم الشان آثار کو دانستہ چھپایا گیا ہے۔ خود ہمارے ملک انگلستان کے جن ممتاز اہل قلم

۱۔ First and Last Things P. 76

۲۔ جوزف میکاب مصنف ریشنلسٹ انسائیکلوپیڈیا، صفحہ ۲۵۔

اشخاص نے کیمبرج میڈیول ہسٹری مرتب کی ہے۔ انہوں نے بھی عربوں کی شاندار تمدنی و علمی خدمات کے لئے صرف سو صفحات وقف کئے ہیں۔ حالانکہ عیسائیوں کے معمولی اور چھوٹے کارناموں کے تذکرے ہیں، اس سے تاریخ کے سیکڑوں صفحات بھرے پڑے ہیں۔ اسی طرح کوئی برطانوی اسکالر ایسا نہیں ملتا جس نے عربوں کی علمی خدمات پر بھرپور بحث کی ہو یا انہیں سراہا ہو، حالانکہ یہ واقعہ ہے کہ ۹۰۰ سے ۱۰۵۰ء تک جو مسیحیت کا تاریک ترین زمانہ ہے، عربوں نے اپنی شاندار تہذیب کو پرتگال سے ہندوستان تک پھیلایا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کا تمدن ہر اعتبار سے یونانی تمدن پر بہت بڑی فوقیت رکھتا تھا۔ آج اسپین کی کل آبادی دو کروڑ چالیس لاکھ ہے۔ مگر عربوں کے زمانہ میں نصف اسپین کی آبادی تین کروڑ سے کسی طرح کم نہ تھی اور انہوں نے اس حصہ کو خوشحال اور علم کی دولت سے مالامال کر رکھا تھا"۔

عربوں کے زمانہ میں صقلیہ (سسلی) کی آبادی اس وقت کے انگلستان سے تقریباً دوگنی تھی۔ اس میں بھی عربی تہذیب و تمدن کا گلشن خوب لہلہایا اور ساتھ مصر، ایران و شام میں بھی اس کی خوشبو پھیلی، اس وقت مسلمانوں کے زیرنگیں کوئی ملک ایسا نہ تھا جس کی آبادی ڈھائی لاکھ سے دس لاکھ تک نہ پہنچی ہو۔ حالانکہ اس زمانہ میں لندن پیرس اور روم کی آبادی تیس تیس ہزار سے زائد نہ تھی۔

ان تمام ممالک میں مطالعہ کے لئے سینکڑوں کتاب خانے تھے جن میں کتابوں کی لاکھوں جلدیں ہر وقت موجود رہتی تھیں۔ بھلا اس وقت کے عیسائی ممالک عرب تمدن کا کیا مقابلہ کر سکتے تھے!

عرب یونیورسٹیوں میں سائنس کی عام تعلیم دی جاتی تھی۔ جس کا یورپ کے عیسائیوں اور علم دوستوں نے خیر مقدم کیا ہے اور اسے سیکھ کر اپنے کلاسوں میں بھی سائنس کی اشاعت کی۔ یہ میرا ہی خیال نہیں ہے بلکہ ڈاکٹر جی سارٹن نے اپنی کتاب انٹروڈکشن ٹو دی ہسٹری آف سائنس میں اور ڈاکٹر ایس ایچ ولیم نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔

مزید اور لکھتا ہے:

"عربی تمدن نے اپنے زیراثر ممالک میں رواداری آزادی سماجی انصاف صفائی ہمدردی اور عام خوشحالی کو جس طرح عام کیا ہے اس کی نظیر عیسائی دنیا صدیوں تک نہ پیش کر سکے گی۔ مغربی مؤرخوں نے عربوں کی ان شاندار خدمات اور بے نظیر تمدن کو دبانے اور مٹانے کی کوششیں کی ہیں اور اس کی جگہ ایسے جھوٹے واقعات گھڑے ہیں، جن سے یہ ثابت ہو کہ عیسائیت ہی نے دنیا کو یہ نعمتیں عطا کی ہیں۔ وہ چلتے چلتے عرب تمدن کا جوڑ صرف صلیبی جنگوں سے ملا دیتے ہیں اور یہ بات بھول جاتے ہیں کہ صلیبی جنگوں سے پہلے عربوں نے سسلی کی راہ سے اٹلی کو علم تمدن سے مالا مال کیا۔"

خلاصہ یہ کہ اسپین اور سسلی کا عربی تمدن ہی وہ روشن چراغ تھا۔ جس نے سارے یورپ کو بیدار ہونے میں مدد دی اور اسے اپنی جہالت و توہمات سے نجات پانے کا موقعہ ملا۔

صرف مذہب اسلام ہی وہ دین ہے جو عقلی مزاج سے ربط قائم کر کے خدا کے وجود پر روشنی ڈالتا ہے:

ڈاکٹر ڈبلیو۔ آر۔ یتھور ایک دہریہ سے گفتگو کرتا ہے دہریہ خدا کے

وجود کے تمام دلائل سے بے اعتنائی کا اظہار کرتا ہے اور آخر میں کہتا ہے:

"میں نے ہر مذہب کے دلائل کا مطالعہ کیا اور ہر مذہب نے مجھے دور پھینکنے کی کوشش کی، خدا کے وجود پر جو دلیل زبردست سمجھ کر پیش کی گئی وہی دلیل سب سے زیادہ کمزور اور خام ثابت ہوئی، صرف خدا کا وہ تصور جسے اسلام پیش کرتا ہے ایک ایسا تصور ہے جس کے سامنے ٹھہرنے، جس پر غور کرنے اور جسے سننے کو جی چاہتا ہے۔ صرف یہی مذہب ایسا ہے جو عقلی مزاج سے ربط قائم کر کے خدا کے وجود پر روشنی ڈالتا ہے۔"

ڈاکٹر لوتھر اپنی تصنیف جدید دنیائے اسلام میں لکھتا ہے:

مسلمانانِ عرب خداداد اوصاف سے متصف اور شائستہ صفات کے حامل تھے:

"عرب اپنی حکومت کے مستحکم کرنے کے طریقے خوب جانتے تھے یہ کوئی خون کے پیاسے وحشی نہ تھے، جو لوٹ مار اور غارت گری کے خواہشمند ہوتے۔ برخلاف اس کے کہ وہ جبلی طور پر خداداد اوصاف سے متصف اور ان شائستہ صفات کو جو قدیم تہذیبوں سے حاصل ہو سکتی تھیں۔ سیکھنے کے متمنی تھے۔ یہ فاتحین اور مفتوحین ایک ہی مذہب کے پیرو ہو گئے ایک دوسرے سے مناکحت کرنے لگے اور سُرعت کے ساتھ ایک دوسرے میں ضم ہو گئے، اس اختلاط سے ایک جدید تمدن یعنی عربی تہذیب پیدا ہوئی۔ عرب کی طبعی قوت نے یونانی رومی ایرانی تہذیب کو مستحکم کر دیا اور عربی ذہانت اور اسلامی روح نے اس پر جلا کر کے اپنی تہذیب میں ملالیا۔

”پہلی تین صدیوں ۶۵۰ء سے ۱۰۰۰ء میں بلادِ اسلامی دنیا کے سب سے زیادہ مہذب اور سب سے زیادہ ترقی یافتہ حصے تھے ان میں جا بجا پُر رونق شہر عالی شان مسجدیں اور پُر سکون درسگاہیں تھیں، جن میں دنیائے قدیم کی حکمت کی حفاظت اور قدر کی جاتی تھی۔ نصرانی مغرب سے جو ازمنۂ مظلمہ کی تاریک شب میں چھپا ہوا تھا۔ اسلامی مشرق کا کھلا ہوا تقابل تھا۔“

دنیا میں وقت معلوم کرنے کیلئے

کرۂ سماوی کا نمونہ تیار کر لیا گیا تھا:

کائنات کے لئے تشریحی اور توضیحی کرے تعداد میں پانچ ہیں۔

﴿۱﴾ کائنات کا سب سے پہلا کرّہ جو علامہ شمس الدین محمد نے ۱۰۸۰ء۔ ۴۷۳ھ میں بنایا تھا۔ ۲۰۹ ملی میٹر کے قطر کا تھا۔

﴿۲﴾ پیتل کے دو کھوکھلے کرّے جو ۷ ۳ ملی میٹر کے ہیں جامعہ فلورنس میں محفوظ ہیں۔

﴿۳﴾ ایک کرّہ جو علامہ ابن ابی القاسم نے ۱۰۳۵ء۔ ۴۲۶ھ میں بنایا تھا، ۱۹۰ سینٹی میٹر کے قطر کا ہے۔ اس کے ساتھ ۴۹ ۱ اشکال ہیں۔ یہ کرّہ اس وقت نیپلز کے قومی عجائب گھر کی زینت بنا ہوا ہے۔

﴿۴﴾ ایک کرّہ جو ۱۱۷۵ء۔ ۵۷۱ھ میں علامہ ابن ہلال نے بنایا تھا اور جس کا قطر ۲۴ سینٹی میٹر ہے، رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن میں محفوظ ہے۔

﴿۵﴾ پیتل کا ایک کرّہ جو محی الدین عرسے نے ۱۲۷۹ء۔ ۶۷۹ھ میں تیار کیا تھا۔ ڈریسڈن یونیورسٹی میں محفوظ ہے۔ اس میں ...

اجرام ساوی کی تفصیلات دی ہوئی ہیں۔

ان کے علاوہ ایک کرہ جو میٹروپولیٹن میوزیم میں رکھا ہوا ہے اور ۱۳۰۰ء۔۶۹۹ھ میں بنایا گیا تھا فارسی زبان میں ہے۔

تاریخی فلسفہ، از ڈاکٹر اوسوالڈ اسپنگلر:

بنی نوع انسان کی تاریخ میں قرآن کا رول انقلابی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ اس لئے کہ اس نے قدیم زمانہ کی یونانی روایات اور تصوری اور تجریدی نوعیت کی تمام چیزوں کے خلاف بغاوت کی ہے۔

قرآن نے اس بات پر زور دیا ہے کہ مشاہدہ اور تجربہ کے ذریعہ حصولِ علم اور قدرتی حادثات کی محسوس اور مرئی علامات کے مطالعہ کے دو ہی ذریعے ہیں "عالم طبیعی اور تاریخ" سائنس جس کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے۔ کہ وہ قدرتی حادثات اور ان کے مابین تعلقات کی مرتب و منضبط معلومات ہے، مشاہدہ اور تجربہ پر مبنی ہے۔ سائنس کے مفروضات مشاہدہ شدہ حقائق کی بنیاد پر قائم کئے جاتے ہیں، جو تنقید اور مشاہدات سے توثیق و تصدیق ہو جانے پر قوانین قدرت کہلائے جاتے ہیں۔ یہ بات اس چیز میں مفقود نظر آتی ہے۔ جس کو یونانی سائنس کا نام دیا گیا ہے۔

یونانیوں کے پیش نظر فلسفیانہ مسائل ہوتے تھے جو عمومیت کا درجہ رکھتے تھے۔ وہ ان کے لئے ایسے قیاسات اور دلائل کا مطالبہ کرتے تھے جن کی بنیاد غور و فکر پر ہوتی تھی، سائنس پر نہیں۔

"یونانی سائنداں ارسطو" کا احیا کتنا عظیم غلط فہمی کی ایک مثال ہے۔ سائنداں کی حیثیت سے اس کا استحقاق کلیتاً اس امر پر ہے کہ اس نے حقائق کو جمع کیا اور ان کی درجہ بندی کر دی۔ اس نے کبھی تجربہ کی منزل سے گزرنے کی

زحمت گوارا نہیں کی۔ اس بات کا یقین تو کر لیا کہ مرد کے منہ میں عورت سے زیادہ دانت ہوتے ہیں اور یہ کہ زمین پر گرتے ہوئے اجسام کی رفتار ان کے وزن کے متناسب ہوتی ہے لیکن اس کے دماغ میں کبھی یہ بات نہ آئی کہ دانتوں کو گن کر (۱) یا مختلف اوزان مختلف دھاتوں کے گولوں کو کسی بلندی سے پھینک کر اس بات کی تصدیق کر لیتا کہ وہ زمین پر ایک ہی وقت میں پہنچتے ہیں یا ایک دوسرے کے بعد۔ اس طرز عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ یونانی محسوسات سے زیادہ غیر مفروں اور خیالی باتوں میں پھنس کر رہ گئے۔

لندن یونیورسٹی کا کہنا ہے کہ "سائنس اور جملہ علوم کا ابتدائی محرک قرآن ہے" (۲)

کیمبرج یونیورسٹی...... تاریخ سائنس ۱۹۷۰ء

"تاریخ تہذیب میں عربوں کی سائنسوں کے اعلیٰ ترین مقام کی ایک یقینی دلیل اور اس کی اہمیت عالمی سطح پر گزشتہ پچاس سالوں میں قرآنی ادب کے مطالعہ سے انتہائی درجہ پر واضح ہو گئی ہے۔ مثال کے طور پر نسٹن یونیورسٹی کے عیسائی گرجا کے مقام پر ایک دریچہ میں الرازی کو اپنی کتاب الحادی لئے ہوئے دنیا کی عظیم ترین شخصیات کے جھرمٹ میں دکھایا گیا ہے۔ یہ کتاب جو ۸۶۵ء میں تصنیف ہوئی تھی، علوم و فنون اور سائنسوں کی انسائیکلوپیڈیا ہے۔

۱۔ برٹرینڈ رسل نے اپنی گراں قدر تصنیف سائنس کا معاشرہ پر اثر Inpact of Science on Society میں مزاحیہ انداز میں اس طرح لکھا ہے "اگرچہ ارسطو کے دو بیویاں تھیں لیکن اس نے کبھی بھی کسی ایک بیوی کا منہ کھلوا کر اور اس کے دانت گن کر اپنے نظریہ کی تصدیق نہیں کی۔"

۲۔ لندن یونیورسٹی 'عرب ان ہسٹری' صفحہ ۲۱۷۔

تاریخ تہذیب

امریکی تحقیق(۱):

یہ بات نہایت افسوس ناک ہے کہ ہمیں عربی علوم کے موسم گل کی ان صدیوں (۷۷۰-۱۱۵۰ء) کے بارے میں بے حد نامکمل معلومات حاصل ہیں۔ سائنس، ادب اور فلسفہ کے ہزاروں مخطوطات دنیا کے کتب خانوں میں دبے پڑے ہیں۔ تما قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) میں تمیں مسجدوں کے کتب خانے موجود ہیں۔ قاہرہ، دمشق، بغداد، مراکش اور وسط ایشیا میں بہت بڑے بڑے ذخیرے ایسے موجود ہیں جن کی فہرستیں بھی ابھی تک نہیں بنی ہیں۔ میڈرڈ (مجریط) کے قریب اسکوریال (۲) El Escorial کے کتب خانہ کے مخطوطات کی فہرست بمشکل تیار ہو سکی ہے۔ ان صدیوں میں ہونے والے

۱۔ہارورڈ یونیورسٹی صفحہ ۲۵۷۔

۲۔ال اسکوریال El Escorial وسطی اسپین کے صوبہ میڈرڈ کا ایک تعلقہ Commune ہے اور کوہستان الشارات Sierra De Guadarama کے جنوب میں میڈرڈ سے شمال مغرب کی جانب ۲۵ میل (۴۰ کلومیٹر) دور واقع ہے۔ ۱۹۷۰ء کی مردم شماری کے مطابق اس قصبہ کی آبادی ۳۸۳۹ تھی۔ ۱۵۶۳ء تا ۱۵۸۴ء میں فلپ دوم کے حکم سے یہاں کئی قابل ذکر عمارتیں بنیں، جنہیں ایک شاہی محل، ایک شاہی مقبرہ، ایک گرجا، ایک کالج اور ایک کلیسا شامل ہیں۔ ان کے علاوہ فن کے بہت سے اعلیٰ نمونے اور عہد اسلامی کے بے شمار قیمتی مخطوطات محفوظ ہیں۔

مسلمانوں کے سائنسی افکار کے بارے میں اس کے بھی محض ایک قلیل حصہ کا علم ہے۔ جواب باقی رہ گیا ہے۔ اور باقی رہا ہوا سرمایہ اس کا ایک قلیل حصہ ہے، جو تحقیق ہوا تھا۔ لہٰذا ان صفحات میں جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے وہ اس قلیل حصہ کا بھی اقل قلیل ہے۔

جب یورپ کے کتب خانوں میں موجود تمام قیمتی مواد روشنی میں آ جائے گا، اس وقت پتہ چلے گا کہ مغربی تہذیب پر عربی زبان القرآن جو اثر پڑا ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہے۔ جس کا ہنوز اعتراف کیا گیا ہے۔ یورپی مؤرخ جس نے عربی علم و ادب کو نظر انداز کر دیا ہے اس نے ہمیں ماضی کے علمی سرمایہ کا نہ صرف ایک نامکمل بلکہ غلط تصور دیا ہے۔

کارنیجی تحقیق:

مسلمان تحقیق و تجسس کے جذبے سے اس درجہ سرشار تھے کہ انہوں نے کائنات کا ممکنہ حد تک پوری طرح مطالعہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ ان کو قدرت کی جانب سے سائنسی ذکاوت و ذہانت اور سوجھ بوجھ کا وافر حصہ عطا ہوا تھا۔ اور اسلامی کلچر ان متعدد مراکز سے پھیلا جو جنوب مغربی یورپ میں، اور مغرب سے لے کر وسط ایشیا تک ہر طرف بکھرے ہوئے تھے۔ ان کے پاس اتنا وقت تھا کہ وہ ریاضی، فلکیات، کیمیا، طبیعیات، ٹیکنالوجی، جغرافیہ اور طب میں بے پناہ اور قابلِ قدر کام انجام دے سکیں۔ انہوں نے تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں صدیوں میں عظیم سائنسدان پیدا کئے۔(۱)

یہاں چند شہرۂ آفاق ہستیوں کے ناموں کو پیش کر دینا کافی ہو گا۔ جن کے ہم پلّہ مشاہیر مغرب میں دستیاب نہیں ہیں۔

۱۔ کارنیجی تحقیق، واشنگٹن پبلی کیشن نمبر ۲۷۶، نیویارک ۵۲۹۔

"جابر ابن حیان۔ الکندی۔ الخوارزمی۔ ثابت ابن قرۃ۔ البتانی۔ رازی۔ حنین ابن اسحاق۔ الفارابی، ابراہیم ابن سنان، المسعودی، ابن سینا، الصوفی، ابن یونس الخرقی، ابن الہیثم، علی ابن عیسیٰ، البیرونی، الطبری، علی ابن عباس، ابو القاسم، الزہراوی، ابن الجزا، الغزالی، الزرقالی، عمر خیام۔"

یہ ناموں کی ایک شاندار قطار ہے جس کو بڑھانا مشکل نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص آپ سے یہ پوچھے کہ کیا یورپی دور بجز تھا؟ تو اس کے سامنے یہ نام دہرا دیجئے، جو سب کے سب نسبتاً نہایت قلیل مدت یعنی ۷۵۰ء تا ۱۱۰۰ء میں بام عروج پر پہنچے۔

لندن یونیورسٹی "دی عربس ان یورپ (عرب یورپ میں):

شمالی علاقہ کے عرب بالخصوص وہ لوگ جن کا تعلق حجاز، شام اور عراق کے سرحدی علاقوں سے تھا۔ بنیادی طور پر خشکی کے باشندے تھے جن کو سمندر اور جہازرانی کی کوئی معلومات نہیں تھی۔ اسلامی فتوحات کا یہ ایک روشن ترین پہلو ہے کہ ان لوگوں نے اتنی جلدی اس قسم کی سرگرمی سے مطابقت پیدا کرلی۔ شام اور مصر پر قبضہ کرنے کے چند ہی سال بعد عرب کے خشک علاقوں میں محصور ان لوگوں نے اتنا بڑا جنگی بیڑا تیار کرلیا اور اس کے لئے عملہ فراہم کرلیا کہ وہ بازنطین کی طاقت اور تجربہ کار بحری قوت سے مقابلہ کرنے اور اس کو شکست دینے کے قابل ہوگیا۔ اس نے مرکز خلافت کو اس کی حفاظت اور بحرۂ روم پر غلبہ کو وسعت دینے کی پیشگی طور پر یقین دہانی بھی کر دی۔ (۱)

۱۔ لندن یونیورسٹی۔ "دی عربس ان یورپ (عرب یورپ میں)" صفحہ ۱۱۵۔

مسلمانوں کے جنگی جہازی بیڑے کی تخلیق کا سرا بجا دی طور پر دو آدمیوں کے سر ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ اور والیٔ مصر حضرت عبداللہ ابن سعد ابن ابی سرحؓ۔

مسلمانوں نے جہازی بیڑے کو سازو سامان سے لیس کیا اور اس کے لئے عملہ فراہم کر کے اتنی ہی نمایاں فتوحات حاصل کیں، جیسی مسلم بری افواج نے کی تھیں۔ مثلاً!

"۶۵۵ء کی وہ عظیم بحری جنگ (۱) جس میں مسلمانوں کے صرف ۲۰۰ جہازوں پر مشتمل جنگی بیڑے نے اناطولیہ کے ساحل سے کچھ فاصلے پر بازنطین کے ایک ہزار جہازوں کو شکستِ فاش دی تھی۔"

برطانوی تحقیق:

دوسری زبانوں کے مقابلہ میں عربی زبان زیادہ اختصار کے ساتھ

۱۔ پروفیسر فلپ حتی اپنی مشہور کتاب 'ہسٹری آف دی عربس' میں رقم طراز ہیں:
"۶۵۵ء (م ۳۴ھ) میں مصر شام کے عربی بیڑوں نے مل کر لی سیہ کے ساحل کے سامنے فنکس کے قریب بازنطینی بیڑے کو بالکل تباہ کر دیا۔ جس میں کوئی پانچ سو جنگی جہاز تھے اور خود قیصر قسطنطین ثانی انہیں لڑا رہا تھا۔ وہ مشکل جان بچا کر بھاگا۔ یہ معرکہ عربی میں "ذوالصواری" (یعنی مستولوں کی جنگ) مشہور ہے۔ (ابن عبدالحکیم صفحہ ۱۸۹) اور اسی نے بنی ذنظہ کی بحری سیادت پر خطِ تنسیخ کھینچ دیا۔"
(تاریخ طب عرب۔ مترجم جناب سید ہاشمی فرید آبادی۔ شائع کردہ انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی ص ۳۳۵)

تعلقات کو ظاہر کرنے کے لئے موزوں ہے۔ (۱)

اس کی وجہ فعل اور اسم کی غیر معمولی لچک ہے۔ چنانچہ "کسر" توڑنا" پارہ پارہ کرنا، توڑنے کی کوشش کرنا، ایک دوسرے کو توڑنا، کسی کو توڑنے کے لئے کہنا، توڑنے کا بہانہ کرنا، بنیادی فعل (یعنی مادّہ) کے بہت سے تغیرات میں سے چند میں جو اعراب کی تبدیلی اور حروف صحیح کے ایزاد سے تکمیلی افعال و ضمائر کی مدد کے بغیر ظاہر کئے جا سکتے ہیں۔ جبکہ انگریزی زبان میں تکمیلی افعال و ضمائر کو کام میں لانا پڑتا ہے۔ اسم کی بھی بہت سی مختلف نوعیت کی اشیاء کے لئے مناسب اشکال ہیں۔ جیسے کسی کام کے لئے یا وقت اور مقام، جسمانی خرابیاں، بیماریاں، اوزار و آلہ جات، رنگ، پیشے وہم چناں دیگر یہاں ایک مثال پیش کر دینا کافی ہو گا۔

ا۔ جس وقت سے برّ صغیر میں انگریزی اقتدار قائم ہوا ہماری قوم کے بہت سے مشاہیر اور دانشور مغربی تہذیب و تمدن اور یورپی زبانوں کے مقابلہ میں اپنے تمدن اور اپنی زبانوں کو حقیر سمجھنے لگے۔ چنانچہ پچھلی صدی کے آخری حصہ میں شبلی نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ مسلمانوں کو ان کے اپنے علوم سے باخبر رکھنے کے لئے عربی زبان لازمی طور پر سکھائی جانی چاہیے۔ ان کی اس تجویز کو ہمارے ایک بڑے دانشور نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ عربی زبان میں سوائے شعر و شاعری اور تاریخ کی چند کتابوں کے رکھا ہی کیا ہے۔ جس کے لئے مسلمانوں کا قیمتی وقت ضائع کر کے ان کو یہ مشکل زبان سکھائی۔ شبلی نے جواب میں ایک مفصّل اور مدلّل مضمون لکھا جو ان کے مطبوعہ مقالات میں شامل ہے۔ معلوم نہیں کسی مسلمان نے اپنا قیمتی وقت ضائع کر کے اس مقالہ کو پڑھا یا نہیں، تاہم یہ بات یقینی ہے کہ اس کا کوئی اثر اب تک دکھائی نہیں دیتا۔ ممکن ہے بعض حضرات اہلِ مغرب کے ان بیانات سے متاثر ہو کر عربی زبان کی اہمیت کو تسلیم کر لیں۔

اسم، مادہ۔ د۔ و۔ ر۔ کو لیتے ہیں جس کے معنی اپنی سادہ شکل میں گھومنے اور چکر کھانے کے ہیں:

دَوْرَہ ....گول بنانا، گھمانا،

اَدَارہ ....چکر دلانا، کنٹرول کرنا، قابو میں رکھنا،

دَوْر ....چکر، گھیرا،

دوران ....زمانہ، گھیر،

دَوَّار ....پھیری والا، سیلانی، خانہ بدوش،

مَدَار ....محور،

مُدِیر ....کنٹرولر، ناظم،

دَوَارہ ....کسی کے ساتھ گھومنا،

تَدَوَّرَ ....گول ہونا،

دَوْرَ ....حرکت، گھوم،

الدَّوَّارۃ اور الدَّوَّار ......سر کا چکر،

الدَّوَّارۃ ......پرکار،

الدائرۃ ...... حلقہ،

ان میں سے کوئی شکل بھی اتفاقیہ طور پر نہیں بن گئی، بلکہ عربی زبان کی بناوٹ کے اصولوں کے تحت پہلے سے یہ اشکال مقرر ہیں۔

اس ایک مثال سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجائے گی کہ عربی زبان جس کے پاس ہر فعل اور ہر اسم کے لئے ایسا جامع اور متنوع ذخیرہ موجود ہے۔ وہ کلاسیکی دنیا کی سائنسی مصطلحات کو ظاہر کرنے کے لئے کس قدر موزوں ہے اور کتنی آسانی سے خود کو ضرورت کے مطابق ڈھال سکتی ہے۔ عرب ایک صاحب نظر قوم تھی۔ اگر تحصیلی استدلال کو ان کی زبان سے فطری

علاقہ نہیں تھا تو وہ ایک ہی چیز کی مختلف شکلوں کے لئے مخصوص نام رکھ کر اس کمی کی تلافی کر سکتے تھے۔ مثلاً اتنے سال کی عمر کا اونٹ، اتنے بچے جننے والی اونٹنی، ایک مخلوط نسل کا اونٹ و بچھاں دیگر۔ ان سب کے اپنے اپنے موزوں نام تھے۔

کارنیجی ریسرچ:

مسلم تمدن کا ذریعہ ایک ایسی زبان تھی جو کبھی بھی سائنسی مقصد کے لئے کام میں نہیں لائی گئی تھی۔ فلسفہ اور سائنس کی اصطلاحات عربی میں موجود نہیں تھیں۔ جب اس امر کو ذہن میں رکھا جائے تو مسلمانوں کے دور کی کم مائیگی پر متعجب ہونے کی جائے اس بات کی تعریف کئے بغیر نہیں رہا جا سکتا، کہ انہوں نے اس راہ میں کس قدر کاوش سے کام لیا۔ (۱)

کارنیجی ریسرچ:

عربی بہ یک وقت ایک مقدس اور ناگزیر زبان کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ دنیا کی مخصوص زبانوں میں سے ایک زبان ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ۸ آٹھویں ویں صدی (عیسوی) سے یہ تمدن انسانی کا اہم ترین ذریعہ رہی ہے۔ (۲)

"تاریخ عالم" مصنفہ ایچ۔ جی۔ ویلس:

لاطینی کے ذریعہ سے نہیں بلکہ عربی زبان کے ذریعہ دنیا نے عقل نے قوت و ترقی کے لئے روشنی حاصل کی ہے۔

تاریخ مشرق وسطیٰ۔ از پروفیسر برنارڈ لیوس:

اسلامی تمدن میں اشاعت کا خاص ذریعہ عربی زبان تھی اور اس پر "قرآن" کا اور زندگی کے بارے میں اس کے نظریہ کا تھا۔ زبان اور عقیدہ

۱۔ کارنیجی ریسرچ۔ واشنگٹن پبلیکیشن نمبر ۲۷، ۳، ۷، ۱۹۲۷ء صفحات ۳۸۵، ۳۸۶

۲۔ کارنیجی ریسرچ صفحہ ۶۸۴۔

دو چیزیں تھیں جو دنیا کے جدید اور بجنل تمدن کے لئے عرب فاتحین کا عظیم عطیہ ہیں۔ (۱)

عربی الفاظ انگریزی میں :

ڈاکٹر پروفیسر واٹ ٹیلر :

ڈاکٹر ٹیلر کا کہنا ہے۔ "اگر تاریخ پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا تو لسانی شہادت ایسی ہے جس کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ یورپی زبانیں، عربی کی فنی اور غیر فنی اصطلاحات سے بھری پڑی ہیں۔ (۲)

ڈاکٹر واٹ ٹیلر کے قول کے مطابق عربی زبان کے صدہا الفاظ انگریزی ڈکشنری میں موجود ہیں۔ انھوں نے نہایت احتیاط سے ان کی فہرست مرتب کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں :

"یہ بات جان لینا دل چسپی سے خالی نہیں کہ ان الفاظ میں ۴۰۵ الفاظ کنسائز آکسفورڈ ڈکشنری میں شامل ہیں۔ اور ۳۸۵ الفاظ پاکٹ آکسفورڈ ڈکشنری میں موجود ہیں۔"

عربی قوموں کا تمدن۔ ان کی تاریخ اور ان کا کلچر :

یورپی صنعتوں، بیوپار اور تجارت کی ابتدا اور ترقی نویں صدی سے پندرھویں صدی تک حامل قرآن لوگوں کے ہاتھوں ہوئی۔ اور جدید حساب کتاب اور بہی کھاتے کا نظام بھی انھوں نے قائم کیا۔ (۳)

عربی اعداد، صفر اور اعشاری نظام کی ایجاد کی مدد کے بغیر کوئی ترقی

---

(۱) پروفیسر برنارڈ لیوس۔ لندن یونیورسٹی۔ صفحہ ۱۳۷،
(۲) ڈاکٹر پروفیسر واٹ ٹیلر۔ کلیرینڈن پریس ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۲۳۱،
(۳) ایڈورڈ میک نال برنس۔ شائع کردہ ڈبلیو ڈبلیو نارٹن کمپنی۔ نیویارک،

ممکن نہیں تھی۔ اسی طرح اعداد کے علم کی قرآنی ایجاد نے جو پہلے نا معلوم تھے، دنیا کو راہ ترقی میں گامزن کیا۔

وہ حامل قرآن لوگ ہی تھے جنہوں نے نویں اور دسویں صدیوں میں حسب ذیل چیزیں دریافت کرلی تھیں۔

پبلک اور پرائیویٹ کمپنی کا جدید یورپی نظام، تجارتی گلڈس کی تنظیم، نظام بنکاری، اعتبارنامہ یعنی لیٹر آف کریڈٹ Letter of Credit بارنامہ یعنی بل آف لیڈنگ Bill of Lading تجارتی حساب کتاب پر رسائے Treatises اصولِ تجارت اور کاروباری طریقے Business Methods وغیرہ۔

ان کا سرچشمہ قرآنی اصولوں کے سوا اور کہیں دکھائی نہیں دیتا۔

آخر میں حاملِ قرآن لوگوں نے عہد وسطیٰ اور دورِ جدید کے یورپ کی معاشیاتی ترقی پر گہرا اثر ڈالا۔ تجارت کا عروج جو یورپ میں تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں صدیوں میں رونما ہوا۔ قرآنی صنعت اور زراعت کی ترقی کے بغیر مشکل ہی ممکن ہوتا۔ یہ زراعت کی وہ ترقی تھی جس نے ہسپانیہ کے راستہ سے مغرب میں نئی پیداواروں کو فروغ دیا۔

مزید براں حامل قرآن لوگوں کے ذریعہ مشترکہ سرمایہ کمپنی Joint Stock Company بقایہ یا گلڈ Guild بارنامہ چیکس یا بلس آف لیڈنگ چیکس Bills of Lading Cheques اعتبارنامے۔ یعنی لیٹرس آف کریڈٹس Letters of Credits اور یورپ میں موجودہ کاروباری لین دین کے لئے دوسری طرح کی امداد کا ۱۳۰۰ عیسوی کے لگ بھگ شروع ہونے والی کاروباری انقلاب کے آغاز میں بڑا ہاتھ ہے۔(۱)

ا۔ صفحہ ۲۹۸۔

یورپ میں بین الاقوامی اور معاشرتی ترقی کی بنیاد قرآن کریم ہے کوئی دوسری چیز نہیں۔

غالباً قرآنی معاشیاتی اثر کی وسعت صاف طور پر ان کثیر تعداد الفاظ سے ہوتی ہے جو آج بھی عام استعمال میں ہیں۔ اور وہ عربی الاصل ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔

تعرفہ یا زرخمانہ Tariff، جانچ یا تنقیح Check (۱)، مخزن یا گودام Magazine، الغول یا الغولی عرق یا الکوحل Al- Cohol (۲)، صفر Zero، الجبر (والمقابلہ) Algebra، موسلن (شہر موصل سے نسبت Muslin، بازار Bazaar or Bazar، قیراط Carat وغیرہ۔

قرآنی قوانین اور ان کے محاسن :

یو۔ ایس۔ اے کے اٹارنی جنرل نے "اسلامی قانون" پر اپنی کتاب کی تمہید میں لکھا ہے :

"امریکی قانون کا، اخلاقی فرض سے صرف ایک نازک سا تعلق ہے۔ کوئی امریکی ایک پابند قانون شہری سمجھا جا سکتا

---

(۱) چیمبرس ٹویٹھ سنچری ڈکشنری میں لفظ Check کے مادہ کی صراحت اس طرح کی گئی ہے۔

(O. fr. eshec, eschac through ar, from per. shah- king, check mate being O-fr- eschec mat-ar. shah mata- the hing is dead)

(Ar. al- koh`l- al, the - hoh`l antimony)

ہے، خواہ اس کی اندرونی زندگی کتنی ہی نفرت انگیز اور بد اطوار ہو، لیکن اسلامی قانون کا منبع "منشائے الٰہی" کو قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ وحی کے ذریعہ اور اس کے رسول محمد ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں اس کو معلوم ہوا ہے، یہ قانون منشائے الٰہی۔ مومنین کی تمام جماعت کو ایک سوسائٹی قرار دیتا ہے۔ جس میں مختلف النوع نسلیں اور قومیتیں شامل ہیں۔ اور وہ سب ایک رشتہ میں منسلک ہو کر دور تک پھیلی ہوئی ایک کمیونٹی بناتی ہیں۔ اس سے مذہب کو صحیح معنوں میں اور بڑی زبردست قوت حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ چیز سوسائٹی کی غیر منفک جز قرار پاتی ہے۔ اس میں قومیت یا جغرافیائی تقسیم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ خود حکومت بھی قرآن کے قائم کردہ "اقتدار اعلیٰ" کی فرماں بردار ہوتی ہے۔ اس کی وجہ کسی دوسرے قانون ساز کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ لہٰذا کوئی مسابقت یا رقابت یا نا اتفاقی نہیں ابھر سکتی۔ مومن اس دنیا کو اخلاق کی تطہیر کے لئے ایک وادی قرار دیتا ہے۔ گویا یہ عالم، آخرت کے لئے پیش دالان ہے اور قرآن میں اس بات کو مکمل طور پر واضح کر دیا گیا ہے کہ مومن کو کن شرائط اور قوانین کے تحت رہ کر زندگی گزارنی ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہئے۔ اور معاشرے کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا جانا چاہئے۔ ان اصولوں کی وجہ سے دنیا سے عالم آخرت کا سفر ایک یقینی اور محفوظ و مامون تبدیلی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

مشرق وسطیٰ کی تاریخ :

پروفیسر ڈاکٹر برنارڈ لیوس :

(اسلامی) تمدن میں اظہار کا خاص ذریعہ عربی زبان تھی۔ اور اس پر غلبہ قرآن کریم اور زندگی کے بارے میں اس کے نظریہ کا تھا۔ ان کی زبان اور عقیدہ، یہ وہ دو چیزیں تھیں جو دنیا کے جدید اور ابتدائی تمدن میں عربی فاتحین کا بڑا حصہ قرار دی جاسکتی ہیں۔ (۱)

مقبوضہ صوبہ جات میں عربوں کی فوجی کامرانیوں سے زیادہ ان کو عربی رنگ میں رنگنا تھا۔ یہی وہ چیز جس کو اسلام کی توسیع میں حقیقتاً کرامت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ ۹ ویں اور ۱۰ ویں صدیوں تک عربی، چین سے لے کر اسپین تک نہ صرف عام زندگی کا خاص محاورہ بن گئی تھی بلکہ تہذیب کا بھی خاص ذریعہ قرار پاگئی تھی۔ جس نے قدیم متمدن زبانوں مثلاً لاطینی، یونانی، قبطی اور آرامی پر سبقت و برتری حاصل کرلی تھی۔

اسلامی تمدن کی تاریخ، شائع کردہ لندن یونیورسٹی ۱۹۵۸ء کا کہنا ہے کہ "سلطنت اسلامیہ کے زوال کے بعد بھی عربی زبان تمدن کی واحد آلہ کار رہی ہے۔" انگریز، جرمن، فرانسیسی باشندے جن کو حصول علم کا شوق رہا وہ عربی زبان کا مطالعہ کرتے تھے۔ یہ ایک ایسا معمول اور دستور بن گیا تھا، جس کو انہوں نے بعد کی صدیوں میں بھی اختیار کئے رکھا۔

ممتاز ترین مؤرخین اور اسلام کے مخالفین پروفیسر دوزی اور پروفیسر انوارے کا کہنا ہے :

"عربی زبان، سائنس اور ادب کے نظر فریب حسن پر فریفتہ ہو کر اہل ذوق یورپی لوگ، لاطینی زبان کے مصنفین کو حقارت کی نظر سے دیکھتے اور

ا۔ پروفیسر ڈاکٹر برنارڈ لیوس۔ لندن یونیورسٹی صفحہ ۱۳۷۔

صرف مسلمانوں کی زبان میں لکھتے تھے۔ عیسائی حضرات، مسلمان علماء، سائنس دانوں اور فلسفیوں کی عربی تصانیف کے مطالعہ سے محظوظ ہوتے تھے۔ اس لئے نہیں کہ ان کا رد کریں، بلکہ اس لئے کہ ان کو پڑھ کر صحیح اور شستہ عربی طرز اختیار کریں۔ افسوس! وہ عیسائی جو اپنی ذہانت وذکاوت کے لحاظ سے نہایت ممتاز ہیں، سوائے عربی کے کسی اور ادب یا زبان سے قطعاً ناواقف ہیں۔ وہ عربی کتابوں کا مطالعہ نہایت شغف اور دلچسپی سے کرتے ہیں۔ انہوں نے صرف سے ان کتابوں کی پوری پوری لائبریریاں بنا رکھی ہیں اور وہ ہر جگہ عربی زبان میں نغمہ سرائی کرتے نظر آتے ہیں۔"

"اس کے برخلاف جب ان کے سامنے عیسائیت کی کتب کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو وہ حقارت سے یہ عذر کر دیتے ہیں کہ یہ کتابیں کسی توجہ کی مستحق نہیں ہیں۔"

"اس کا المناک پہلو یہ ہے کہ عیسائی اپنی زبان بھول گئے ہیں اور مشکل ایک ہزار میں ایک شخص ایسا ملے گا جو اپنے کسی دوست کو صحیح لاطینی زبان میں ایک خط ہی لکھ سکے۔ لیکن جب عربی لکھنے کا مسئلہ آتا ہے تو کتنے ہی لوگ ایسے نکل آتے ہیں جو انتہائی شستگی اور سلیقہ مندی سے اس زبان میں اظہار خیال کر سکتے ہیں۔ اور ایسی نظمیں لکھ لیتے ہیں جو صحت زبان اور فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے خود عربوں کی منظومات سے بھی سبقت لے جاتی ہیں۔"

کلیسا نے ضروری سمجھا کہ کتاب مقدس کے عہد نامہ عتیق کا عربی میں ترجمہ کرائے۔ اس لئے نہیں کہ اس سے تبلیغ کا کام لے بلکہ اپنے ہی ہم مذہبوں کے لئے جو صرف عربوں کی زبان سے واقف ہیں۔

ان وسیع رقبہ جات کے ماورا جنہوں نے مستقلاً خود کو عربی سانچے میں ڈھال لیا ہے۔ عربی نے دنیا کے خیالات و تصورات سے متعلق دوسرے

فرانسیسی اہل علم Jolivet Castelot اپنی کتاب "قانون تاریخ" La lol de Lhistoire میں لکھتا ہے:-

"وفات نبوی ﷺ کے بعد عربوں نے بڑی تیز رفتار ترقی کی اور اشاعت اسلام کے لئے وقت بھی بہت سازگار تھا، اسی کے ساتھ اسلامی تہذیب نے بھی حیرت انگیز ترقی کی اور فتوحات کے جلو میں وہ ہر جگہ فروغ پانے لگی، اور علوم وفنون اور شعر وادب میں اس کے اثرات ظاہر ہونے لگے اور اس طرح عرب چند صدیوں تک اپنے ہاتھوں میں عقل کی مشعل اٹھائے رہے، اور ان تمام علوم کی نمائندگی کی، جن کا تعلق فلسفہ، فلکیات، کیمیا، طب اور روحانی علوم سے تھا۔ اس طرح وہ صرف عرفی معنوں ہی میں فکری رہنما اور موجد ومخترع نہیں تھے، بلکہ اپنی علمی خدمات کے نتیجہ میں جنہیں انہوں نے بڑی عالی دماغی سے انجام دیا تھا، وہ اس کے جا طور پر مستحق تھے، عربی تمدن کی عمر کم تھی، مگر اس کے اثرات بہت دوررس تھے، اور ہم اس کے زوال پر افسوس ہی کرسکتے ہیں۔"

آگے چل کر وہ لکھتا ہے:-

"اگرچہ حکمراں جاگیردارانہ ذہن رکھتے تھے، مگر ان کے ذریعے جو کام ہوا وہ ان کی شخصیت سے کہیں بلند تھا، اسی کے نتیجے میں ایک حیرت انگیز تہذیب وجود میں آئی، یورپ عربی تمدن کا احسان مند ہے، جب وہ دسویں صدی

سے چودہویں صدی تک غالب و حکمراں تھی، یورپ نے اس سے فلسفیانہ اور علمی فکر میں استفادہ کیا، جس نے قرون وسطیٰ میں خاموش اثرات مرتب کئے، ہمیں وہ عربی تمدن، عربی علوم اور عربی ادب و فن کے آگے جاہل اور گنوار نظر آتا ہے، ان چار صدیوں میں عربی تمدن کے سوا کوئی تمدن نہ تھا، اور علمائے عرب ہی اس کا علم بلند کئے ہوئے تھے۔(۱)

گستاؤلیبان Gustave Le Bon لکھتا ہے:

"لوگ تجربہ و مطالعہ اور استقرائی منطق Inductive Logic کو جو علم جدید کی اصل کی حیثیت رکھتے ہیں، بیکن Francis Bacon کی طرف منسوب کرتے ہیں، مگر اب یہ اعتراف کیا جانا ضروری ہے کہ یہ طریقہ مکمل طور پر عربوں کی ایجاد ہے"

بریفالٹ Robert Briffault اپنی کتاب The Making of Humanity میں لکھتا ہے:

"یورپ کی ترقی کا کوئی ایسا پہلو نہیں جس پر اسلامی تمدن کا احسان اور اس کے نمایاں آثار کی گہری چھاپ نہ ہو۔"

وہ آگے چل کر لکھتا ہے:

"صرف طبعی علوم ہی جن میں عربوں کا احسان مسلم ہے یورپ میں زندگی پیدا کرنے کے ذمہ دار نہیں ہیں، بلکہ اسلامی تمدن نے یورپ

۱۔ الاسلام والحضارۃ العربیہ: للاستاذ محمد کرد علی ۲/ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔

کی زندگی پر بہت عظیم الشان اور مختلف النوع اثرات ڈالے ہیں اور اس کی ابتداء اسی وقت سے ہو جاتی ہے جب اسلامی تہذیب وتمدن کی پہلی کرنیں یورپ پر پڑنی شروع ہوئی ہیں"۔(۱)

مشہور فرنچ مصنف ڈاکٹر لیبان اپنی مشہور کتاب (تمدن عرب) میں لکھتا ہے:

"عربوں نے جو مستعدی تحصیل علم میں ظاہر کی، وہ فی الواقع حیرت انگیز ہے، اس خاص امر میں بہت سی اقوام ان کے برابر ہوئی ہیں، لیکن مشکل کوئی ان سے بازی لے جاسکی، جب وہ کسی شہر کو لیتے تو ان کا پہلا کام وہاں مسجد اور مدرسہ بنانا ہوا کرتا، بڑے شہروں میں ان کے مدارس ہمیشہ بکثرت ہوتے تھے"۔

بخمن دلی تو ویل جس کا ۱۱۷۳ء میں انتقال ہوا بیان کرتا ہے کہ اس نے اسکندریہ میں بیس مدرسے دیکھے:

"علاوہ عام مدارس تعلیمی کے، بغداد، قاہرہ، طلیطلہ، قرطبہ وغیرہ بڑے شہروں میں دارالعلوم تھے، جن میں علمی تحقیقات کے کارخانے، رصدخانے، عظیم الشان کتب خانے غرض کل مصالح علمی تحقیقات کا موجود تھا، صرف اندلس میں ستر عام کتب خانے تھے۔"

مؤرخین عرب کے اقوال کے موجب الحاکم ثانی کے کتب خانہ میں جو قرطبہ میں تھا چھ لاکھ جلدیں تھیں، جن میں سے چوالیس جلدوں میں صرف فہرست کتب تھی، اس کے متعلق کسی نے بہت درست کہا ہے کہ چار سو برس بعد جب چارلس عاقل نے فرانس کے شاہی کتب خانہ کی بنیاد ڈالی تو وہ نو سو

1- The Making of Humanity By robert briffault P. 202

جلدوں سے زیادہ نہ جمع کر سکے، اور ان میں سے مذہبی کتب کی ایک پوری الماری بھی نہ تھی۔(۱)

منتشر علمی اکائیوں میں وحدت:

علم کے صحیح مقصد کی طرف رہنمائی اور اسے مثبت تعمیری و مفید اور ذریعۂ یقین بنانے کے سلسلے میں بعثت محمدی ﷺ اور دعوت اسلامی کے رول کی اس سے زیادہ اہمیت اور قدر و قیمت ہے جو اس نے علمی تحریک کی فعالیت و وسعت کے سلسلے میں ادا کیا ہے۔

علم کی کڑیاں بکھری ہوئی بلکہ بسا اوقات متضاد تھیں، علم طبیعیات و حکمت دین سے برسرِ پیکار تھے، حتی کہ ریاضی و طب جیسے معصوم علم کے ماہرین بھی بعض اوقات سلبی و الحادی نتیجے نکالتے تھے، چنانچہ یونان کے علماء جنھوں نے کئی صدیوں تک فلسفہ و ریاضیات میں اپنا امتیاز قائم رکھا تھا یا تو مشرک تھے یا ملحد تھے، اور یونان کے علوم اور مدارس فکر دین کے لئے خطرہ اور ملحدین کے لئے سند اور نمونہ بنے ہوئے تھے، اس صورت حال میں یہ اسلام کا بڑا احسان تھا کہ اس نے ایسی وحدت قائم کی جو تمام علمی اکائیوں کو مربوط کر دیتی تھی، اور اس کے لئے ایسا کرنا اس لئے آسان ہو سکا کہ اس کا علمی سفر صحیح نقطۂ آغاز Starting Point سے ہوا تھا۔

زمانہ ماسبق میں کائناتی وحدتیں (یعنی اس کے مظاہر اور حوادث و تغیرات) انسان کو متضاد نظر آتے اور اسے حیرت و اضطراب میں ڈالتے تھے اور کبھی کفر و الحاد اور خالق عالم اور مدبر کائنات کے اوپر طعن و اعتراض تک پہنچا دیتے تھے، اسے دیکھتے ہوئے ایمان و قرآن پر مبنی ''اسلامی علم'' نے دنیا کو

۱۔ ''تمدن عرب'' اردو ترجمہ از سید علی بلگرامی ص ۹۹۔۳۹۸،

ایسی وحدت عطا کی جو کائناتی وحدتوں کو جمع کر دیتی ہے، اور وہ اللہ کا غالب ارادہ اور اس کی حکمت کاملہ ہے۔

ایک بڑے جرمن عالم ہیرالڈ ہوفڈنگ Harald Hoffding اس وحدت کی دریافت اور انسانی زندگی اور علم و اخلاق کے تاریخی سفر میں اس کے مؤثر کردار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"ہر مذہب کا ایمان توحید پر ہے، جس کا نظریہ یہ ہے کہ کائنات کی ہر شے کی علت وجود ایک ہی ہے۔ (اس فکر سے لازمی طور پر پیش آنے والی مشکلات سے قطع نظر) یہ ایمان و اعتقاد و فطرت انسانی پر بڑا مفید اور اہم اثر مرتب کرتا ہے، اور اس کے ماننے والوں کے لئے یہ عقیدہ رکھنا آسان ہو جاتا ہے کہ (بعض اختلافات و تفصیلات سے صرف نظر کرتے ہوئے) عالم کی تمام چیزیں ایک قانونی وحدت میں منسلک ہیں کیونکہ علت کی وحدت، قانون کی وحدت کا بھی تقاضا کرتی ہے۔

ازمنہ وسطی کے دینی فلسفہ نے کثرت میں وحدت کا تصور لوگوں کے ذہنوں میں بٹھا دیا، جس سے غیر مہذب انسان طبعی مظاہر کی کثرت کے سبب اس سے غافل تھا، اور اس کثرت کے مشاہدہ میں اس لئے غلطاں و پیچاں رہتا تھا، کہ اس کے ہاتھ میں ان میں ربط ذاتی پیدا کرنے کا کوئی سر رشتہ نہ تھا۔" (۱)

اس طرح علم با مقصد، مفید، اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ بن گیا، اور اس نے اپنی کوشش انسانیت کی خدمت اور تمدن و معاشرہ کی سعادت کے لئے وقف کر دی، اور یہ طرز فکر انسانی فکر و عمل کی دنیا پر سب سے بڑا احسان تھا، جس نے

1- History of Modern Philosophy By Harald Hoffding P.5

انسانیت کی قسمت بدل دی اور فکر انسانی کا رخ تبدیل کر دیا، مغربی علماء نے بھی علوم و فنون اور انسانی فکر پر قرآن کے اس احسان کا ذکر کیا ہے، ہم ان میں سے یہاں دو گواہیوں پر اکتفا کرتے ہیں۔

مشہور مستشرق مارگولیتھ G.Margoliouth جو اسلام کے خلاف اپنے تعصب کے لئے مشہور ہے، راڈول J. M. Rodwell کے ترجمہ قرآن کے مقدمہ میں لکھتا ہے:

> "دنیا کے عظیم مذہبی صحیفوں میں قرآن ایک اہم مقام رکھتا ہے، حالانکہ اس قسم کی تاریخ ساز تحریروں میں اس کی عمر سب سے کم ہے، مگر انسان پر حیرت انگیز اثر ڈالنے میں وہ کسی سے پیچھے نہیں ہے، اس نے ایک نئی انسانی فکر پیدا کی اور ایک نئے اخلاق کی بنیاد ڈالی۔" (۱)

ایک اور مستشرق Hartwing Hirschifeld لکھتا ہے:

"ہم کو اس پر تعجب نہیں کرنا چاہئے کہ قرآن علوم کا سرچشمہ ہے، آسمان، زمین، انسانی زندگی، تجارت و حرفت جن کا اس میں ذکر کیا گیا ہے، ان پر متعدد کتابوں یا تفسیروں میں روشنی ڈالی گئی، اور ان پر بحث و مباحثہ کا دروازہ کھلا اور مسلمانوں میں بالواسطہ مختلف علوم کی ترقی کا راستہ ہموار ہوا، اس نے صرف عربوں ہی پر اثر نہیں ڈالا بلکہ یہودی فلاسفہ کو بھی اس پر آمادہ کیا کہ وہ مذہبی و مابعد الطبعی مسائل پر عربوں کی پیروی کریں، اور آخر کار عیسائی علم کلام کو عرب الٰہیات سے جس طرح فائدہ پہنچا، اس کا ذکر کرنے کی ضرورت

1- Rev. G. Margoliouth's in Introduction to the Koran By J. M. Rodwell. London 1918.

نہیں ہے۔
روحانیت کے میدان میں اسلام کی کوشش مذہبیات تک محدود نہیں رہی، یونانی فلکیات اور طبی تحریروں سے واقفیت نے ان علوم کے مطالعہ کی طرف متوجہ کیا، محمد ﷺ کے ذریعہ دنیا کو جو وحی ملی، اس میں اجسام فلکیہ کے گردش کرنے کا ذکر ان کی عبادت کے لئے نہیں بلکہ اللہ کی نشانی اور انسان کی خدمت کے طور پر کیا گیا ہے، تمام مسلم اقوام نے فلکیات کا بڑی کامیابی کے ساتھ مطالعہ کیا، صدیوں تک وہی اس علم کے حامل رہے، اور آج بھی اکثر ستاروں کے عربی نام اور متعلق الفاظ مستعمل ہیں، یورپ میں عہد وسطی کے ماہرین فلکیات عربوں کے شاگرد تھے۔
اس طرح قرآن نے طبی علوم کی تحصیل کی ہمت افزائی کی، اور عمومی طور پر فطرت کے مطالعہ اور غور و فکر کی جانب توجہ مبذول کی۔" (۱)
مغربی زبان ایک بڑے اور متنوع کلچر کی زبان ہے۔ سائنسی معلومات عربی میں ابتدائی حالت میں تھیں۔ ان میں خاص طور پر وسعت داخلی طور پر جدید الفاظ کا اضافہ کرکے ہوئی۔ اس عمل کے لئے مثال کے طور پر ہم عربی کے ایک لفظ "مطلق" کو لیتے ہیں۔ یہ ایک ایسا تصور ہے جو قبل اسلام کے عرب کے لئے قطعاً غیر ضروری تھا۔ ایک لفظ "مجرّد" ہے جو "جردہ" کا مجہول ہے جس کا مفہوم ہے ننگا کرنا یا عریاں کرنا۔ یہ ایک ایسی اصطلاح ہے جو ٹڈیوں کے لئے مستعمل ہے اور اس کا تعلق الفاظ "جراد" ٹڈی اور "جریدہ" پتی سے ہے۔

1- Hartwing Hirschfeld, New Researches Into Compo siton & Exegesis of the Quran. London 1902, P. 9

جو زبان اس طرح تخلیق ہوئی اس میں واضح طور پر ''مرئی'' اور ''تصویری'' خزینہ الفاظ موجود تھے اور ہر لفظ کی، خاص طور پر عربوں کے ماضی اور روایت میں نہایت گہری جڑیں تھیں، اور ان مرئی اور مانوس الفاظ کے ذریعے خیالات کا ذہن پر براہِ راست اور بلاواسطہ اثر پڑتا تھا۔ اور شعور کی زیادہ گہرائی پر تو کہ ان کا بے روک ٹوک نفوذ ہوتا تھا۔

یہ گراں مایہ عربی زبان خالص عربی سلطنت کے زوال کے بعد بھی کافی طویل عرصہ تک ثقافت و تمدن Culture And Civilization کا واحد ذریعہ رہی۔

''اسلام کی متوازن قسم کی رواداری ایک یورپین مشاہدہ کرنے والے کے لئے اس کے اپنے مغربی معاصرین کے خلاف خصوصیت سے ایک نہایت مؤثر شے ہے۔ مسلمانوں نے شاذونادر ہی اپنے عقیدہ کو زبردستی ان لوگوں پر جو ان کی حکمرانی میں ان کے محکوم بنے، ٹھونسنے کی ضرورت محسوس کی۔ انہوں نے ان کو اپنے مذہب، معیشت، اور ذہنی معاملات میں آزاد چھوڑے رکھا۔ اور ان کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ ان کے اپنے تمدن میں قابلِ قدر اضافہ کر سکیں۔''

اصطلاح ''نظریہ جوہریت کے قائل'' ذہن اور نظریہ کی ایک ایسی کیفیت کو بیان کرتی ہے جو واضح طور پر قرآنی تمدن کے بہت سے پہلوؤں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

پہلی نمایاں خصوصیت جو ہمیں متاثر کرتی ہے وہ ایک منفرد تخلیقی اور محلل قوت ہے جس کو اکثر اوقات غلط طور پر محض نقالی بتاکر پیش کیا جاتا ہے۔

عرب فتوحات نے تاریخ میں پہلی بار ان وسیع علاقوں کو جو ہندوستان اور چین سے لے کر یونان، اٹلی اور فرانس کی حدود تک پھیلے ہوئے ہیں،

مذہب اور اپنی زبان کے ذریعہ ایک انتہائی طویل عرصہ تک کے لئے متحد کر دیا۔ قرآن کریم نے ماضی کے دو متحارب کلچروں کو ملا کر ایک واحد معاشرہ بنا دیا۔ ان کلچروں میں ایک یونان، روم، اسرائیل، اور فارس کی متنوع رومی روایات تھیں اور دوسری اس کی اپنی پیش کردہ زندگی اور فکر کے نمونے تھے۔ جن کے عناصر ترکیبی مشرق بعید کے عظیم کلچروں سے جو بہت سی قوموں کے عقائد کے باہم ارتباط سے وجود میں آئے تھے مفید رابطے اور قرآنی معاشرے میں پیدا ہونے والے کلچروں سے حاصل ہوئے تھے۔ اس طرح ایک جدید تمدن کی تخلیق عمل میں آئی جو اپنے منابع و مخارج اور تخلیق کنندگان کے لحاظ سے متنوع تھا۔ لیکن جس پر قرآن کریم کی اپنی گہری چھاپ تھی۔

عربی علوم کا عظیم ترین مناد شاہ قشتالہ تھا۔ اس نے عربی ادب کی ہزاروں کتابوں کا ترجمہ کرانے کی ذمہ داری قبول کی اور کلیلہ و دمنہ جیسی کتابوں کو براہ راست عربی متن سے یورپی تصنیف کی شکل دی۔ قصہ گوئی کی یورپی لوگوں کی یہ اولین کوشش تھی۔ ۱۲۵۳ء میں ڈون فیڈرک نے "حکائے ہفت گانہ" کے پُر تاثیر واقعات کا براہ راست عربی میں ترجمہ کیا۔ نیز "حیل" اور "کید النساء" کو بھی اسی نے یورپی زبان میں منتقل کیا۔

اٹھارہویں صدی کے ڈرامہ کو لیوں کے زمانہ تک قصہ کہانیوں کی کتابوں کے ماخذات عربی ہیں۔ جیسے الحیاۃ رؤیا Life is Dream بد مزاج عورت کی اصلاح Taming of the Shrew اور الف لیلہ و لیلہ Thousand and one Night

پروفیسر رابرا (۱) Prof Ribera کا دعویٰ ہے کہ موسیقی کا ماخذ

۱۔ پروفیسر رابرا سے مراد جوزف رابرا Josefe Ribera ہے جو نسلاً اسپینی تھے۔ ۱۵۹۱ء میں اسپین کے شہر بلنسیہ کے قریب پیدا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کلّی طور پر "مسلم" ہے۔ بہت سے ساز جو منقش اور مطلا قلمی کتابوں میں دی ہوئی تصاویر سے ظاہر ہوتے ہیں، اور فن کار اور سازندے ظاہر طور پر اصل و نسل کے اعتبار سے مسلم ہیں۔ (ا) شاعری کی قسم مختص ہے جس میں ان قرمان (عمر خیام) کی رباعیات بھی شامل ہیں۔ یہ قسم مسیحی شاعری میں بہت بڑے پیمانہ پر استعمال ہوتی رہی ہے۔ لہٰذا اتمام یورپی شاعری اور اس کا مضمون کنواری مریمؑ کی منقبت بشمول دیگر مذہبی ترانے، مواد، پیکر اور طرز ادا کے اعتبار سے جوئلی تصوریت اور عربی شاعری سے کامل طور پر مربوط ہیں۔

متعدد اناطیر، کہانیوں اور داستانوں کی شکل عربی ہے۔ اور یہ ایک ایسا چوکھاہے جس کے سہارے سب چیزیں ٹھہری ہوئی ہیں اور خزینۂ الفاظ Voca bulary لفظوں کا وہ گودام ہے، جو عربی شاعری سے بطور قرض لیا گیا ہے۔

امریکن ریسرچ۔ تاریخ تشکیل انسانیت کا کہنا ہے:

وہ حامل قرآن عرب لوگ تھے نہ کہ یونانی وہی عرب جنھوں نے سائنسی طریقے ایجاد کئے۔ وہی جدید سائنس کے موجد ہیں۔ دنیا، زمانہ دراز تک اس غلط فہمی میں مبتلا رہی، لیکن تاریخ سائنس کی جدید ترین تحقیقات

ا۔ موسیقی کے بارے میں یہ پروفیسر رابر کی اپنی رائے ہے، اسلام میں موسیقی شرعاً حرام ہے، دیکھئے اسلام اور موسیقی از پروفیسر عبدالمعبود،

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) ہوئے۔ عنفوان شباب میں اٹلی چلے گئے۔ اور ۱۶۵۶ء میں فوت ہوئے۔ ان کا شمار دنیا کے عظیم ترین مصوروں اور نقاشوں میں ہوتا ہے۔ وہ ایک ماہر 'پینٹر' تھے۔ اور اس فن کے انھوں نے نہایت اعلیٰ نمونے پیش کئے ہیں جیسے "سینٹ بار تھولومیوں کی شہادت" انھوں نے بہت سی کتابیں بھی لکھیں۔ اٹلی میں وہ "ننھے ہسپانوی" کے نام سے مشہور تھے۔

نے یہ ناقابلِ تردید تاریخی شہادت ڈھونڈ نکالی ہے کہ وہ سائنسی طریقے جنہوں نے جدید سائنس کے وجود میں آنے اور ترقی کرنے کو ممکن بنایا۔ ان مسلمانوں کے ایجاد کردہ ہیں، جنہوں نے جدید تحقیق کی بنیاد رکھی۔

مسلمانوں نے نہ صرف رومی فروعات کا قلع قمع کیا، بلکہ انہوں نے یورپ کے دورِ عقلیت کو بھی پوری طرح متاثر کیا۔

ایسے اہم واقعات سے ہمارے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ یورپ کے ذہنی ترقی کے مخصوص تذکرہ کو فی الحال علیٰحدہ رکھ کر عربوں کے دورِ عقلیت پر توجہ مبذول کریں۔ ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ ان کے عظیم الشان ماحول میں جس کی انجام دہی آئندہ ہونے والی تھی، ان کے کردار کا جائزہ لیں، جو انہوں نے ادا کیا۔ جب تک ہم ان کے اس کردار و عمل کو نہیں جانیں گے، ہم یورپ کی ذہنی ترقی کو نہیں سمجھ سکیں گے۔

قرآن کے متوالوں کی ظاہری حالت کو حضرت محمد ﷺ نے کلیتہً بدل دیا تھا۔ بڑے بڑے فلسفی، طبیب، ریاضی داں، ماہرینِ فلکیات، کیمیاداں، قواعدِ زبان کے ماہرین ان میں پیدا ہوتے گئے۔ اور علم ادب اور سائنس اپنے تمام شعبوں کے ساتھ پوری طرح ترقی کر گئے۔

ایک ایسی قوم جو اپنی مجاہدانہ سرگرمیوں کی بدولت ترقی کے جذبے سے پوری طرح سرشار ہو۔ جب اسے کسی قدر سکون نصیب ہوتا ہے تو نہایت لگن سے ذہنی کاوشوں کی جانب مائل ہو جاتی ہے۔ حامل قرآن لوگوں کے ساتھ کچھ ایسا ہی معاملہ ہوا۔

قرآنی تہذیب و تمدن اور اس کے اثرات:

قرآنِ کریم کی تہذیبی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ اس کی تعلیمات کی

اشاعت اور نئی قوم کے ذریعہ اس کے دوبارہ جمع ہونے کا کام نہایت تیزی سے اور منفعت بخش طریقہ پر انجام پایا۔ ممالک اسلامیہ میں عظیم ترین ذہنی سرگرمی اور فاعلیت کا بخوبی مشاہدہ کیا جاسکتا تھا۔

نئی قرآنی تہذیب کا ذریعہ اظہار ایک ایسی زبان تھی جو پہلے کبھی بھی سائنسی مقصد کے لئے کام میں نہیں لائی گئی تھی۔ علم کی روشنی پھیلانے کے لئے ضروری ہوا کہ سائنسی اور فلسفیانہ اصطلاحات وضع کی جائیں، جن کا اس سے پہلے کوئی وجود نہ تھا۔ جب اس سب پر غور و تامل سے کام لیا جائے، تو پہلی کھیپ کی نسبتاً قلت پر حیرت کرنے کی جائے ہر شخص اس سعی و کوشش پر تحسین و ستائش کرنے پر مجبور ہوتا ہے جو اس سلسلہ میں کی گئی قرآنی عقائد (اسلام) کی عظیم نسلی تہذیبی پیچیدگی ان ابتدائی ایام میں بھی نہایت حیرت خیز معلوم ہوتی ہے۔ وہ تہذیبی رشتہ کتنا مستحکم و مضبوط ہوگا جس نے ایرانی، یونانی اور یہود و نصاریٰ جیسے مختلف النوع عناصر کو باہم مربوط رکھا۔

ایرانیوں نے خلافت میں شان و شوکت، نفاست اور بحث و تمحیص کے ذوق و شوق کو اتنا بڑھایا کہ عربوں کی قوت عمل اور نیکی کی صفات رفتہ رفتہ بیرونی شائستگی کی بھینٹ چڑھ گئیں۔

عربی وہ اولین زبان تھی جس نے انبیاء کی روایات کے تنقیدی جائزے سے دنیا کو روشناس کرایا۔ یہ سلسلہ پیچھے کی طرف آٹھویں صدی تک جاتا ہے اور یہ اس کی سب سے پہلی مثال تھی۔

آٹھویں صدی سے پندرہویں صدی تک عربی، نسل انسانی کی سائنسی اور انتہائی ترقی یافتہ زبان تھی۔ جو شخص بھی علم کی تکمیل کرنا چاہتا تھا وہ اس زبان کو سیکھنا اسی طرح ضروری سمجھتا تھا جیسے آج کل اگر کوئی شخص ذہنی ترقی کرنا چاہے تو اس کے لئے انگریزی زبان سیکھنا لازمی ہوتا ہے۔

وہ دل کشی اور جاذبیت جو عربی زبان وادب میں تھی اپنے شائقین کو متاثر کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کرتی تھی۔ کسی اور بات کے علاوہ جس چیز نے یورپ کی زبان پر اثر ڈالا وہ عربی زبان کی نقل قول کی جانب رغبت ہے۔

علاوہ ازیں ہم قدیم چیزوں کے مطالعہ کے میدان میں عربی کے بہت زیادہ مرہون احسان ہیں۔

سائنس کے موضوعات پر کتابوں نے یورپی قوموں کے لئے عربی کے دروازے کھول دئے اور عربی علوم اور سائنسوں کو یورپی طلبہ کی طرف نقل کیا۔ مشہور و معروف اور فخر یورپ جیرارڈ جو ۱۱۱۴ء میں اٹلی کے مقام کریمونا میں پیدا ہوا تھا، یورپ میں عربی زبان کا باوا آدم کہلاتا ہے۔

جو کچھ یورپ کو فلسفہ، ریاضی، طب، ہیئت اور سائنسوں کے بارے میں معلومات ہیں۔ وہ سترھویں بلکہ بڑی حد تک اٹھارہویں صدی تک کلیتہً یورپ کے جامعاتی اسکولوں اور کالجوں میں حاصل ہوئی تھی۔ یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کہ ڈاکٹر مرابلیز نے اپنے پیش رو ایڈی لارڈ آف باتھ کی طرح اپنے شاگردوں اور قارئین کو مشورہ دیا تھا کہ وہ یورپ کے قدیم کلیسائی اسکولوں کو خیرباد کہہ کر عربی مدارس کا رخ کریں۔

عربی نے نظام جنگجوئی کی رزمیہ داستان جیسے یورپی ادب کو جنم دیا۔ "ڈان کوئیگزوٹ" عربی زبان کا تخلیقی کارنامہ تھا۔ جس کا مصنف مراکش کا باشندہ سدی حیدی بن انالی Sidee Haidi Bin Enali ہے نہ کہ ایفو Eefoe رزمیہ داستانوں کی تمام کتابیں عربی الاصل تصانیف سے لی گئی تھیں، جن میں مشہور ترین یہ ہیں۔

(۱)...... استوریاویل گیوبروتھی نار ۱۲۹۹ء،

(۲)...... گولڈن لیجنڈ آرتھورین رومانس (آرتھر کی رزمیہ داستان)

﴿۳﴾...... نائٹ ارینٹ (مہم جوبانکا)۔ اس میں بڑی مساوات کریا (کریمہ) لفظ بہ لفظ عربی الاصل ہے۔

﴿۴﴾...... پوئما دے یوسف (مثنوی سورۂ یوسف) اس کی اصل عربی میں ہے۔

"کریمہ" ایک عام منظم نام ہے اور اس میں بہت سی مشرقی خصوصیات دکھائی دیتی ہیں۔

خود ہسپانوی زبان عربی رسم الخط اختیار کر لیتی ہے۔ "پوئما دے یوسف" اس کے الفاظ ہسپانوی ہیں۔ نظم کا طرز فرانسیسی ہے لیکن عربی رسم الخط میں لکھی گئی ہے۔ اور نظم، قرآن اور دوسرے ذرائع سے ماخوذ ہے۔

اس نوع کے مخطوطات کافی تعداد میں موجود ہیں۔ حال ہی میں ایک مجموعہ ارغون میں ایک قدیم مکان ال موناتھیڈ نے دی لا سیرا کے فرش کے نیچے دبا ہوا ملا۔

اس مجموعے کے مشمولات میں عربی کے عجیب و غریب شاہکار موجود ہیں۔

مواعظ

رزمیہ داستانیں

کہانیاں

یورپ تو ہم پانچ صدیوں تک "مفتی عمران کے رعیانہ مکاتیب" Pastoral Epistlesfo Mufti Imran عربی رسم الخط میں بے حد پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا رہا۔ عربوں کے اخراج کے بعد بھی اور آج بھی مسلمانوں کی زندگی کی ہر نفاست، یہاں تک کہ غسل کرنے کو بھی بدعت اور گناہ کبیرہ سمجھا جاتا ہے۔

نثر اور نظم کی کتابیں جو اور یجنل سمجھی جاتی ہیں۔ مثلاً دون خوان مینول اور وی آرچ پزیسٹ آف ہتا دونوں اصل عربی کتابوں سے لی گئی ہیں۔ ان سے نہ صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ کس طرح حکایتوں کو اخلاقی درس دینے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا، بلکہ یہ کہ کس طرح موزوں و مناسب چوکھٹے میں جمایا جاتا تھا۔ مجموعۂ الفاظ بھی الفاظ کا وہ خزینہ ہے۔ جو عربی ماخذات سے مستعار لیا گیا ہے۔

قرآن کی صداقت و حقانیت

قرآن مجید اللہ کا کلام ہے انسان کا نہیں :

قرآن مجید صحیفہ ربانی ہے، جو تمام انسانوں اور ہر زمانہ کے لئے نازل فرمایا گیا ہے، یہ ایک عام قانون ہے جو دوامی طور پر نافذ ہے، لیکن ہر عام قانون کے خاص قواعد ہوتے ہیں۔ مجمل احکام کے نفاذ کے لئے خصوصی اشکال کا تعین کرنا لازمات میں سے ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ موجودہ حالت میں کسی سابقہ پیغمبر کا صحیفہ اصلاً موجود نہیں ہے۔ جو بھی باقیات ہیں وہ محض قواعد یا تشریحات کی نوعیت رکھتی ہیں ایسا ہونا ضروری بھی تھا کہ ایک صحیفہ ربانی یعنی قرآن مجید کے نازل ہوتے ہی سابقہ صحیفوں کا اصلاً برقرار رکھا جانا خلاف مصلحت تھا۔(۱)

قرآن اپنی غیر متنازعہ صداقت کی بدولت، الہامی کتابوں میں منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ اس معاملہ میں قدیم و جدید عہد ناموں میں سے کوئی بھی اس کا سہیم و شریک نہیں۔ اس لئے کہ عہد نامہ عتیق اور دین عیسوی سے متعلق

۱۔ صحیفة الصحیحه صحیفه همام بن منبه از ڈاکٹر محمد حمید اللہ ص ۱۴۔

صحیفے اس حالت میں ہم تک پہنچنے سے قبل جس میں ہم آج ان کو دیکھ رہے ہیں، بہت سی تبدیلیوں سے گزر چکے ہیں۔ اس بات کا اطلاق قرآن پر نہیں ہوتا۔ اس کی سادہ سی توجیہہ یہ ہے کہ قرآن نبی کریم ﷺ کے عہد ہی میں تحریر کر لیا گیا تھا۔ اب ہم یہ معلوم کریں گے کہ وہ کون سا عمل تھا جو اس کو تحریری شکل میں لانے کے لئے اختیار کیا گیا۔

جہاں تک کہ عہد نامۂ عتیق کا تعلق ہے، اس کے مصنفین کی وہ تھوڑی سی تعداد جو ہمیں ایک ہی کہانی سناتی ہے جمع وہ تمام مکرر تنقیحات جو قبل مسیح کے بعض کتابوں کے متن پر کی گئیں۔ ان میں متعدد ایسی دلیلیں موجود ہیں جو اس کے غیر صحیح اور متضاد ہونے کا ثبوت ہیں۔ مسیحی مسلک سے متعلق تحریروں کا حال یہ ہے کہ کوئی شخص بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ان میں ہمیشہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصدقہ الفاظ یا آپ کے حقیقت پر مبنی افعال کا تذکرہ ہوتا ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ متون کی متواتر روایات میں واضح صداقت کی کمی ہے۔ اور یہ کہ ان متون کے عینی شاہد بھی نہیں ہیں۔

قرآن کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ جیسے جیسے نزولِ وحی کا سلسلہ آگے بڑھا نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے عقیدت کیش مومنین متن کو حفظ کرتے اور زبانی دہراتے تھے۔ جبکہ کاتبینِ وحی آپ ﷺ کی املا کی ہوئی عبارت کو لکھتے جاتے تھے۔ لہٰذا قرآن کا آغاز ہی صحت و صداقت کے ان دو عناصر سے ہوا جو کسی کتب کو حاصل نہیں ہیں۔ یہ سلسلہ نبی کریم ﷺ کی رحلت تک جاری رہا۔ اس زمانہ میں جب ہر شخص لکھ نہیں سکتا تھا۔ لیکن حفظ کر کے زبانی دہرا سکتا تھا۔ قرآن کے متن کی فیصلہ کن ترتیب کے وقت اس ممکنہ دوہری جانچ پڑتال کا وجہ سے بڑا فائدہ ہوا۔

محمد ﷺ پر نزولِ قرآن رئیس ملائکہ جبرئیل امین کے ذریعہ ہوا جن

کریم ﷺ کی حیاتِ دنیوی کی بیس سال سے زیادہ کی مدّت لگی۔ ابتداء سورۂ علق (۱) کی شروع آیات سے ہوئی۔ پھر فترتِ وحی کے تین سالہ وقفہ (۲) کے بعد سے دوبارہ شروع ہو کر ۶۳۲ء میں نبی کریم ﷺ کی رحلت تک ۲۰ سال کی طویل مدّت تک جاری رہی۔ یعنی ۱۰ سال ہجرت سے پہلے اور ۱۰ سال

۱۔ تفہیم القرآن جلد،

۲۔ دراصل فترتِ وحی کا وقفہ بہت مختصر تھا، لیکن ہمارے بعض مفسّرین و محققین اس معاملہ میں بھی مبالغہ سے کام لے کر مدت کو تین سال بتاتے ہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ''مدارج النبوّت'' میں تحریر فرماتے ہیں۔ ''مفسّرین و محققین کہتے ہیں کہ فترتِ وحی کی مدّت تین سال ہے، یعنی اقرا کی پہلی وحی کے بعد تین سال کی مدت تک وحی کا نزول نہیں ہا۔'' اس کی انھوں نے جو توجیہہ پیش کی ہے وہ بھی بعید از قیاس ہے۔ مولانا مودودی سورۃ ''المدثر'' کے شانِ نزول کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔ ''روایات سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ پہلی وحی کے بعد کچھ مدّت تک رسول اللہ ﷺ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی۔ یہ نزولِ وحی کا پہلا تجربہ تھا جو اچانک حضور ﷺ کو پیش آیا تھا۔ اس پیغام میں آپ ﷺ کو یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ آپ ﷺ کس کام پر مامور ہوئے ہیں اور آگے کیا کچھ آپ ﷺ کو کرنا ہے۔ بلکہ صرف ایک ابتدائی تعارف کرا کے آپ ﷺ کو کچھ مدّت کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا تاکہ آپ ﷺ کی طبیعت پر جو شدید بار اس پہلے تجربے سے پڑا اس کا اثر دور ہو جائے اور آپ ﷺ ذہنی طور پر آئندہ وحی وصول کرنے اور نبوت کے فرائض سنبھالنے کے لئے تیار ہو جائیں۔''

مولانا مودودی کی توجیہہ حقیقت کے قریب معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اگر فترتِ وحی کی مدّت تین سال سمجھ لی جائے تو جو صحابہ پہلے تین سال میں ایمان لائے اور جن کے ناموں کی ایک طویل فہرست ابن ہشام نے دی ہے وہ بغیر کسی

ہجرت کے بعد پہلی وحی حسب ذیل تھی۔

سورۃ العلق :

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ O

پڑھو (اے نبی ﷺ) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔ (۱)

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ O

جمے ہوئے خون کے ایک لوتھے سے انسان کی تخلیق کی۔ (۱)

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ O

پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے۔ (۱)

پہلی وحی کے موضوعات میں سے ایک انسانی علم کا ذریعہ ہونے کی حیثیت سے قلم کی تعریف تھی جس سے اس امر کی بھی وضاحت ہوتی ہے۔ کہ اس طرح نبی کریم ﷺ پر قرآن کو تحریر کی شکل میں محفوظ کرنے کا تعلق بھی واضح کرنا مقصود تھا۔

متن سے صریحی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے مکہ سے مدینہ کی جانب روانگی سے بہت پہلے (یعنی ہجرت سے کافی عرصہ قبل) قرآنی متن جو اس وقت تک نازل ہوا تھا۔ تحریر میں لایا جا چکا تھا۔ (۲) ہم دیکھیں گے

---

(۱) سورۃ العلق آیت ۱۔۵

(۲) سب سے پہلے کاتب وحی حضرت خالدؓ بن سعید اموی تھے۔ مسعودی "التنبیہ والاشراف" میں "کاتبانِ حضرت نبوی ﷺ" کے عنوان کے تحت سب سے پہلا نام انہی کا دیتا ہے۔ وہ لکھتا ہے "جو کاتب رسول ﷺ کے روبرو ہو تا وہی لکھتا بھی تھا۔

﴿۱﴾...... خالدؓ بن سعید بن العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف، وحی کے کاتب تھے۔ ہر قسم کے کام جو آنحضرت ﷺ کو پیش آتے، سب میں وہی لکھا کرتے تھے۔

کہ قرآن نے کس طرح استناد کا درجہ حاصل کیا۔

ہمیں معلوم ہے کہ محمد ﷺ اور مومنین جن کو آپ ﷺ کی صحبت نصیب تھی، قرآن کے متن کو حافظہ سے زیادہ پڑھتے تھے۔ لہذا قرآن کے لئے یہ بات ناقابل تصور ہے کہ اس میں ایسے واقعات درج ہو سکتے جو حقیقت سے مطابقت نہ رکھتے ہوں۔

سورۂ عبس میں ہے:

كَلَّآ إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَن شَآءَ ذَكَرَهُۥ ۝ فِى صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ۝ بِأَيْدِى سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ۝

ہرگز نہیں، یہ تو ایک نصیحت ہے، جس کا جی چاہے اسے قبول کرے۔ یہ ایسے صحیفوں میں درج ہے جو مکرم ہیں، بلند مرتبہ ہیں، پاکیزہ ہیں، معزز اور نیک کاتبوں کے ہاتھ میں رہتے ہیں۔ (۱)

جب اس سورۃ کا نزول ہوا، اس وقت تک ۴۲ یا ۴۵ دوسری سورتیں لکھی جاچکی تھیں اور مکہ میں قیام پذیر مسلمانوں کے پاس موجود تھیں۔

اور سورۃ البروج میں ہے۔

بَلْ هُوَ قُرْءَانٌ مَّجِيدٌ ۝ فِى لَوْحٍ مَّحْفُوظٍۭ ۝

بلکہ یہ قرآن بلند پایہ ہے۔ اس لوح میں (نقش ہے) جو محفوظ ہے۔ (۲)

۱۔ سورۂ عبس آیات ۱۱۔۱۶،

۲۔ سورۃ البروج آیات ۲۱۔۲۲،

سورۃ الفرقان میں ہے:

وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝

اور وہ کہتے ہیں یہ پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی چیزیں ہیں۔ جنہیں یہ شخص نقل کراتا ہے اور وہ اسے صبح وشام سنائی جاتی ہیں۔(۱)

سورۃ الواقعہ میں ہے:

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ۝

یہ ایک بلند پایہ قرآن ہے۔ ایک محفوظ کتاب میں ثبت جسے مطہرین کے سوا کوئی چھو نہیں سکتا۔ یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔ پھر کیا اس کلام، سے تم بے اعتنائی برتتے ہو۔(۲)

ا۔ سورۃ الفرقان آیت ۵،

۲۔ سورۃ الواقعہ آیات ۷۷ تا ۸۱،

قرآن مجید کا مصنف کوئی انسان نہیں

معجزات جو اللہ کی کتاب قرآن مجید میں ہیں۔ وہ ماضی کے لوگوں کے لئے تھے۔ حال کے لئے بھی اور مستقبل کے زمانے کے لئے بھی اور آج جن سائنسی حقائق کو سائنس تجربات کے بعد ثابت کر رہی ہے۔ قرآن مجید کا یہ معجزہ کہ وہ چودہ سو سال پہلے ان کو بیان کر چکا ہے۔ لیکن آج کے بارے میں کیا ہے؟ آج جو سائنسی معجزات کا عہد (۱) ہے۔ جس نے "کتاب اللہ" کو تحقیق کا قطعی اور آخری معجزہ مادیا ہے۔ معجزے کی آسان ترین تعریف یہ ہے۔ "ایک ایسا عمل جو انسانی طاقت سے ماورا ہو۔" ہم کس طرح ہر ملحد ہر کافر ہر عیسائی اور ہر کمیونسٹ کو اس کے پورے اطمینان کے ساتھ یہ بات باور کرا سکتے ہیں کہ قرآن ہی اللہ کا کلام ہے اور یہ کہ یہ معجزوں کا معجزہ ہے!

قرآن کا اعجاز دیکھئے کہ اس کو محسوس کرنے، چھونے اور جانچنے کے لئے کسی امریکی، چینی، روسی، افریقی یا ایشیائی کے لئے قرآن کی زبان عربی کا جاننا یا اس پر عبور حاصل کرنا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ لازمی یہ ہے کہ وہ کھلے ذہن اور کھلے دل سے قرآن کی بات سنے۔

اس قطعی اور آخری معجزے کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے ہمیں قرآن کی ابتدائی آیات سے شروع کرنا ہوگا۔ ہم یہ تو جانتے ہی ہیں کہ قرآن جیسا کہ وہ آج ہے، اس کی ایک روایتی ترتیب ہے جس کو پیغمبر خدا حضرت محمد ﷺ نے اپنے وصال سے پہلے اپنی بلا واسطہ ہدایت سے مرتب کرا دیا تھا۔ جبکہ اس کے

۱۔ دیکھئے ٹائم میگزین ۲۰ فروری ۱۹۷۸ء،

نزول کا تاریخ وار سلسلہ مختلف ہے۔ پورا قرآن ایک وقت میں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا تھا۔ وقتی ضرورت کے مطابق۔

ہمیں آپ ﷺ کی پہلی وحی یاد ہے، جبکہ آپ ﷺ شہر مکہ کے شمال میں کوئی تین میل کی دوری پر ایک غار میں تھے۔ وہ ماہ رمضان کی ۲۷ تاریخ تھی۔ آپ ﷺ کی عمر مبارک اس وقت چالیس سال کی تھی، آپ ﷺ اس وقت غار میں موجود تھے۔ جہاں کبھی تنہا اور اکثر اپنی عزیز اہلیہ اُمّ المومنین حضرت سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ مراقبہ فرمایا کرتے تھے، لیکن آپ ﷺ اس وقت وہاں تنہا تھے۔ آپ ﷺ نے وہاں فرشتوں کے سردار حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا، جنہوں نے آپ ﷺ کو آپ ﷺ مادری زبان میں کہا پڑھو (اقراء)، اپنی پہلی ملاقات میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے سورۂ علق کی پانچ آیتیں تلاوت کرائیں۔ جو کہ اب قرآن کی ۹۶ ویں سورۃ ہے۔

پہلی وحی :

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ O خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ O اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ O الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ O عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ O

پڑھو (اے نبی ﷺ) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، جسے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے، انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔ انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔ (۱)

۱۔ سورۃ العلق آیت ۱۔ ۵۔

خدا نے آپ ﷺ کو اپنا رسول منتخب کر لیا تھا۔ لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ کوئی مسند فضیلت یا خرقہ پوشی کی روایتی تقریب نہ تھی۔ آپ اتنی بھاری ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کے لئے تیار نہیں تھے۔ وہ جلدی سے گھر پہنچے تاکہ اپنی محبوب بیوی سے یقین اور تائید حاصل کریں۔ آپ ﷺ فکر مند تھے کہ اب کیا کیا جائے۔

جیسے ہی آپ ﷺ کی ابتدائی پریشانی دور ہوئی آپ ﷺ نے اس پیغام پر غور کرنا شروع کیا۔ جس سے مزید ذوق اور اشتیاق بڑھا۔ اس پہلی وحی کے بعد ایک وقفہ ہوا اور اسی دوران آپ ﷺ نے خدا اور ایک ارفع و اعلیٰ اور معزز زندگی کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔ لوگوں کی زبانوں نے تمسخر کرنا شروع کر دیا اور چپکے چپکے یہ پھیلانا شروع کر دیا کہ محمد مجنون یا سحر زدہ ہیں۔ اس الزام کے جواب میں جبرائیل امین کی دوسری آمد پر مزید آیات نازل کی گئیں۔ جواب قرآن شریف کی ۶۸ ویں سورۃ سورۃ القلم کا حصہ ہیں۔

دوسری وحی:

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ۝ مَآ أَنتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ۝ وَ إِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ ۝ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝

قلم کی قسم اور اس کی جو وہ لکھتے ہیں تو اپنے رب کی عنایت سے کوئی دیوانہ نہیں اور تیرے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے اور تو بڑے اخلاق کا مالک ہے۔ (۱)

۱۔ سورۃ القلم آیت ۱۔ ۴،

اس اہم موقع پر میں اپنے قارئین کی توجہ اس وحی کی صرف دوسری آیت کی طرف مبذول کرنا چاہتا ہوں۔

مَا أَنتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ O

(اے محمد ﷺ) تم اپنے پروردگار کے فضل سے دیوانے نہیں ہو۔ (۱)

اس آیت میں قادر مطلق نے منکروں کے الزامات کا مسکت جواب دیا ہے۔ محمد ﷺ ایک سلیم العقل اور فہیم ہستی تھے۔ لیکن لوگوں کی یہ عادت رہی ہے کہ وہ ہر سچائی کو کذب اور ہر دانائی اور حکمت کو دیوانگی سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کے عظیم پیشرو عیسیٰ علیہ السلام بھی اپنے دشمنوں کے ایسے الزامات سے نہیں بچ سکے۔ ہمیں ذیل میں درج عبارت عیسائیوں کی انجیل میں ملتی ہے۔

"ان میں سے بہتیرے تو کہنے لگے کہ اس میں بدروح ہے اور وہ دیوانہ ہے۔ تم اس کی کیوں سنتے ہو؟" (۲)

آپ کے معتمد حواریوں نے بھی کبھی سوچا کہ مسیح علیہ السلام عقل سے عاری ہیں۔

"جب اس کے عزیزوں نے یہ سنا تو اسے پکڑنے کو نکلے کیونکہ کہتے تھے کہ وہ بے خود ہے۔ اور فقیہ جو یروشلم سے آئے تھے یہ کہتے تھے کہ اس کے ساتھ بعلزبول (شیطان) ہے اور یہ بھی کہ وہ بدروحوں کے سردار کی مدد سے بدروحوں کو نکالتا ہے۔" (۳)

۱۔ سورۃ القلم آیت ۲۔

۲۔ یوحنا ۱۰: ۲۰

۳۔ مرقس ۳: ۲۱-۲۲

''باوجود یہ کہ اس اور ایسے ہی دوسرے معجزانہ کارناموں کے ہم سے کہا جاتا ہے کہ کیونکہ اس کے بھائی بھی اس پر ایمان نہ لائے تھے۔''(۱)

حضرت محمد ﷺ کو خوش قسمتی سے ایسے ناخوشگوار حالات سے سابقہ نہیں پڑا۔ ان کے اولین اور آخریں ایمان لانے والے بھی وہ تھے جو آپ ﷺ کے بہت قریب اور بہت عزیز تھے، اور وہ ان کو خوب اچھی طرح جانتے پہچانتے تھے۔

ہم اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ دوسری وحی ایک الزام کے جواب میں آئی تھی۔ اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام کی تیسری آمد ہوئی اور اس میں محمد ﷺ کو سورۃ مزمل کی پہلی چند آیتیں وحی کی گئیں جواب قرآن کی ۷۳ ویں سورۃ ہے۔

تیسری وحی:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ ٱلَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ نِّصْفَهُۥٓ أَوِ ٱنقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۝ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ ٱلْقُرْءَانَ تَرْتِيلًا ۝ إِنَّا سَنُلْقِى عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ۝

اے چادر اوڑھنے والے رات کو اٹھ مگر تھوڑا اس کا نصف یا اس سے کچھ کم کرلے اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ ہم تجھ پر ایک بھاری ذمہ داری ڈالنے والے ہیں۔(۱)

یہاں میں آپ کی توجہ صرف پانچویں آیت کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جہاں خدائے برتر نے کہا ہے۔

ا۔ یوحنا ۷: ۵،

ا۔ سورۂ مزمل آیت ا۔۵،

إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا

ہم عنقریب آپ (ﷺ) پر ایک بھاری فرمان نازل کریں گے۔(۱)

حضرت محمد ﷺ کے لئے جو خدا کے ایک منکسر مزاج بندے تھے، ہر وہ کچھ جو وہ اپنے خدا سے حاصل کر رہے تھے عمدہ، خوبصورت، اہم اور وزنی تھا۔ لیکن وحی نازل کرنے والے کو اپنے رسول ﷺ کو حقیقتاً بہت ہی غیر معمولی احکام دینا تھے۔

اپنی چوتھی آمد پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ہمارے نبی ﷺ کو نصف سے کچھ زیادہ سورۂ مدثر (آیت ۱ تا ۳۰) پہنچائی جو قرآن کی ۷۴ ویں سورۃ ہے۔

چوتھی وحی:

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ O قُمْ فَاَنْذِرْ O وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ O وَثِيَابَكَ
فَطَهِّرْ O وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ O وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ O
وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ O فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ O فَذٰلِكَ
يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ O عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ O ذَرْنِيْ
وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا O وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا O
وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا O وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا O ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ
اَزِيْدَ O كَلَّا ۭ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا O سَاُرْهِقُهٗ
صَعُوْدًا O اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ O فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ O
ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ O ثُمَّ نَظَرَ O ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ O
ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ O فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ O

اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ○ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ○ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا سَقَرُ ○ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ○ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ○ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ○

ترجمہ: اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے، اٹھو اور خبر دار کرو، اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو، اور اپنے کپڑے پاک رکھو، اور گندگی سے دور رہو، اور احسان نہ کرو زیادہ حاصل کرنے کے لئے۔ اور اپنے رب کی خاطر صبر کرو۔ اچھا جب صور میں پھونک ماری جائے گی۔ وہ دن بڑا ہی سخت ہو گا، کافروں کے لئے ہلکا نہ ہو گا، چھوڑ دو مجھے اور اس شخص کو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا، بہت سا مال اس کو دیا۔ اس کے ساتھ حاضر رہنے والے بیٹے دیے۔ اور اس کے لئے ریاست کی راہ ہموار کی۔ پھر وہ طمع رکھتا ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں، ہر گز نہیں وہ ہماری آیات سے عناد رکھتا ہے۔ میں تو اسے عنقریب ایک کٹھن چڑھائی چڑھواؤں گا، اس نے سوچا اور کچھ بات بنانے کی کوشش کی۔ تو خدا کی مار اس پر، کیسی بات بنانے کی کوشش کی۔ پھر لوگوں پر گیا۔ آخر کار بولا یہ کچھ نہیں ہے مگر ایک جادو جو پہلے سے چلا آرہا ہے۔ یہ تو ایک انسان کا کلام ہے۔ عنقریب میں اسے دوزخ میں جھونک دوں گا۔ اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دوزخ، نہ باقی رکھے نہ چھوڑے۔ کھال جھلس دینے والی۔ انیس کارکن اس پر مقرر ہیں۔ (۱)

اس کے بعد وحی الٰہی کا سلسلہ چلتا رہا، حتیٰ کہ قرآن مجید کم و بیش تیس سال میں مکمل ہو گیا۔

۱۔ سورۂ مدثر آیات ۱۔ ۳۰۔

قرآن مجید کا غیر محرف ثابت ہونا :

دین دو چیزوں کا نام ہے :

۱﴾..... اللہ کا پیغام، جو وحی کی شکل میں آتا ہے، اللہ کا کلام جو مصاحف کی اور آسمانی کتابوں کی شکل میں آتا رہا ہے اور اس کی آخری شکل قرآن مجید ہے۔

۲﴾..... دین کا دوسرا جزو اعظم ہے اس کلام کی عملی تفسیر اور وہ ہوتی ہے نبی ﷺ کی زندگی، اسے ہم سنّت کہتے ہیں۔

یہاں یہ ایک بہت عجیب بات ہے کہ جب دوسری آسمانی کتابوں کو دیکھتے ہیں اور پھر قرآن سے اس کا موازنہ کرتے ہیں تو قرآن میں جو اہم بات نظر آتی ہے اور مسلم و غیر مسلم سب اس کا اعتراف کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ بقیہ تمام کتابیں تحریف شدہ ہیں اور قرآن مجید تحریف شدہ نہیں ہے۔ کئی عیسائی علماء اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ :

"موجودہ انجیل وہ انجیل نہیں جو خالصتاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کی جا سکے، ہم جانتے ہیں یہ بہت بدل چکی ہے۔"

لیکن یہی لوگ قرآن کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ :

"یہ کلام تو حضرت محمد ﷺ کا ہے، اللہ کا کلام نہیں ہے، لیکن جس طرح سے یہ کلام محمد ﷺ کے سامنے تھا آج تک ویسا ہی ہے۔ ان کی وفات سے لے کر آج تک اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔"

یہ ان کے اعترافات ہیں۔ یہی بات سیرت نبی ﷺ کے بارے میں بھی کہتے ہیں۔ جتنے انبیاءؑ گزرے کسی کی سیرت طیبہ محفوظ نہیں ہے۔ حضرت

عیسٰی علیہ السلام کی زندگی کے تینتیس سالوں میں سے آخری تین سال کی زندگی کے بارے میں کچھ پتہ چلتا ہے اور بقول سید سلیمان ندوی اگر ہم ان کی زندگی کے حالات پڑھیں تو پچاس دن سے زیادہ کی زندگی کے حالات ہمارے پاس نہیں ہیں۔ وہ کس حد تک قابل تصدیق ہیں یہ ایک علیحدہ بات ہے۔ شادی کی یا نہیں، تجارت کی یا نہیں، کسی جنگ میں گئے یا نہیں گئے۔ جہاد کیا یا نہیں؟ دوستوں سے کیسے تعلقات تھے؟ دشمنوں سے کیسے تعلقات تھے؟ کچھ پتہ نہیں چلتا۔ کس چیز کی اتباع کریں۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل زندگی پوری تفصیلات کے ساتھ اور انتہائی صحت کے ساتھ ہمارے سامنے موجود ہے۔ مسجد نبوی ﷺ میں ایک خاص صُفّہ پر اسی سے لے کر ڈیڑھ سو تک صحابہ پڑے ہوئے ہیں۔ رات دن ایک ہی جگہ پر بیٹھے ہیں۔ کھانے کو مل جائے تو مل جائے ورنہ بھوکے پیاسے ہی بیٹھے ہیں۔ اور ایسا نہیں کہ غریب اور مسکین ہیں، بلکہ بڑے بڑے امراء اور اہل ثروت لوگ بھی بھوکے بیٹھے رہتے ہیں۔ سیدنا عمرؓ کے بیٹے اپنے باپ کے پاس نہیں بلکہ اہل "صُفّہ" کے ہاں مقیم رہتے ہیں اور حضور ﷺ کی صحبت سے ایک پل کے لئے بھی جدا ہونا گوارا نہیں کرتے۔

حضور ﷺ کی زندگی کا ایک ایک عمل انہوں نے ریکارڈ کر دیا۔ معمولی سے معمولی اور باریک سے باریک چیزیں، حضور اکرم ﷺ کی سیرت مبارک کی ہمارے سامنے محفوظ ہیں۔ یعنی اتنی باریک کہ محمد رسول ﷺ مسکرائے اور آپ ﷺ کے دو دانت نظر آئے، انتہائی صحت، باریکی اور احتیاط کے ساتھ آپ ﷺ کی زندگی کا ہر پہلو ہمارے سامنے ہے۔

انسانی تاریخ میں کسی موضوع پر آج تک اتنی بحث، تحقیق و تفتیش نہیں کی گئی جتنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر کی گئی ہے۔ یہ جو علم

اسماء رجال ہے اس میں لاکھوں محققین ہیں۔ پھر ان لاکھوں محققین پر لاکھوں محققین ہیں جو تحقیق کرتے ہیں کہ کون کیسا ہے، کس کی بات کیسے آرہی ہے، کون قابل اعتماد ہے اور کون نہیں ہے۔ کس کی کس سے ملاقات ہوئی اور کس سے نہیں ہوئی۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ ہر آسمانی دین کے دو ہی جزو ہوتے ہیں:

۱۔..... کتاب

۲۔..... سنت،

کتاب سے مراد کلام اللہ اور سنت سے مراد کلام اللہ کی عملی تفسیر ہے۔
اہم بات یہ ہے کہ دین کے یہ دونوں جز قرآن کریم اور محمد ﷺ کی سیرت طیبہ صرف ہمارے ہاں ہی محفوظ ہیں اور کسی دین میں محفوظ نہیں ہے۔

قرآن مجید کے غیر محرف ہونے پر غیر مسلم مؤرخین کی شہادت:

یہ واقعہ کہ قرآن کریم حرفاً حرفاً وہی ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو دیا، یہ ایک ایسی مسلمہ حقیقت ہے کہ جس کا اعتراف غیر مسلم مؤرخین کو بھی کرنا پڑا۔ جنہوں نے عقیدت مندانہ نظر سے نہیں بلکہ مؤرخانہ انداز سے اس امر کی تحقیق کی ہے اور اس تحقیق پر روایات کو اثر انداز نہیں ہونے دیا۔

اس سلسلہ میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے کچھ اہم عبارتیں نقل کی ہیں۔ ان میں سے ایک عبارت جرمن ڈاکٹر سپرنگر کی ہے جو کہ "Life of Muhammad ﷺ" کے مصنف لکھتے ہیں:

"کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری نہ موجود ہے کہ جس نے

مسلمانوں کی طرح اسماء رجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو۔ جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔"

اپالوجی فار محمد ﷺ کے مصنف گارڈ فری ہیگن کی عبارت ملاحظہ ہو۔ یہ لکھتے ہیں کہ:

"اس میں کچھ شبہ نہیں کہ تمام مقننین اور فاتحوں میں ایک بھی ایسا نہیں ہے جس کے وقائع عمری محمد ﷺ کے وقائع عمری سے زیادہ مفصل اور سچے ہوں"۔(۱)

بارسورتھ سمتھ جو ٹرینٹی کالج آکسفورڈ میں فیلو ہیں: انہوں نے کچھ لیکچر زدیے ہیں جو "محمد ﷺ اینڈ محمڈ نزم" کے نام سے چھپ چکے ہیں۔ اس کی دو عبارتیں یہ ہیں لکھتے ہیں:

"جو کچھ عام طور سے مذہب کی ابتداء نامعلوم ہونے کی نسبت صحیح ہے، وہی بدقسمتی سے ان تین مذہبوں اور ان کے بانیوں کی نسبت بھی صحیح ہے۔ جن کو ہم کسی بہتر نام موجود نہ ہونے کے سبب سے تاریخی کہتے ہیں۔ ہم مذہب کے اولین اور ابتدائی کارکنوں کی نسبت بہت کم اور ان کی نسبت جنہوں نے ان کی محنتوں میں بعد کو اپنی محنتیں ملائیں، شاید وہ زیادہ جانتے ہیں، ہم زرتشت اور کنفیوشس کے متعلق اس سے کم جانتے ہیں جو سولن اور سقراط کے متعلق جانتے ہیں۔ موسیٰ اور بدھ کے متعلق اس سے کم

۱۔ خطبات مدراس از سید سلیمان ندوی،

واقف ہیں جو ہم سیزرز کے متعلق جانتے ہیں۔ ہم درحقیقت مسیح کی زندگی کے ٹکڑے میں سے ٹکڑا جانتے ہیں۔ ان تیس برسوں کی حقیقت سے کون پردہ اٹھا سکتا ہے جس نے تین سال کے لئے راستہ تیار کیا۔ جو کچھ ہم جانتے ہیں، اس نے دنیا کی ایک تہائی کو زندہ کیا اور شاید اور بہت زیادہ کرے۔ ایک آئیڈیل لائف جو بہت دور بھی ہے اور قریب بھی۔ ممکن بھی ہے اور ناممکن بھی۔ لیکن اس کا کتنا حصہ ہے، جو ہم جانتے ہی نہیں۔ ہم مسیح کی ماں، مسیح کی خانگی زندگی، ان کے ابدائی احباب، ان کے ساتھ ان کے تعلقات، ان کے روحانی مشن کے تدریجی طلوع یا یک بیک ظہور کی نسبت کیا جانتے ہیں۔ Mythology فرضی افسانے اور مافوق الفطرت واقعات ابدائی عرب مصنفین میں نہیں۔ اگر ہیں تو آسانی سے تاریخی واقعات سے الگ کئے جاسکتے ہیں۔ کوئی شخص یہاں نہ خود کو دھوکا دے سکتا ہے اور نہ دوسرے کو۔

یہاں پورے دن کی روشنی ہے جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے اور ہر ایک تک وہ پہنچ سکتی ہے۔ شخصیت کی طاری گہرائیاں درحقیقت ہیں اور ہماری پہنچ کے خط سے باہر وہ ہمیشہ رہیں گی۔ لیکن ہم محمد ﷺ کی بیرونی تاریخ کی ہر چیز جانتے ہیں۔ ان کی جوانی، انکا ظہور، ان کے تعلقات، ان کی عادات، ان کی تدریجی ترقی، ان کی عظیم الشان وحی کا نوبت بہ نوبت آنا، ان کی اندرونی تاریخ کے لئے اس

کے بعد کہ ان کے مشن کا اعلان کیا جاچکا ہے۔ ہم ایک کتاب رکھتے ہیں، یعنی قرآن جو اپنی اصلیت میں، اپنے محفوظ رہنے میں، اپنے مضامین کی بے ترتیبی میں بالکل یکتا ہے، لیکن اس کی جوہری صداقت میں کوئی شخص بھی سنجیدہ شک نہ کر سکا۔ اگر کوئی کتاب ہم ایسی رکھتے ہیں جو اپنے زمانے کی Master Spirit کا آئینہ ہو تو یہ کتاب ہے۔ عموماً تصنع اور بناوٹ سے پاک، غیر مرتب، متضاد، تھکا دینے والے، لیکن چند عظیم الشان خیالات سے معمور ایک دماغ جو اس روحانیت سے لبریز جو اس کے اندر بند ہے۔ خدا کے نشہ میں مست و سرشار، لیکن انسانی کمزوریوں کے ساتھ جن سے پاک ہونے کا انہوں نے کبھی دعویٰ نہیں کیا۔ اور یہ محمد ﷺ کی آخری عظمت ہے کہ انہوں نے ان سے پاک ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔"

ایسے ہی گبن کی اور بہت سے دیگر مستشرقین کی عبارتیں ہیں، جن میں قرآن مجید کے غیر تحریف شدہ ہونے کا واضح اعتراف موجود ہے۔

میونخ یونیورسٹی جرمنی میں انتہائی اہم واقعہ :

یہاں پر ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی بیان کردہ ایک بات سنئے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ جرمنی میں میونخ یونیورسٹی نے ایک ادارہ ۱۹۳۳ء میں قرآن مجید کی تحقیق کے لئے قائم کیا۔ ڈاکٹر پریتھل اس ادارے کے تیسرے ڈائریکٹر تھے۔ ان سے ڈاکٹر حمید اللہ کی ملاقات ہوئی۔ اس ادارے نے یہ کام کیا کہ قرآن مجید کے قدیم ترین نسخے دنیا کے مختلف ملکوں سے اکٹھے کئے۔ کچھ نسخے

ایک سو سال پہلے کے، دو سو سال پہلے کے، تیسری صدی، چوتھی اور پانچویں صدی کے غرض یہ کہ جتنے بھی نسخے مختلف میوزیمز اور لائبریریوں سے جمع ہو سکتے تھے، اصل یا فوٹو کاپی کی شکل میں جمع کر لئے۔ بقول ڈاکٹر پریٹھل، انہوں نے بیالیس ہزار نسخے اکٹھے کر لئے۔ علماء اور محققین کی ایک بہت بڑی جماعت کو ان نسخوں پر بٹھا دیا۔ انہوں نے طویل عرصہ تک مقابلہ اور موازنہ کیا تاکہ کسی ایک نسخے کا کسی دوسرے نسخے سے اختلاف یا فرق ڈھونڈ سکیں۔ اس تحقیق پر ان کے کئی سال لگے۔ اس کی عارضی رپورٹ بھی انہوں نے شائع کی۔ ڈاکٹر حمید اللہ کہتے ہیں کہ میں خود ڈائریکٹر پریٹھل سے ملا اور انہوں نے یہ کہا کہ انہیں ان بیالیس ہزار نسخوں میں صرف دو جگہ اختلاف یا فرق نظر آیا۔ ایک جگہ تو یہ فرق نظر آیا ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں ایک جگہ رحمٰن کا تلفظ چھوٹا ہوا تھا، اور دوسرا یہ کہ کہیں کہیں الف لام (تعریف) لکھا ہوا ہے اور کہیں کہیں نہیں ہے۔ کہیں کتابت یوں ہے اور کہیں اور طرح، لیکن الفاظ وہی کے وہی ہیں۔ ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اب مزے کی بات یہ ہے کہ ایسی ہی تحقیق جرمنی میں ہی بائبل کے بارے میں بھی کر ڈالی گئی۔ صرف یونانی زبان کے نسخے جمع کئے گئے۔ اس لئے کہ یونانی زبان سے قبل بائبل کا کسی اور زبان میں سراغ نہیں ملتا۔ اور تمام زبانوں کے نسخوں سے صرف نظر کیا گیا۔ اس کے باوجود صرف یونانی بائبل کے نسخوں میں ہی دو لاکھ غلطیاں بر آمد ہوئیں۔ (۱)

''مولانا ابوالحسن علی ندوی کی کتاب منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین' میں سے کچھ مستشرقین کی عبارتوں کے حوالے پیش خدمت ہیں

۱۔ ملاحظہ ہو خطبات بہاول پور از ڈاکٹر حمید اللہ۔

مسٹرای منگانا، سابق استاذ مانچسٹر یونیورسٹی کہتے ہیں:

"یورپ کی لائبریریوں میں قرآن مجید کے بہت سے قلمی نسخے ہیں۔ ان میں سب سے پرانا دوسری صدی ہجری کا ہے، لیکن ان میں کوئی لفظی اختلاف نہیں، البتہ طرز کتابت کا تھوڑا سا اختلاف ہے جو قدیم عربی خط کے عیب کے سبب سے ہے۔ ایسا ہی خیال نول دیک Noel-deke نے انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس میں ظاہر کیا ہے۔"

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں (بعنوان "محمد ﷺ") یہ اعتراف موجود ہے کہ:

"قرآن روئے زمین پر سب کتابوں سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔" (۱)

سرولیم میور جو اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے متعلق اپنے تعصب کے لئے مشہور ہے۔ جس کے سبب سے ہندوستانی مسلمانوں کی نئی تہذیب کے علمبر دار سرسید احمد خاں، بانی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو ان کی کتاب "لائف آف محمد ﷺ" کے جواب میں "خطباتِ احمدیہ" لکھنی پڑھی تھی، وہ مذکورہ کتاب میں لکھتا ہے:

"حضرت محمد ﷺ کی وفات کے ربع صدی بعد کے اندر ہی ایسے شدید مناقشات اور فرقہ بندیاں پیدا ہو گئیں جن کے نتیجے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے۔ اور

۱۔ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس ج ۱۰ ص ۵۴۸۔۵۴۹۔

یہ اختلافات آج بھی باقی ہیں، لیکن ان سب فرقوں میں قرآن ایک ہی ہے۔ ہر زمانہ میں تواتر کے ساتھ ان سبھی فرقوں کا ایک ہی قرآن پڑھنا اس بات کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے کہ آج ہمارے سامنے وہی صحیفہ ہے جو اس بدقسمت خلیفہ کے حکم سے تیار کیا گیا تھا۔ شاید پوری دنیا میں کوئی دوسری ایسی کتاب نہیں جس کی عبارت بارہ صدیوں تک اس طرح بغیر تبدیلی کے باقی رہی ہو، قرآن میں قرأت کے اختلافات بھی حیرت انگیز طور پر بہت کم تعداد میں ہیں اور یہ بھی ان اعراب کی وجہ سے ہیں، جو بہت بعد کے زمانہ میں لگائے گئے تھے۔‘‘ (۱)

وھیری Wherry اپنی تفسیر قرآن مجید میں لکھتا ہے کہ:

’’تمام قدیم صحیفوں میں قرآن مجید سب سے زیادہ غیر مخلوط اور خالص Purest ہے۔‘‘

قرآن مجید کا معروف انگریزی مترجم پامر Palmer کہتا ہے:

’’حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ترتیب دیا ہوا متن اس وقت سے آج تک طے شدہ اور مسلّمہ صحیفہ رہا ہے۔‘‘

لین پول Lane Pole کہتا ہے:

’’قرآن مجید کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی اصلیت میں کوئی شبہ نہیں ہے، ہر حرف جو ہم آج پڑھتے ہیں اس پر یہ اعتماد کر سکتے ہیں کہ تقریباً تیرہ صدیوں سے غیر مبدل رہا ہے۔‘‘

۱۔ سر ولیم میور، لائف آف محمد ﷺ ۱۹۱۲ء، ص ۲۲-۲۳۔

یورپ کی مشہور مستشرق Baroness Margarate Von Stein قرآن کریم کے متعلق رقم طراز ہے۔

"اگرچہ تمام مذہبی صحائف اللہ کی طرف سے نازل ہوئے تاہم صرف قرآن ہی ایک ایسا آسمانی صحیفہ ہے جس میں ذرا بھی ردوبدل نہیں ہوا اور وہ اپنی اصل شکل میں موجود ہے"

اسی طرح ایک دوسرا مستشرق Hortwing Hirschfeld اپنی کتاب New Researches Into The Compostion and Exeqeses of The Quran میں بالفاظ ذیل اس اٹل حقیقت کا اعتراف کرتا ہے۔

عہد حاضر کے نقاد اس پر متفق ہیں کہ قرآن کے موجودہ نسخے اس اصلی نسخہ کا ہوبہو عکس ہیں۔ جسے حضرت زید ابن ثابتؓ نے لکھا تھا۔ اور قرآن کا متن بعینہٖ وہی ہے جسے محمد ﷺ نے لکھا کر دیا تھا۔

اتنا ہی نہیں انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مصنف "قرآن" کے زیر عنوان یہ اقرار کرتا ہے:

یورپ کے محققین کی وہ تمام کوششیں جو قرآن کے اندر بعد میں اضافات وغیرہ ثابت کرنے کے لئے کی گئی تھیں، قطعاً ناکام رہی ہیں۔ سر ولیم میور اپنی کتاب Life of the Muhammad ﷺ میں بدیں الفاظ اس مذکورہ بالا حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں۔

"ورنہ اس کے لئے داخلی اور خارجی ہر قسم کی ضمانت موجود ہے کہ ہمارے پاس قرآن کا بعینہٖ وہی متن موجود ہے جو خود محمد ﷺ نے امت کو دیا تھا اور خود استعمال کیا تھا"۔

مندرجہ بالا اقتباسات سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ قرآن کے وہ

دعاوی اور ان کی صداقت صرف ہمارے نزدیک ہی مسلّم نہیں ہے بلکہ اپنے تو اپنے بیگانے بھی ان دعووں کی صداقت پر آج تک انگلی نہیں رکھ سکے اور متعصّب سے متعصّب معاندین بھی اپنی تمام کوششوں کی ناکامیوں کے بعد ان عظیم حقیقتوں کے اعتراف پر مجبور ہو گئے ہیں کہ :

۱﴾...... قرآن کریم اور صرف قرآن کریم ہی ایک ایسا آسمانی صحیفہ ہے جس ذرا بھی ردّوبدل نہیں ہوا، اور وہ اپنی اصلی شکل میں محفوظ ہے۔

۲﴾...... عہد حاضر کے نقاد اس پر متفق ہیں کہ قرآن کے موجودہ نسخے اس نسخہ کا ہو بہو عکس ہیں، جسے حضور ﷺ نے لکھا کر دیا تھا۔

۳﴾...... یورپ کے محققین کی وہ تمام کوششیں قطعاً ناکام رہی ہیں جو قرآن کے اندر بعد کے زمانہ میں کسی اضافہ وغیرہ کو ثابت کرنے کے لئے کی گئی تھیں۔

۴﴾...... قرآن کا متن بعینہ وہی ہے، جو حضور اکرم ﷺ نے امت کو دیا تھا۔ اور جو خود آپ ﷺ کے استعمال میں رہتا تھا۔

قرآن مجید کلام اللہ یا کلام محمد ﷺ ؟

اس آیت پر ذرا غور کیجئے :

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ

ہم اس کتاب کی حفاظت کریں گے (کیونکہ) یقیناً ہم نے ہی اسے نازل کیا ہے۔ (۱)

ایک اور آیت ہے :

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ

۱۔ سورۂ حجر آیت ۹۔

یہ ذکر، نصیحت کی کتاب ہم نے نازل کی ہے۔
وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ
یہ بہت زبردست کتاب ہے۔ (۱)
لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ
اس کے آگے سے پیچھے سے ادھر سے ادھر سے کوئی غلط بات اس میں شامل نہیں ہو سکتی (۲) کیوں؟
تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ
بہت حکمت والی قابل تعریف ہستی کی طرف سے نازل شدہ کلام ہے۔ (۳)

غور کیجئے، ان دونوں آیتوں کا ایک حصہ سبب بنتا ہے اور ایک حصہ نتیجہ ہے۔ نتیجہ کیا ہے؟ اس کی حفاظت ہوگی۔ اس حفاظت کا سبب کیا ہے؟ اللہ کا کلام ہے۔ اگر یہ نتیجہ صحیح ثابت ہو رہا ہے تو سبب خود خود صحیح ثابت ہوگیا۔ جب کلام کی حفاظت ہوگئی تو پہلا دعویٰ کہ یہ اللہ تعالیٰ کا نازل شدہ کلام ہے، خود خود ثابت ہوگیا کہ محمد ﷺ کا کلام نہیں ہے۔ ان مستشرقوں کو غور کرنا چاہیے۔ اور ہمارا ابھی فرض ہے کہ ہم ان کم عقلوں تک یہ بات پہنچائیں کہ جب تم یہ مانتے ہو کہ اس کتاب کی حفاظت ہو چکی ہے اور یہ محفوظ کتاب ہے اس میں کوئی تغیر و تبدل یا تحریف نہیں ہوئی۔ تو یہ تو سوچو کہ تحریف کیوں نہیں ہوئی، حفاظت کیوں ہوئی؟

ایک ہی دعویٰ ہے: اس کے دو جزو ہیں۔ ایک سبب، اور ایک نتیجہ

۱۔ سورۂ حجر آیت ۹،
۲۔ سورۂ فصلت آیت ۴۲،
۳۔ سورۂ فصلت آیت ۴۲،

نتیجہ کا اعتراف کرتے ہو، سب کو نہیں مانتے۔ کیا ہو گیا ہے تمہاری عقلوں کو؟

فرض کیجئے ہمارے سامنے بڑی پرانی عمارتوں اور محلات کے کھنڈرات ہیں۔ ان میں ایک محل یا بہت بڑی عمارت ایسی ہے جو کھنڈر نہیں بنی۔ ویسے ہی اس میں فوارے لگے ہوئے ہیں۔ باغ و پھل بھی ویسے ہی ہیں۔ آباد بھی ویسی ہی ہے جیسے کوئی ابھی ابھی بنا کے چھوڑے جا رہا ہے۔ چاروں طرف سب کھنڈرات ہیں، صرف ایک عمارت ہے جو کہ معمور ہے آباد ہے، صحیح سالم ہے۔ کچھ سیاح وہاں سے گزرتے ہیں اور آپس میں جھگڑتے ہیں کہ یہ عمارت کس کی ہے؟ کوئی کہتا ہے فلاں کی ہے اور کوئی کہتا ہے فلاں کی ہے۔ اب جونہی دروازے کے قریب جاتے ہیں تو وہاں پہ ایک کتبہ لکھا ہوا ہے۔ "یہ محل فلاں بادشاہ کا ہے، اور وہی اس کو ہمیشہ آباد رکھے گا۔" قابل غور بات یہ ہے کہ کتبہ پر لکھی ہوئی عبارت کے بھی دو جز ہیں۔

اول﴾...... "یہ محل فلاں بادشاہ کا ہے۔"

دوم﴾...... "وہ اس محل کو ہمیشہ آباد رکھے گا۔"

اب یہ بات تو واضح ہے کہ جزو اول اس عبارت میں جزو دوم کا سبب ہے۔ اگر یہ محل آباد ہے اور کھنڈر نہیں بنا تو صرف اس لئے کہ اس میں بادشاہ یا اس کا خاندان آباد ہے۔ اب اگر اس عبارت کا دوسرا جز ثابت ہو رہا ہے۔ یعنی یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ محل آباد ہے، کھنڈر نہیں ہے۔ تو طے پا گیا کہ اس میں بادشاہ ہی رہتا ہے۔ اب اس کی ملکیت میں کیا شک ہو سکتا ہے کہ بادشاہ کے علاوہ کسی اور کی ہو سکتی ہے؟ اسی لئے تو وہ عمارت محفوظ ہے کہ وہ بادشاہ کی ہے۔ بادشاہ کے علاوہ کسی اور کی ہوتی تو محفوظ نہ ہوتی۔ اب ان آیتوں پر دوبارہ غور کیجئے۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ

ہم اس کتاب کی حفاظت کریں گے (کیونکہ) یقیناً ہم

نے ہی اسے نازل کیا ہے۔(۱)

لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ

(اس کتاب میں کوئی غلط ادھر ادھر سے شامل نہیں ہو گی) کیوں؟(۲)

تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۝

(کیونکہ زبردست قابل تعریف ہستی کی نازل کردہ ہے)(۳)

اب دیکھئے کہ ان دونوں آیتوں کے دو جز ہیں:

اول﴾...... یہ قرآن محفوظ رہے گا۔ اس میں کوئی تحریف نہ ہو گی۔

دوم﴾...... اس لئے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

اب اگر ساری دنیا اس بات کا اعتراف کر رہی ہے کہ یہ قرآن مجید محفوظ اور غیر تحریف شدہ ہے تو اس کے سبب کو بھی تو مانئے جو اسی آیت میں لکھا ہوا ہے۔ یہی کہ یہ اللہ کا کلام ہے، محمد ﷺ کا کلام نہیں ہے۔

اور سنئے قرآن مجید کا پہلا پہلا جملہ یہی ہے۔

ذَٰلِكَ الْكِتَابُ

یہ آسمانی کتاب ہے۔

"کتاب" عام کتاب کو کہتے ہیں۔ جب مصطفیٰ "الکتاب" کہتے ہیں تو اس سے مراد آسمانی کتاب ہوتی ہے۔

ذَٰلِكَ الْكِتَابُ...... یہ آسمانی کتاب ہے۔

۱۔ سورۂ حجر آیت ۹،

۲۔ سورۂ فصلت آیت ۴۲،

۳۔ سورۂ فصلت آیت ۴۲

لَا رَیْبَ فِیْهِ

اس میں کوئی شک نہیں۔ (اس میں کوئی غلط بات شامل کرنا بھی چاہتا بھی تو نہیں کر سکتا)۔

تو بذات خود اس آیت کے بھی دو جز ہیں۔ ایک یہ کہ "یہ آسمانی کتاب ہے" دوم یہ کہ "ہر شک و شبہ اور ملاوٹ و تحریف سے پاک ہے۔" شک، ملاوٹ و تحریف سے پاک کیوں ہے؟ اس لئے کہ آسمانی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

دوسرا جز ہمارے سامنے ثابت ہو چکا ہے، یعنی یہ کہ اس کتاب میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکا۔ تحریف، ملاوٹ اور شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ تو پہلا جز تو خود بخود ثابت ہو گیا کہ یہ آسمانی کتاب ہے۔ اللہ کا کلام ہے۔ منطقی طور پر جب نتیجہ ثابت ہے تو اس نتیجہ کا سبب از خود ثابت ہو جاتا ہے۔ اب اگر یہ بات طے ہے کہ یہ قرآن محفوظ ہے، غیر تحریف شدہ ہے، تو یہ بات از خود ثابت ہو گئی کہ یہ کلام سوائے اللہ کے اور کسی کا نہیں اور اس کا آخری کلام ہے۔

سیرت صاحبِ ﷺ قرآن:

اب ذرا صاحب کتاب ﷺ کی سیرت کے بارے میں کچھ عرض کروں گا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا تھا۔

وکان خلقه القرآن

قرآن مجید ان کا خلق ہے۔ ایک کتاب تو قرآن مجید ہے۔

اور ایک کتاب تھی اس قرآن کریم کی عملی تفسیر، اس کی جیتی جاگتی تصویر یہ تھی حضور اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ ﷺ کی روز مرہ کی زندگی، چنانچہ سیدہ عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ حضور ﷺ کی سیرت کیا تھی؟ تو ان کا جواب تھا۔

وکان خلقه القرآن،
آپ ﷺ کی سیرت قرآن ہی تو تھی۔

سراپائے عفوو محبت :

اب آپ ذرا دیکھیں کہ حضور ﷺ کی سیرت کیا تھی ؟ آپ ﷺ کا مزاج کیسا تھا؟ چند باتیں عرض کرتا ہوں اور یہ وہ باتیں ہیں جن سے آپؐ کی نبوت ثابت ہوتی ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں محبت تھی، عفو عام تھا۔ ہم نے انجیل میں تو پڑھ لیا کہ "تو اپنے دشمن سے پیار کر" Love Your Enemy لیکن کہیں بھی اور انجیل کے کسی حصے میں بھی یہ بات ہمیں نہ ملی کہ اپنے دشمن سے کیسے محبت کی گئی۔ ایک واقعہ بھی ہمیں ایسا نہیں ملا جس سے پتہ چلے کہ دشمن سے پیار کیسے کیا جاتا ہے ؟

آیئے اب دیکھیں کہ انجیل کے اس پیغام پر محمد رسول اللہ ﷺ کیسے عمل کر کے دکھاتے ہیں۔ کچھ واقعات عرض کرتا ہوں :

مکہ فتح ہوا۔ دس ہزار فوج مکہ میں داخل ہوئی۔ داخل ہونے سے پہلے حضور ﷺ نے تمام صحابہ کو حکم دیا کہ "کوئی شخص کسی دوسرے کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا نہیں کھائے گا۔" اب کیا ہوا یوں تو ایک آدمی چولہا جلاتا تھا۔ اور سو ڈیڑھ سو آدمی کھاتے تھے۔ اب دس ہزار کے دس ہزار چولہے جل رہے ہیں۔ ہر شخص کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنی اپنی آگ جلائے۔ اب جو اتنی بڑی آگ جلائی گئی تو مکے والے سراسیمہ ہو گئے۔ ابوسفیان بڑبڑا کے باہر نکلا کہ یہ کیا ہو گیا۔ گرفتار ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا قتل کر دو۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

"نہیں نہیں چھوڑ دو۔ بس اس کو مکے کے قریب وہاں کھڑا کر دو، جہاں سے ہم گزریں گے، تاکہ ہمیں قریب سے

دیکھ لے۔"

اور ابو سفیان کو نہ صرف معاف کیا بلکہ یہ اعلان فرمایا کہ :

من دخل دار ابی سفیان فھو امن

جو شخص ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اسے امان ہے۔(۱)

اور فرمایا :

"جو حرم کے صحن میں داخل ہو گیا اس کو معافی ہے۔ جو اپنے گھر میں داخل ہو گیا، کنڈی لگالی اس کو معافی ہے۔"

اہل مکہ کو جمع کیا، تمام مجرمین کو اکٹھا کر لیا۔ ان سے پوچھا :

"تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔"

کہنے لگے :

اخ کریم و ابن اخ کریم

آپ عزت والے بھائی ہیں آپ عزت والے بھتیجے ہیں۔

فرمایا :

الیوم اقول کما قال اخی یوسف لا تثریب علیکم

الیوم اذھبوا و انتم الطلقا

آج میں وہ بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے کہی تھی۔ آج تم پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ جاؤ تم سب کو معافی ہے۔ ہم کسی کو کچھ نہیں کہیں گے۔ تم سب آزاد ہو۔"(۲)

۱۔ اخرجہ ابو داؤد (۲۱:۳۰) (جامع الاصول) الجزء الثامن باب غزوات النبی ﷺ ص ۳۶۶۔

۲۔ سورہ آیت،

اب ایک بات پر ذرا غور کیجئے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے مسلمانوں کی تمام جائداد چھین لی۔ مہاجرین کے تمام مکانات اور دکانیں ان کے پاس تھیں، ان کی ساری دولت ان کے پاس تھی۔ اسی دولت کے بل پر وہ مسلمانوں سے لڑتے رہے اور ان کو مارتے رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "کوئی صحابی اپنی پرانی جائداد کی طرف مڑ کر نہیں دیکھے گا۔" اگر مکہ کے ان تمام لوگوں کو یکبار قتل کر دیا جاتا تو تاریخ اعتراض نہ کر سکتی تھی۔ ان سب کو اگر غلام بنالیا جا تا تو تاریخ اعتراض نہ کر سکتی تھی، اس لئے کہ ایسا ہوتا رہا ہے اور انبیاء کے ہاتھوں ہوتا رہا ہے۔ تورات میں لکھا ہوا ہے کہ ایسا ہی کیا کرو۔ اور بدر میں جب حضور ﷺ نے ایسے نہیں کیا تھا تو قرآن مجید میں یہ بات بطور تنبیہ آئی کہ ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ ان قیدیوں کو یوں آسانی سے چھوڑ دینا غلط تھا۔

ہاں تو ان سب اہل مکہ کو قتل کر دیا جاتا یا غلام بنالیا جاتا یا ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنالیا جاتا یا انہیں جنگی قیدی بنالیا جاتا یا جنگی مجرم قرار دیا جاتا، تو سب روا تھا۔ ان کی ساری جائدادیں چھین لی جاتیں تو یہ سب روا تھا۔ اس دور کے رواج اور بین الاقوامی قانون International Law کے مطابق بھی جائز تھا۔ لیکن حضور ﷺ نے اس دور کے رول، معمول اور قانون سے بالکل ہٹ کر عفو عام کا اعلان فرمایا۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ جائدادیں جو مسلمان مکہ مکرمہ میں چھوڑ کے آئے تھے، جنہیں کفار مکہ نے ان سے جبراً چھین لیا تھا، وہ بھی ان سے واپس نہ لی گئیں۔ اب سے پہلے یہ جائیدادیں چھینا ہو مال تھا، مالِ مسروقہ تھا۔ جس پر کفار مکہ ناجائز طور پر قابض تھے۔ یہ مسلمان مہاجرین کا آبائی ورثہ اور آبائی حق تھا۔ مکہ کیا فتح ہوا یہ جائدادیں اب قانونی طور پر اہل مکہ کا جائز حق قرار دے دی گئیں۔ کیا اس طرح سے فتوحات ہوا کرتی ہیں۔ لینے کی جائے سب کچھ دے کے آگئے۔ اہل مکہ کی جائداد بطور

غنیمت لینے کی جائے اپنی آبائی جائداد یں قانونی طور پر ان کے نام کر آئے۔

اور سنئے! بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ کعبہ کی چھت پہ کھڑے ہو کر اذان دے دو۔ وہاں ایک صاحب عتاب بن اسید بیٹھے ہوئے تھے۔ ان سے یہ منظر دیکھا نہیں گیا۔ کہنے لگے: "اچھا ہے میرا باپ مرگیا، اگر وہ یہ منظر دیکھتا تو اس سے برداشت نہ ہوتا کہ یہ کالا گدھا کعبے کی چھت پہ کھڑا ہو کے بینگ رہا ہے۔" یہ اس کے الفاظ تھے۔ حضور ﷺ نے عتاب بن اسید کو بلایا، حاضر ہوا اور کہا: "یارسول اللہ ﷺ میں آپ ﷺ کی دشمنی میں بہت آگے آگے رہا ہوں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، لیکن ہم تمہارے ذمے ایک کام لگانا چاہتے ہیں۔ ہم مکے سے جارہے ہیں اور اس مکے کے امیر تم ہوگے۔" ذرا غور کیجئے کہ اس وقت عتاب بن اسید کے دل پر کیا بیتی ہوگی۔ یہ ہوتا ہے دشمن سے پیار!

اب میں آپ کچھ نظارے دکھاتا ہوں تاکہ پتہ چلے کہ یوں ہوتی ہے نبی ﷺ کی زندگی! دنیا میں بڑے بڑے فاتحین گزرے ہیں۔ انہوں نے بڑے بڑے ملک اور شہر فتح کئے تو ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ جو چیز بھی کچھ قیمت رکھتی تھی اسے اٹھا کر ساتھ لے گئے اور جب تک بس چلا، اپنی فوج اور سپاہ کے ذریعے اس علاقہ پر اپنا قبضہ برقرار رکھا۔ لیکن ایک نبی ﷺ اور عام فاتح میں بنیادی فرق ہوتا ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر وہ فرق بہت واضح ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

حضور ﷺ فتح مکہ کے بعد جب واپسی اختیار فرماتے ہیں تو اپنا کوئی پولیٹیکل ایجنٹ Political Agent چھوڑ کے جاتے ہیں، نہ کوئی فوجی دستہ، نہ پولیس کی گارڈ، ایک فوجی یا ایک سپاہی بھی چھوڑ کے نہیں جاتے۔ اہل مدینہ

نہیں دیا تھا۔ کوئی چھوٹا یا بڑا عہدہ نہیں سونپا جاتا۔ جائداد اور مال کا ایک ٹکڑا بھی وہاں سے اٹھا کے نہیں جاتے۔ مکہ فتح ہو گیا، فتح کیا؟ بھئی! دس ہزار آدمی جو لے کر آئے تھے اور ویسے کے ویسے ہی چلے گئے۔ کیا لے کے گئے؟ کیا لینے آئے تھے؟ کیا فتح کیا؟ یہ واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہیں۔(۱)

جہاں تک مختلف الزامات کا تعلق ہے تو ہمارے پاس ان الزامات کا حوالہ موجود ہے جو رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں نے آپ ﷺ پر عائد کئے تھے۔ وہ آپ ﷺ کو (نعوذ باللہ) رنگا سیار قرار دیتے تھے۔ انہوں نے یہ افواہ پھیلائی تھی کہ آپ ﷺ کے ماضی کے اساطیر بیان کئے جاتے ہیں۔ وہ (نبی کریم ﷺ) ان کو لکھے جاتے ہیں یا ان (اساطیر) کو نقل کرا دیا جاتا ہے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ محمد ﷺ اُمّی تھے، معاملہ بہر حال کچھ ہو وہ آیت ایک تحریری ریکارڈ ہونے کے اس عمل کا حوالہ دے رہی ہے جس کی نشاندہی محمدؐ کے معاندین نے کی ہے۔

ایک سورت میں جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی۔ ان صحف کا آخری حوالہ ملتا ہے جن پر یہ آسمانی ہدایات مرقوم تھیں۔

سورۃ البینۃ میں ارشاد ہوتا ہے۔

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝ سورہ ۹۸ آیت ۲-۳

(یعنی) اللہ کی طرف سے ایک رسول جو پاک صحیفے پڑھ کر سنائے جن میں بالکل راست اور درست تحریریں

۱۔ خطبات حرم از ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک،

لکھی ہوئی ہوں۔(۱)(۲)

لہذا قرآن خود اس حقیقت کی شہادت فراہم کر رہا ہے کہ یہ عہدِ رسالت میں ضبطِ تحریر میں لایا جا چکا تھا۔ یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی و موجودگی میں متعدد کاتب موجود تھے۔ جن میں مشہور ترین زید ابن ثابت تھے، جنہوں نے آئندہ نسلوں کے لئے اپنا نام بطور یادگار چھوڑا ہے۔

قرآن کے اس فرانسیسی ترجمے کے دیباچہ میں جو ۱۹۷ء میں کیا گیا تھا، ان حالات کا ایک بہت ہی اچھا بیان دیا ہوا ہے۔ جو اس وقت پھیلے ہوئے تھے جب قرآن کریم لکھا گیا تھا۔ یہ حالات رحلتِ رسول کریم ﷺ تک قائم رہے۔

"جملہ ماخذ یہ بیان کرنے میں متفق ہیں کہ جب کبھی قرآن کریم کا کوئی جز نازل ہوتا تو نبی کریم ﷺ اپنے کسی خواندہ صحابیؓ کو طلب فرماتے اور یہ جز، اس کو لکھوا دیتے تھے۔ ساتھ ہی یہ بھی ہدایت فرما

۱۔ سورۃ البینۃ آیت ۲ اور ۳۔

۲۔ لغت کے اعتبار سے صحیفوں کے معنی ہیں "لکھے ہوئے اوراق" لیکن قرآن مجید میں اصطلاحاً یہ لفظ انبیاء علیہم السلام پر نازل ہونے والی کتابوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور پاک صحیفوں سے مراد ہیں ایسے صحیفے جن میں کسی کے باطل کسی طرح کی گمراہی وضلالت اور کسی اخلاقی گندگی کی آمیزش نہ ہو۔ ان الفاظ کی پوری اہمیت اس وقت واضح ہوتی ہے جب انسان قرآن مجید کے مقابلے میں بائبل اور دوسرے مذاہب کی کتابوں کا بھی مطالعہ کرتا ہے۔ اور ان میں صحیح باتوں کے ایسی باتیں لکھی ہوئی دیکھتا ہے جو حق و صداقت اور عقل سلیم کے بھی خلاف ہیں اور اخلاقی اعتبار سے بھی بہت گری ہوئی ہیں۔ ان کو پڑھنے کے بعد جب آدمی قرآن کو دیکھتا ہے تو اسے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتنی پاک اور مطہر کتاب ہے۔

دیئے کہ اس جز کو سابقہ نازل شدہ آیات میں کس جگہ درج کیا جائے۔
اس نوع کی روایات موجود ہیں کہ نبی کریم ﷺ کاتب سے فرماتے کہ جو کچھ اسے املا کرایا گیا وہ اسے پڑھ کر سنائے، تاکہ جو سہو ہو گئے ہوں، آپ ﷺ ان کی اصلاح کرا سکیں۔ ایک اور صورتِ حال یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ ہر سال ماہِ رمضان المبارک میں نبی کریم قرآن کریم کا وہ تمام حصہ جو اس وقت تک نازل ہو چکا ہوتا جبرئیل کو پڑھ کر سناتے تھے۔ اور یہ کہ رحلتِ رسول کریم ﷺ سے پہلے گزرنے والے ماہِ رمضان میں جبرائیل امین نے پورا قرآن دو مرتبہ پڑھوا کر سنا تھا۔ یہ بات معلوم ہے کہ رحلتِ رسول کریم ﷺ کے وقت سے مسلمانوں نے ماہِ رمضان کے دوران شب بیدار رہنے اور جو نمازیں فرض ہیں ان کے علاوہ پورے قرآن کی تلاوت کرنے کو اپنا معمول بنا رکھا ہے۔ متعدد ذرائع سے یہ بات بھی ثابت ہوئی ہے کہ محمد ﷺ کے کاتب زید بن ثابتؓ قرآن کے جملہ متون کو آخری بار مرتب کئے جانے کے وقت موجود تھے۔ کہیں اور دوسری متعدد شخصیات کا بھی ذکر مل جاتا ہے۔"

بہر حال اس کے ساتھ ہی یہ بھی امر واقعہ ہے کہ محمد ﷺ نے اپنے ماننے والوں کو قرآن حفظ کرنے کی بھی تاکید فرمائی تھی۔ جو اہلِ ایمان قرآن کے پورے متن کو حفظ نہ کر سکے، انہوں نے بھی نمازوں میں قرأت کرنے کی غرض سے اس کے کچھ حصہ کو ضرور حفظ کر لیا۔ اس طرح ان حفاظ کی ایک جماعت پیدا ہو گئی۔ جن کو پورا قرآن مجید حفظ تھا۔ جنہوں نے اس کو دور دراز علاقوں میں پھیلایا۔ متن کو تحریری شکل میں لا کر اور حفظ کر کے اس کو محفوظ رکھنے کا یہ طریقہ انتہائی مفید ثابت ہوا۔ اس طرح پورے قرآن کی

انتہا قابلِ اعتماد مکمل نقلیں نبی کریم ﷺ کی حیات ہی میں آپ ﷺ کی زیرِ نگرانی اور آپ ﷺ کی تصدیق و توثیق کے ساتھ تیار ہو چکی تھیں۔

رحلتِ رسول ﷺ کے بعد بالکل ہی ابتدائی عشروں میں اسلام کی اشاعت فی الحقیقت نہایت تیزی سے ہوئی اور وہ بھی ان قوموں میں جن کی اصلی زبان عربی نہیں تھی۔ ایک ایسے متن کو جس نے اپنے ابتدائی صوت کو قائم رکھا اسی صحت کے ساتھ پھیلانے میں ضروری تدابیر کو کام میں لایا گیا۔

قرآن کے ابتدائی مصدقہ نسخے ملتِ اسلامیہ کے مرکزی مقامات کو بھیجے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے نسخے کئی مقامات پر اس وقت بھی موجود ہیں۔ جیسے تاشقند اور استنبول میں۔ اس وقت بھی معلوم شدہ قدیم ترین نسخے جو پوری اسلامی دنیا میں پائے جاتے ہیں بالکل ایک جیسے ہیں۔ یہی بات ان نسخوں پر بھی صادق آتا ہے جو یورپ میں محفوظ ہیں۔

(پیرس میں قائم قومی کتب خانہ Bibliotheque Nationale میں جو اجزا موجود ہیں ان کی تاریخ ماہرین کے نزدیک آٹھویں اور نویں صدی عیسوی یعنی دوسری اور تیسری صدی ہجری ہے۔) متعدد قدیم متون جن کی موجودگی کا علم ہے وہ سب ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔

فرانس، ہسپانیہ اور جنوبی یورپ میں حامل قرآن لوگوں کے پہنچ جانے سے مغرب کے بے چین ذہن و دماغ میں ایک گونہ تحریک پیدا ہوئی، جس سے ایک نئے ذہنی انقلاب نے جنم لیا۔

قرآنی تہذیب غیر محسوس انداز میں اور خاموشی کے ساتھ پورے فرانس اور یورپ میں پھیل رہی تھی۔ اور کلیسائیوں کے لئے اب یہ ممکن ہو گیا تھا کہ وہ اپنے مخالفین سے بچ کر بے دین لوگوں (مسلمانوں) کے دامن میں پناہ

لے سکیں۔ خواہ فاضل ابے لارڈ (۱) کلیسائی عقوبت و ایذا رسانی سے نجات کا ذریعہ وہاں سے پسپائی اختیار کر کے مسلمانوں میں شمولیت اختیار کرنے کو قرار دیتا تھا۔ حامل قرآن لوگ جاہل و ناخواندہ راہبوں سے سلامتی حاصل کرنے کے لئے حفاظت اور بچاؤ کا ایک ذریعہ بن گئے تھے۔

آرک بشپ ہنگ (۲) مارنے عربی کے ایک فاضل جان ایری جینا (۳) کو ۸۲۵ء میں اس کام پر مقرر کیا کہ وہ فلسفہ اور مذہب کو اس طرح

۱۔ پیئر بے لارڈ یا پیرابے لارڈ (۱۰۷۹ء۔ ۱۱۴۲ء) فرانس کا ایک فلسفی اور ماہر دینیات تھا۔ وہ نینٹیز Nantes کے قریب پیدا ہوا۔ مختلف مقامات پر فلسفہ اور دینیات کا درس دیتا رہا۔ خفیہ طور پر ایک خاتون ہیلواز Heloise سے شادی کر لی۔ جس کی وجہ سے اس کا چچا فلبرٹ اس سے ناراض ہو گیا اور اپنے چند کرائے کے آدمیوں کے ذریعہ اس کو دست پابریدہ کرا دیا۔ اس کے بعد وہ ایک خانقاہ میں چلا گیا لیکن وہاں سے پکڑا گیا۔ اس کے اسمیانیہ اصول Nominalistic Doctaimoes ملحدانہ قرار پائے۔ جس کی وجہ سے اس کو ایک خانقاہ سے بھاگ کر دوسری خانقاہ میں جانا پڑا۔ ۱۱۴۰ء میں اس کو الحاد کی بنا پر موت کی سزا سنا دی گئی۔ لیکن ۱۱۴۲ء میں وہ عذر داری کے لئے روم جا رہا تھا کہ راستہ میں فوت ہو گیا۔ ۱۸۱۷ء میں اس کا اور ہیلواز کا مقبرہ پیرس میں بنا دیا گیا۔

۲۔ ہنگ مار Hincmar (۸۰۶ء۔ ۸۸۲ء) رائمین کا آرک بشپ اور اپنے زمانہ میں سیاسی اور مذہبی معاملات میں نہایت ممتاز تھا۔ اس نے (جرمن راہب) گوٹ شوک Gotts Chalk کے پیش کردہ مسئلہ جبر کی تردید کی۔ بعض مذہبی مباحث سے تحریک پر کر اس نے کئی کتابیں تصنیف کیں۔

۳۔ ایری جینا Erigena (۸۱۵ء۔ ۸۷۷ء) عہد وسطیٰ کا فلسفی اور ماہر دینیات اور آئر لینڈ کا رہنے والا تھا۔ غالباً نسلاً اسکاٹ لینڈ سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ملائے جس طور پر وہ یورپی لوگ ان کی اشاعت کر رہے تھے۔ جو عربی جامعات میں زیر تعلیم تھے۔ اور جان اری جینا نے ماہیئت اشیا پر ایک کتاب لکھی جس میں بتایا گیا تھا کہ ابتداءً جملہ اشیاء ذاتِ خداوندی میں مرتکز تھیں، اور اسی سے ان اشیاء کا ظہور ہوا۔ لہٰذا آخر میں ان کو اسی ذاتِ واحد میں مدغم ہو جانا ہے، اور یہ کہ سوائے ذاتِ خداوندی کے کسی چیز کو ہمیشگی اور دوام نہیں۔ (۱)

جان اری جینا کے بعد اس کا شاگرد برنجر (۲) باشندہ ٹورس (جو قرآنی

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) تعلق تھا۔ اس کو چارلس دی بالڈ نے فرانس بلا کر کورٹ اسکول کا سربراہ مقرر کیا۔ بعد ہ رائین کا آرک بشپ بنا دیا گیا۔ فطرت کی وحدت کا قائل تھا اور اس نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں۔

۱۔ اسلامی عقیدہ توحید ہے۔ اس عقیدہ کے مطابق معبود صرف ایک ہے۔ اور وہ ذات خداوندی ہے۔ وہی ہر شئے کا خالق ہے۔ اس کی ذات قدیم ہے۔ اس کے علاوہ ہر چیز حادث ہے۔ وہ حی لایموت ہے۔ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ قرآن کریم میں طرح طرح سے اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے۔ ایک جگہ واضح طور پر بتایا گیا ہے ''کل شیء ھالک الا وجھہ لہ الحکم والیہ ترجعون'' (سوائے ذاتِ خداوندی کے ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔ اسی کی حکمرانی ہے اور سب کو لوٹ کر اسی کی طرف جانا ہے)۔ ظاہر ہے اس عقیدہ کو ماننے سے عقیدۂ مثلیث باطل قرار پاتا ہے۔ اسی لئے کلیسائی حلقہ نے جان اری جینا کو یہ عقیدہ رکھنے کی وجہ سے ملحد قرار دیا گیا۔

۲۔ برنجر Berencer جس کو لاطینی میں ہجی یس Berengarius کہا جاتا ہے۔ فرانس کے مشہور شہر ٹورس میں پیدا ہوا۔ اسی لئے اس کی شہرت برن رڈ ٹور- Bere-nejer De Tours کے نام سے ہے۔ وہ ۹۹۸ء میں پیدا ہوا اور ۱۰۸۸ء میں مرا۔ فرانسیسی کلیسا کا عمدہ دار تھا۔ ۱۰۴۵ء میں اس نے استحالۂ عشائی اور حضور حقیقی کے عقیدوں کی سخت مخالفت کی جس کی وجہ سے اس کو ملحد قرار دے دیا گیا۔ آخر میں تائب ہو کر باقی زندگی راہب کی حیثیت سے گزار دی۔

تہذیب کا ایک نہایت جوشیلا مبلغ تھا) ۱۰۵۰ء میں منظر عام پر آیا۔ جس کی آرا کو ریڈبرٹ اور کیے بعد دیگرے کئی متشدد لوگوں نے رد کیا۔ اس کی بناء پر برینجر کو موت یا توبہ میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کو کہا گیا۔ اس نے سمجھ داری سے کام لے کر مؤخرالذکر کو ترجیح دی اور اس طرح وہ اپنے عقوبت رساں لوگوں کے ہاتھوں سے اپنی جان چھڑا لے گیا۔

انجام کار قرآنی اصول، اعلیٰ کلیسائی حلقوں میں بھی تسلیم کئے جانے لگے۔ اور نوبت بہ اینجار سید کہ پوپ گریگوری (۱) نے ان ہی قرآنی اصولوں کو نجی طور پر اختیار کرلیا جو اس طرح رد کئے جا چکے تھے۔

پیر ابھی لارڈ کے غور و فکر کے لئے کوئی موضوع اتنا زیادہ غامض اور مقدس نہیں تھا۔ جتنا کہ یہ فلسفہ،

"تخلیق عام سے پہلے سوائے ذاتِ خداوندی کے اور کوئی ہستی موجود نہیں تھی۔ اور جملہ اشیاء کی علتیں اسی ذات میں مرتکز و مجتمع تھیں۔"

ابھی لارڈ نے ۱۱۴۰ء میں حالتِ مراقبہ ایک مسلمان کے سے تیقن کے ساتھ کہا۔

"سوائے ذاتِ خداوندی کے اور کسی کو ہمیشگی اور دوام نہیں۔"

۱۔ گریگوری ششم Gregory VI (ف ۱۰۴۸ء) اس کا اصلی نام جان گریشیانس Johannes Gratianus تھا۔ ۴۶۔۱۰۴۵ء میں پوپ کے عہدے پر فائز رہا۔ اینٹی پوپ سلویسٹر سوم Antipope Sylvester III نے ۱۰۴۵ء میں اس کی مخالفت کی۔ اس پر یہ الزام عائد کیا گیا کہ اس نے بینی ڈکٹ نہم سے رئیس کلیسا کا عہدہ خریدا تھا۔ جرم ثابت ہوا۔ اسے عہدے سے برطرف کر کے ۱۰۴۶ء میں جلا وطن کر دیا گیا۔ پیدا جرمنی میں ہوا تھا۔ لہٰذا جلاوطنی کا زمانہ بھی وہیں گزرا۔ بقول شاعر ؎

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

كل من عليه فان ويبقىٰ وجه ربك ذوالجلال والاكرام ابھی لارڈ نے قرآن کریم کے ذریعہ ذاتِ خداوندی کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کر کے تمام عیسوی عقیدہ کو باطل کر دیا ہے۔ وہ بہ انداز خود ستائی کہتا ہے کہ "میرے خود روم کے اندر" کالج آف کارڈی ٹلس "تک میں بھی شاگرد موجود ہیں۔" لہٰذا یہی مناسب موقع ہے کہ اس کو پاپائی اقتدار کے ذریعہ خاموش کیا جائے۔

"ابھی لارڈ کی عقیدہ تثلیث سے روگردانی اتنی عام استدلال کی وجہ سے نہیں ہے۔ جتنی قرآنی عقیدہ علت کی بنیاد پر ہے۔ جس نے اس کے عقوبت سے گزرنے کو یقینی بنا دیا۔ ابھی لارڈ اپنی کتاب بہ عنوان Sic Etnon میں پادریوں کی متضاد آرا کو پیش کرتا اور "بڑے اصولی نکات" سے متعلق ان کے جھگڑے اور تنازع کو نمایاں کرتا ہے۔ اور اس طرح اس امر کی نشاندہی کر دیتا ہے کہ گرجا میں کتنا کم اتحاد ہے"

تقدس مآب پطرس کا اعتراف:

متکلمانہ فلسفہ (علم الکلام) کی ترقی میں سرعتِ رفتار مسلمانوں کی شاندار مثالوں سے پیدا ہوئی۔ جنہوں نے اپنی طبعی علوم میں تحقیقات سے پہلے ہی ایک ایسا مرحلہ طے کرنا شروع کر دیا تھا۔ جس کے درخشاں نتائج برآمد ہونے والے تھے۔

سلطنت اسلامیہ کی جامعات کلیسائیوں اور طلبہ سے، جو یورپ کے بہت سے حصوں سے آئے تھے، بھری ہوئی تھیں۔ تقدس مآب پطرس جو ابھی لارڈ کا دوست اور مربی تھا اور جس نے بہت سا وقت جامعہ قرطبہ میں گزارا تھا، نہ صرف عربی روانی سے بول لیتا تھا بلکہ فی الحقیقت قرآن کا ترجمہ لاطینی میں کر لیتا تھا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ "میں جب شروع شروع جامعہ میں آیا

تو میں نے بڑی تعداد میں علماء کو ایسے شعبہ جات میں اسلامی علوم کا مطالعہ کرتے ہوئے پایا جن میں انگلستان سے آئے ہوئے لوگ بھی شامل تھے۔ قرآنی علوم و فنون جامعہ پیرس میں اسکولوں میں چھائے ہوئے تھے اور وہاں سے دوسرے شہروں میں پھیل رہے تھے۔

قرآن مجید اور اس کے قوانین کے متعلق
مفکرینِ یورپ کے افکار و خیالات

ابتداء میں کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوانہ ہونے کا الزام لگاتے تھے۔ اب یہ دیکھتے ہوئے کہ لوگ آہستہ آہستہ لیکن یقینی طور پر آپ ﷺ کی آواز پر لبیک کہہ رہے ہیں اور یہ کہ ان کے اپنے کچھ عزیزوں نے حضرت محمد ﷺ کا پیغام قبول کرنا شروع کر دیا ہے اور یہ کہ ایمان لانے والے معاشرہ کے باعزت افراد ہیں۔ انہوں نے دیوانگی کے الزام کو سحر زدگی کے الزام میں بدل دیا۔ وہ الزام دینے لگے کہ محمد ﷺ قرآنی آیات کو خوش الحانی سے تلاوت کر کے لوگوں کو سحر زدہ کر رہے ہیں۔

اس نئے الزام سے عہدہ برآ ہونے سے پہلے میں تھامس کارلائل Thomas Carlyle کی شہادت کی نشاندہی کروں جو اس نے محمد ﷺ کے دفاع میں گزشتہ صفحات میں دی گئی تقریر میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ کافروں کے الزام کی تردید میں کی تھی۔

"Forger and juggler. no no! this great fiery heart, seething, simmering like a Great Furnance of Thoughts, was not a juggler`s".

"جعل ساز، شعبدہ باز؟ نہیں ہرگز نہیں! اس عظیم ہستی کا پُرسوز دل خیالات کی ایک بڑی بھٹی کی مانند گرما رہا تھا،

اور چھُک رہا تھا۔ وہ ایک شعبدہ باز ہرگز نہیں تھا۔"

مکہ کے ضعیف الاعتقاد کافر جو ربانی ہدایت کو سمجھنے سے قاصر تھے وہ ان مردوں اور عورتوں پر جو اس سے پیشتر جانوروں کی سی زندگی بسر کرتے تھے۔ اس کلام کے محیّر العقول اثرات کو سمجھانے کے لئے جواز تلاش کر رہے تھے اور اسے جادو اور سحر سے تعبیر کر رہے تھے۔ کیونکہ وہ اسی عہد، زمانہ اور ماحول کی پیداوار تھے۔

لیکن وہ الزام جو سورۃ مدثر کی آیت ۲۵ میں ہے۔ بہت سنگین ہے۔ اور وہ بیماری جو کافروں کو نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں تھی وہ آج بھی اسلام کے غیر مسلم دوستوں، جو ہمدرد اور پُرخلوص بھی ہیں، کے ذہنوں میں موجود ہے، حتیٰ کہ تھامس کارلائل Thomas Carlyle بھی اس تعصب سے بری نہیں۔ تواتر کے ساتھ یہ بیماری یا انحراف قرآن کی تصنیف کو محمد ﷺ سے منسوب کرنے کی وجہ سے ہے۔ محمد ﷺ کا دعویٰ ہے کہ قرآن کے الفاظ آپ ﷺ کو وحی کے ذریعہ ملتے ہیں لیکن دشمن کہتے ہیں کہ!

ان ھذآ الا قول البشر O

یہ کچھ نہیں بلکہ بشر کا کلام ہے۔ (۱)

دوسرے لفظوں میں کافر یہ کہتے ہیں کہ یہ محمد ﷺ ہی ہیں جنہوں نے یہ قرآن گھڑ لیا ہے۔ یہی ہیں جو اپنے کلام کو اللہ کا کلام کہہ کر پیش کرتے ہیں۔ اور یہ کہ انہوں نے یہ کتاب خود تصنیف کر لی ہے۔ یا خود گھڑ لی ہے یا اختراع کر لی ہے گویا جعل سازی کی ہے۔ (نعوذ باللہ)، نقل کفر، کفر نہ باشد، شاید انہوں نے گمان کر لیا ہے کہ آپ ﷺ نے اس کتاب (قرآن) کو یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں سے نقل کر لیا ہے۔

۱۔ سورۃ المدثر آیت نمبر ۲۵،

(۱) ان غیر مسلم نقادوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ جو دانستہ یا نادانستہ اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ قرآن کریم محمد ﷺ کا لکھا ہے۔

﴿۱﴾...... گبن Gibbon ایک جید تاریخ دان، اپنی کتاب

"Decline and Fall of Roman Empire"

"سلطنت رومہ کا زوال اور خاتمہ" میں اسلام اور قرآن پر اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے۔"

"The Creed of Mohammad is Free-From The Suspicions of Ambiguity, And The Quran is a Glorious testimony to the Unity of God."

"محمد ﷺ کا مسلک ابہام کے شبہات سے پاک ہے اور قرآن مجید خدا کی وحدانیت پر ایک شاندار دلیل ہے۔"

اور اس کے باوجود یہ بطل جلیل ایک کافر کی حیثیت سے مرا۔

﴿۲﴾...... تھامس کارلائل Thomas Carlyle گزشتہ صدی کے عظیم ترین مفکروں میں سے ایک مفکر اپنی کتاب "مشاہیر اور مشاہیر پرستی" Heroes and Hero Worship میں "نبی بحیثیت ہیرو" کے زیر عنوان حضرت محمد ﷺ کے پیغام پر پکار اٹھا۔

"The Word of Such A Man is a voice direct from nature's own heart. Men do and must listen to that as to nothing else."

All else is wind in comparison.

”ایسے شخص کا کلام ایک ایسی آواز ہے جو براہ راست فطرت کے اپنے دل سے نکلی ہوئی ہو۔ لوگوں کو چاہئے کہ وہ صرف یہی کلام سنیں۔ تمام دوسرے کلام اس کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔“

دوسرے لفظوں میں یہ کہ جو کچھ بھی یہ شخص (محمد ﷺ) کہہ رہے ہیں ان کے مقابلہ میں باقی سب مہملات کے مانند ہیں۔ یہ عظیم مفکر بھی انگلستانی کلیسا کے عیسائی کی حیثیت سے مرا۔

﴿۳﴾...... ریویرنڈر۔ آر بوس ورتھ اسمتھ Reverend R Bosworth Smith ایک عیسائی مبلغ اپنی کتاب Mohammad and Mohammedanism ”محمد ﷺ اور اسلام“ میں محمد ﷺ اور قرآن کے بارے میں یہ ماننے پر مجبور ہوا کہ!

"Illiterate Himself, Scarcely Able to Read or Write.
He was yet the author of a book, which is a poem, a code of laws, a book of common prayers, and a bible. all in one. and is reverenced to this day by a sixth of the whole human race as a miracle of purity of style. of wisdom and of truth it is the one miracle claimed by mohammed, his standing miracle he called it, and a miracle indeed it is!"

"وہ (محمد ﷺ) خود اُمّی تھے۔ مشکل ہی سے لکھ پڑھ سکتا تھا۔ اس کے باوجود وہ ایک کتاب کا مصنف ہے جو ایک نظم ہے، مجموعۂ احکام ہے۔ عام دعاؤں کی ایک کتاب ہے ایک صحیفہ ہے اور یہ سب کچھ ایک ہی میں ہے۔ تمام موجود نسل انسانی کے چھٹے حصہ میں آج بھی واجب الاحترام ہے۔ پاکیزگی اسلوب، حکمت اور صداقت کا ایک معجزہ، یہی ایک معجزہ ہے جس کا محمد ﷺ نے دعویٰ کیا ہے۔ اس کا قائم معجزہ جیسا کہ اس نے کہا ہے اور حقیقتاً یہ ایک معجزہ ہے"۔

اور اس کے باوجود وہ ایک مقلّد حیثیت کی حیثیت سے مرا۔

﴿۴﴾...... لامارٹن La Martine فرانسیسی مؤرخ اپنی کتاب "History of the Turks" "ترکوں کی تاریخ" میں بطور لُبِ لُباب ان الفاظ میں محمد ﷺ کو شاندار خراج عقیدت پیش کرتا ہے۔

"Philosopher, orator, apostle, legislator, warrior, conqueror of ideas, The restorer of rational beliefs, of a cult without images, the founder of twenty terrestrial empires and one spiritual empire...... that is Mohammad, With regards all standards whereby human greatness may be measured we may well ask, is there any man greater than he no man is greater than he! Mohammad is indeed the greatest"!

"فلسفی، مقرر، پیغمبر، قانون ساز، سپاہی، افکار کا فاتح، عقلی دلائل پر اعتماد حال کرنے والا، بتوں سے پاک دین، بیس ارضی مملکتوں اور ایک روحانی مملکت کا بانی۔ یہ ہیں محمدؐ تمام ان اجتماعی معیاروں کے ساتھ جس سے انسانی عظمت کو ناپا جاسکتا ہے۔ ہم یہ پوچھ سکتے ہیں۔ کیا آپؐ سے بھی کوئی عظیم تر انسان ہو سکتا ہے؟"

لا۔ مارٹن نے اس سوال کا اپنے سوال میں خود ہی جواب دے دیا ہے!

"کوئی شخص ان سے عظیم تر نہیں"

"محمد ﷺ حقیقتاً عظیم ترین ہیں۔"

اور اس کے باوجود یہ عالی مرتبت فرانسیسی اسلام کے دائرہ سے باہر ہی مرا۔

﴿۵﴾..... جولس میسر مین Jules Masserman ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا ماہر نفسیات ٹائم میگزین Time Magazine کی اشاعت بابت ۱۵ جولائی ۱۹۷۴ء کے حصہ خصوصی کے ایک مضمون "Where Are The Leaders?" "ہادی کہاں ہیں" میں تاریخ کی متعدد بڑی شخصیات کا تجزیہ کرنے کے بعد نتیجتاً لیکن حتمی طور پر یہ اخذ کرتا ہے۔

"Perhaps the greatest leader of all times was Mohammad"

"محمد ﷺ تمام زمانوں کے عظیم ترین ہادی تھے۔"

زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ ایک یہودی ہوتے ہوئے اس نے اپنے خود کے ہادی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو متصل دوسرے نمبر پر رکھا۔ حضرت

عیسیٰ علیہ السلام اور مہاتما گوتم بدھ کو اس نے اپنے معروضی معیار کے مطابق قدرے بہتر قسم کا ہادی قرار دیا۔(۱)

(۶)...... مائیکل۔ ایچ۔ ہارٹ Michael H. Hart جو ایک امریکن ہیئت دان، تاریخ دان اور ریاضی دان بیان کیا جاتا ہے۔ اس نے ابھی ۵۷۱ صفحات کی ایک کتاب شائع کی ہے۔ جس کا نام "The 100"

The Top 100 "The Greatest 100 in Hpstory"

"سو" "چوٹی کے سو" "تاریخ کے عظیم ترین سو" رکھا ہے۔ اس نے آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک کی تاریخی شخصیات مردوں اور عورتوں کا تجزیہ کرنے کے بعد تاریخ کی ایک سو بہت زیادہ اثر انداز شخصیات کا انتخاب کیا ہے۔ اس میں حضرت محمد ﷺ کو اپنی ایک سو شخصیات میں سب سے اونچا مقام دیا ہے۔ اس کی اس فہرست کی عجیب بات یہ ہے کہ اس نے اپنے نبی اور نجات دہندہ مسیح علیہ السلام کو تیسرے درجہ پر رکھا ہے۔

ہم متعدد دوسرے غیر مسلم روشن خیال حضرات جیسے جارج برنارڈ شا George Bernard Shaw جان ڈیون پورٹ John Davenport وغیرہ کے ناموں کا اضافہ کر سکتے ہیں۔ جنہوں نے اللہ کے اولوالعزم پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو بے دریغ وافر خراج ہائے عقیدت نذر کئے، یہ کہہ کر کہ "محمد ﷺ لاکھوں میں ایک تھے"، "وہ تاریخ کی عظیم ترین شخصیات تھی"، "وہ تمام مذہبی شخصیات میں کامیاب ترین فرد تھے"

---

(۱) اس پورے حوالہ کے لئے اور اس معیار کے لئے جو اس شکاگو یونیورسٹی کے پروفیسر نے اختیار کیا، مہربانی فرما کر اس کے کتابچہ

"What the bible says about Mohammad"

حضرت محمد ﷺ کے بارے میں بائبل کیا کہتی ہے کا مطالعہ فرمائیں۔

اور یہ کہ "شاید قیامت تک دوسرا اس کا ثانی پیدا نہیں ہو سکے گا۔" یہ اور اس جیسی بہت سی باتیں آپ ﷺ کے لئے صحیح ہیں۔ لیکن ان تمام خراج عقیدت نے مسلمانوں کے لئے ایک مسئلہ پیدا کر دیا ہے۔ "پھر یہ لوگ ان کی پیروی کیوں نہیں کرتے۔" "یہ اسلام کیوں قبول نہیں کرتے۔"

میرا یہ خیال تھا کہ یہ غیر مسلم ریاکار ہیں۔ لیکن میں نے ان کے متعلق غلط فیصلہ کیا۔ قرآن کے جدید ترین انکشاف کی روشنی میں میں نے ان بڑے لوگوں کے متعلق اپنا نقطۂ نظر بدل لیا ہے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ مندرجہ بالا کچھ لوگوں نے محمد ﷺ کو اپنے پیغمبروں اور رہنماؤں سے بلند مقام پر رکھا تھا۔ وہ اسلام قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ کیونکہ ان کے ذہنوں کے پیچھے یہ یقین کارفرما تھا کہ یہ محمد ﷺ ہی ہیں جنہوں نے اسلام دیا اور یہ کہ یہی ہیں جو قرآن کے مصنف تھے۔ مندرجہ بالا لکھنے والوں میں سے بعض نے صریحاً ایسا کہا اور بعض نے لطیف پیرائے میں کنایتاً کہا۔ لیکن مجموعی طور پر ہر ایک یہ سمجھتا ہے کہ محمد ﷺ کی کامیابی ان کی اپنی بشری ذہانت کی وجہ سے تھی۔

تعریفوں کی اس فہرست میں جدید ترین مائیکل۔ ایچ۔ ہارٹ Michel H. Hart کی تعریف ہے یہ بات کہنے کے بعد کہ تاریخ میں آپ سب سے زیادہ بااثر شخصیت ہیں۔ دینی اور دنیاوی دونوں میدانوں میں۔ اپنے مقالہ میں اس نے اپنے قطعی فیصلہ کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی۔ ایسا کرتے ہوئے اس نے اپنی کتاب کے ۳۹ ویں صفحہ پر صاف صاف کہا ہے کہ اس کے اسلام قبول نہ کرنے کے تحت الشعوری اسباب کیا ہیں۔

"Moreover, He is the author of the moslem holy scriptures, The Koran: A collection of Mohammed's insights

that me believed had been directly revealed to him by Allah."

"وہی (محمد ﷺ) مسلمانوں کے صحیفۂ مقدس "القرآن" کے مصنف ہیں۔ اس میں محمد ﷺ کی بصیرت کے کچھ مجموعے ہیں جن کے متعلق آپ ﷺ کا یہ یقین تھا کہ وہ براہ راست اللہ کی طرف سے ان پر وحی کیے گئے ہیں۔"

اس طرح یہاں ان حضرات کے اسلام کو حیثیت اللہ کے دین کو قبول نہ کرنے کی کڑیاں ملتی ہیں۔

من یضلل اللہ فلا ھادی لہ

اب دیگر محققین کے افکار بھی ملاحظہ فرمائیے۔

ڈاکٹر راڈویل :

ڈاکٹر راڈویل دیباچہ قرآن میں لکھتے ہیں :

"قرآن مجید انتہائی گہری سچائی ہے، جو الفاظ میں بیان کی گئی ہے اور باوجود مختصر ہونے کے قوی اور صحیح رہنمائی والہامی حکمتوں سے معمور ہے۔"(۱)

قرآن تمدن کا جھنڈا اُڑاتا ہے :

ڈاکٹر ہٹلر کہتے ہیں :

"اسلام کی بنیاد قرآن پر ہے جو تمدن کا جھنڈا اُڑاتا ہے، اور تعلیم دیتا

۱۔ دیباچہ قرآن، ماخذ تاریخ القرآن۔

ہے کہ انسان جو نہ جانتا ہو اس کو سیکھے۔ استقلال، استقامت، عزت نفس لازمی ہیں۔ اس کی خصوصیات میں شائستگی، اور تمدن کی سب سے بڑی بنیاد ہے۔" (۱)

وہ آداب واصول جو فلسفۂ حکمت پر قائم ہیں

ان میں کوئی ایسا جز نہیں جو قرآن مجید میں نہ ہو:

موسیو سیدیو تحریر کرتے ہیں:

"وہ آداب واصول جو فلسفۂ حکمت پر قائم ہیں جن کی بنیاد عدل و انصاف پر ہے جو دنیا کو بھلائی انصاف کی تعلیم دیتے ہیں۔ ان میں سے ایک جز بھی ایسا نہیں جو قرآن میں نہ ہو۔ قرآن اعتدال و میانہ روی کا راستہ سکھاتا، گمراہی سے بچاتا، اخلاقی کمزوریوں سے نکال کر فضائل کی روشنی میں لاتا، انسانی زندگی کے نقائص کو کمالات سے بدل دیتا ہے۔" (۲)

قرآنی احکام عقل وحکمت کے مطابق ہیں:

برٹش انسائیکلوپیڈیا:

"قرآن کے احکام عقل و حکمت کے مطابق واقع ہوئے ہیں۔ اگر انسان چشم بصیرت سے انہیں دیکھے تو وہ ایک پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے کفیل ہو سکتے ہیں۔" (۳)

۱۔ ادب العرب، مأخذ تاریخ القرآن،

۲۔ ادب العرب، مأخذ تاریخ القرآن

۳۔ مأخذ تاریخ القرآن،

قرآنی دستور مکمل ہے انسانی حیات کیلئے

اُس کے اندر سب کچھ موجود ہے:

جان ڈیون پورٹ دی گریٹ ٹیچر میں تحریر کرتے ہیں:

''حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد دنیا کی اخلاقی حالت تباہ ہو گئی تھی۔ ہر طرف جہالت کی گھٹائیں چھا رہی تھیں، ہر سمت بے چینی، بدامنی کے شرارے بلند تھے، پتھروں کو قابلِ پرستش سمجھا جاتا تھا۔ فحش باتوں سے قطعاً پرہیز نہیں کیا جاتا تھا۔ ان حالات میں حضرت محمد ﷺ پیدا ہوئے۔ اور ۶۱۱ء میں انہوں نے قرآن کریم کی اشاعت کی یہ ایک آسان اور عام فہم مذہبی قانون ہے۔ جس میں انسانی زندگی کی اصلاح کے لئے سب کچھ موجود ہے۔ اس کی ایک امتیازی شان یہ ہے کہ اس کی تعلیمات فطرتِ انسانی کے مطابق ہیں۔ اس مذہبی قانون نے ایک طرف روح کی اصلاح کے لئے ہدایت کی، دوسری طرف دنیوی ترقی کے بیش بہا اصول مرتب کئے۔''(۱)

قرآن مجید نے دنیا کو علوم وفنون سکھائے

وحشیوں کو پرہیز گار بنادیا:

مسٹر اسٹین پی لین پول، گائیڈنس آف ہولی قرآن میں لکھتے ہیں۔

''قرآن کو حضرت محمد ﷺ نے ایسے نازک وقت میں دنیا کے سامنے

۱۔ دی گریٹ ٹیچر، ماٰخذ تاریخ القرآن،

پیش کیا جبکہ ہر طرف تاریکی، جہالت کی حکمرانی تھی۔ اخلاق انسانی کا جنازہ نکل چکا تھا۔ بت پرستی کا ہر طرف زور تھا۔ قرآن نے ان تمام گمراہیوں کو مٹایا۔ جن کو دنیا پر چھائے ہوئے مسلسل چھ صدیاں گزر چکی تھیں۔ قرآن نے دنیا کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی۔ اصول مذہبیت علوم و حقائق سکھائے۔ ظالموں کو رحمدل وحشیوں کو پرہیزگار بنایا۔ اگر یہ کتاب شائع نہ ہوتی تو انسانی اخلاق تباہ ہو جاتے اور دنیا کے باشندے برائے نام انسان رہ جاتے۔" (۱)

قرآن مجید مکمل قانون ہے جس میں انسانی زندگی کی ہر شاخ کے لئے ہدایات ہیں:

پروفیسر ہربرٹ وائل:

"قرآن جو اخلاقی ہدایتوں، دانائی کی باتوں سے بھرا ہوا ہے۔ ایسے وقت میں دنیا کے سامنے پیش ہوا۔ جبکہ ہر طرف جہالت کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ زمین پر ایسی کوئی جگہ نہ تھی جہاں نیکیوں کا رواج ہو، اور کوئی جماعت ایسی نہ تھی جو سیدھے راستہ پر چلتی ہو۔ قرآن نے عالم انسانیت کی زبردست اصلاح کی وحشیوں کو انسان کامل بنادیا۔ جن اشخاص نے اس کے مضامین پر غور کیا ہے وہ اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ وہ ایک مکمل قانون ہدایت ہے۔ انسانی زندگی کی کوئی بھی شاخ لے لیجئے، ناممکن ہے کہ اس شعبہ میں اس کی تعلیمات رہنمائی نہ کرتی ہوں، میرا خیال ہے کہ اگر اس کی تعلیمات پر عمل کیا جائے تو ایک سمجھدار آدمی بیک وقت دنیوی اور روحانی ترقی کر سکتا ہے، گر

۱۔ نائیڈنس آف ہولی قرآن، ماخذ تاریخ القرآن،

ان اخلاق کو لے لیجئے جو شرف انسانیت ہیں۔ مثلاً راست بازی، پرہیزگاری، رحم و کرم، عفت و عصمت، قرآن میں یہ سب ہدایتیں موجود ہیں اور اگر ان اخلاق کو لیجئے جن کا تعلق دنیوی ترقی سے ہے مثلاً محبت، شفقت، عزم و استقلال، جرأت، شجاعت تو ان ہدایتوں سے بھی قرآن معمور ہے۔ بہر کیف وہ ایک حیرت انگیز قانون ہدایت ہے۔" (۱)

قرآن مجید شرائع و قوانین کی انسائیکلوپیڈیا ہے:

ڈاکٹر موریس فرانسیس کہتے ہیں:

"یہ کتاب (قرآن) تمام آسمانی کتابوں پر فائق ہے بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ قدرت کی ازلی عنایت نے انسان کے لئے جو کتابیں تیار کی ہیں، ان سب میں بہترین کتاب ہے۔ اس کے نغمے انسان کی خیر و فلاح کے متعلق فلاسفۂ یونان کے نغموں سے کہیں اچھے ہیں۔ خدا کی عظمت سے اس کا حرف حرف لبریز ہے۔ قرآن علما کے لئے ایک علمی کتاب، شائقین علم لغت کے لئے ذخیرہ، لغات، شعراء کے لئے عروض کا مجموعہ، اور شرائع و قوانین کا عام انسائیکلوپیڈیا ہے۔ یہ کتاب ہوتے ہوئے کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی فصاحت و بلاغت سارے جہاں سے اسے بے نیاز کئے ہوئے ہے۔ یہ بات واقعی ہے اور اس کی واقفیت کی بڑی دلیل یہ ہے کہ بڑے بڑے انشاپردازوں، شاعروں کے سر اس کتاب کے آگے جھک جاتے ہیں۔ اس کے عجائبات روز بروز نئے نکلتے ہیں۔ اور اس کے اسرار

---

(۱) لکچر ان اسلام، تاریخ القرآن،

کبھی ختم نہیں ہوتے۔" (۱)

علوم فلکیات، طب، ریاضی، فلسفہ قرآن نے سکھائے:

پروفیسر ڈیوپوٹ لائف آف محمد ﷺ انکس لوازن حصہ اول ص ۳۵ میں تحریر کرتے ہیں:

"ہم پر واجب ہے کہ ہم اس امر کا اعتراف کریں کہ علوم طبیہ فلکی فلسفہ ریاضی وغیرہ جو قرن دہم میں یورپ تک پہنچے وہ قرآن سے مقتبس اور اسلام کی بدولت ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے باوجود اُمّی ہونے کے ایک ہی وقت میں تین عظیم مقاصد قومیت، دیانت، شہنشاہیت، کی بنیاد ڈالی۔ اس کے علاوہ ایک ایسی کتاب دنیا کے سامنے پیش کی جو بلاغت کا زبردست نشان، شریعت کا واجب العمل دستور اور دین و عبادات کا قابل یقین فرمان ہے، یہ وہ مقدس کتاب ہے جو اس وقت دنیا کے آدھے حصہ میں معتبر اور مسلم سمجھی جاتی ہے۔ اس کی انشاء و حکمت کو معجز نما مانا جاتا ہے۔ قرآن مجید ایک معجز نما کتاب ہے۔" (۲)

قرآن مجید ایک لازوال معجزہ ہے جو مُردوں کو زندہ کرتا ہے:

ڈاکٹر سیل:

"قرآن انتہائی لطیف و پاکیزہ زبان میں ہے اس کتاب سے ثابت ہو

۱۔ تاریخ القرآن

۲۔ حوالہ لائف آف محمد ﷺ انکس، لازن حصہ اول ص ۳۵۔

ہے کہ کوئی انسان اس کی مثل نہیں لا سکتا یہ لازوال معجزہ ہے۔ جو مُردہ زندہ کرنے سے بہتر ہے۔"(۱)

قرآن مجید کے مضامین ہمہ گیر اور ہر زمانہ کے لئے موزوں ہیں:

ڈاکٹر سموئیل جانسن:

"قرآن کے مطالب ایسے ہمہ گیر اور ہر زمانہ کے لئے اس قدر موزوں ہیں کہ زمانہ کی تمام صدائیں خواہ مخواہ اس کو قبول کر لیتی ہیں اور وہ محلوں، ریگستانوں، شہروں، سلطنتوں میں گونجتا پھرتا ہے۔"(۲)

قرآن مجید علوم طبعی سے موافقت رکھتا اور مذاہب کے ساتھ انصاف، رواداری سکھاتا ہے:

گستؤلیبان:

"قرآن کی تعلیم علوم طبعی سے موافقت رکھتی ہے، اس کا اثر یہ ہے کہ وہ انسان کے اخلاق کو نرم اور انسان میں نیکی وانصاف مذاہب کے ساتھ رواداری پیدا کرتی ہے۔"(۳)

۱۔ تاریخ القرآن،

۲۔ مأخذ تاریخ القرآن،۰

۳۔ مأخذ اسوۃ النبی ﷺ ص ۳۲۔

قرآن مجید کے احکام عقل و حکمت کے مطابق ہیں :

پاپولر انسائیکلوپیڈیا :

"قرآن کی زبان بلحاظ لغتِ عرب نہایت فصیح ہے اس کی انشا کی خوبیوں نے اب تک اسے بے نظیر ثابت کیا ہے۔ اس کے احکام اس قدر عقل و حکمت کے مطابق ہیں کہ اگر انسان انہیں چشم بصیرت سے دیکھے تو وہ ایک پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے لئے کفیل ہو سکتے ہیں۔"(۱)

قرآن مجید نے ظالموں کو رحمدل، جاہلوں کو عالم بنادیا :

مسٹر تھامس کارلائل :

"قرآن ایک آسان عام فہم مذہبی کتاب ہے۔ یہ ایک ایسے وقت میں دنیا کے سامنے پیش کی گئی جبکہ طرح طرح کی گمراہیاں مغرب سے مشرق شمال سے جنوب تک پھیلی ہوئی تھیں، انسانیت، شرافت، تہذیب و تمدن کا نام مٹ چکا تھا۔ ہر طرف بے چینی، بدامنی، نظر آتی تھی، نفس پروری کی ظلمتوں کا طوفان آچکا تھا۔

قرآن نے اپنی تعلیمات سے امن و سکون، محبت کے جذبات پیدا کئے، بے حیائی کی تاریکیاں مٹ گئیں، ظلم کا بازار ٹھنڈا ہو گیا۔ ہزاروں گمراہ راہ راست پر آگئے۔ بے شمار وحشی شائستہ بن گئے۔ اس کتاب نے دنیا کی کایا پلٹ دی۔ جاہلوں کو عالم، ظالموں کو رحمدل، عیش پرستوں کو پرہیز گار بنادیا۔"(۲)

۱۔ پاپولر انسائیکلوپیڈیا

۲۔ دی پاپولر ریجن آف دی ورلڈ

اسلامی شریعت اعلیٰ درجہ کے عقلی احکام کا مجموعہ ہے:

برٹش انسائیکلوپیڈیا:

''شریعتِ اسلام نہایت اعلیٰ درجہ کے عقلی احکام کا مجموعہ ہے۔ قرآن میں قوانین دیوانی، فوجداری، باہمی سلوک، مسائل نجاتِ روح۔ رعایا کے شخصی حقوق، نفع رسانی خلائق پر قرآن حاوی ہے۔''(۱)

اسلامی قانون ہر زمانہ میں رائج ہو سکتا ہے:

مسٹر وائل مصنف ہسٹری آف دی اسلامک پیپل:

''رسول کریم ﷺ نے مسلمانوں کو ایسے مذہب کے شیرازہ میں منسلک کر دیا جس میں صرف خدائے واحد کی پرستش اور ابدی نجات کی تعلیم تھی، اور مکمل شریعت سے بہرہ اندوز کیا اور اس قانون کا عامل بنا دیا جو ہر زمانہ میں یکساں منفعت کے ساتھ نافذ و رائج ہو سکتا ہے۔''(۲)

قرآن مجید کا جہاں سایہ پڑا جرائم کاریاں مٹ گئیں:

ڈاکٹر ایزک ٹیلر:

''افریقہ کے جن وحشی مقامات پر اسلام کا سایہ پڑا وہاں سے زنا قمار بازی، دختر کشی، عہد شکنی، قتل و غارت گری، وہم پرستی، شراب

۱۔ بائیالوجی فار محمد ﷺ اینڈ قرآن

۲۔ ہسٹری آف دی اسلامک پیپل،

خوری ہمیشہ کے لئے جاتی رہی، مگر اس ملک کے دوسرے حصے
کسی غیر مذہب نے قدم جمایا تو ان لوگوں کو رذائل مذکورہ بالا میں اور
زیادہ راسخ کر دیا۔"(۱)

قرآن مجید کسی مذہب کے مسائل میں دست اندازی نہیں کرتا:

اڈورڈ گبن مشہور مؤرخ:

"اسلام نے کسی مذہب کے مسائل میں دست اندازی نہیں کی، کسی
کو ایذا نہیں پہنچائی، کوئی مذہبی عدالت خلاف مذہب والوں کو سزا
دینے کے لئے قائم نہیں کی۔ نہ اسلام نے کبھی لوگوں کے مذہب کو
بالجبر تبدیل کرنے کا قصد کیا۔ اس نے اپنے مسائل کو جاری کرنا چاہا
مگر جبراً نہیں جاری کیا۔ اسلام قبول کرنے سے لوگوں کو فتح مندوں
کے برابر حقوق حاصل ہو جاتے تھے اور مفتوح سلطنتیں ان شرائط کی
قیود سے بھی آزاد ہو جاتی تھیں جو ہر ایک فتح مند ابتدائے دنیا سے
حضرت محمد ﷺ کے زمانہ تک ہمیشہ عائد کیا کرتا تھا۔"(۲)

قرآن اجتماعی، سوشل احکام کا کامل مجموعۂ قوانین ہے:

موسیو اوجین کلافل:

"قرآن مذہبی قواعد و احکام ہی کا مجموعہ نہیں بلکہ اس میں اجتماعی
سوشل احکام بھی موجود ہیں، جو انسانی زندگی کے لئے بہرحال

۱۔ ونیٹ ٹس گزٹ لندن ۱۸ اکتوبر ۱۸۸۷ء

۲۔ زوال سلطنت روما الکبریٰ،

موزوں اور مفید ہیں۔ یہ مجموعۂ قوانین دنیا کی مکمل مذہبی تمدنی ہدایتوں کے لئے کافی ہے۔

ہم حیران ہوتے ہیں کہ ایسا عظیم الشان ملکی تمدنی نظام جس کی بنیاد کامل اور سچی آزادی پر ہے کس طرح قائم کیا گیا۔"(۱)

قرآن مجید تمام آسمانی کتابوں میں بہترین کتاب ہے:

ڈاکٹر موریس جو فرانس کے نامور اہل قلم مستشرق و ماہر علوم عربیہ ہیں، اور جنہوں نے حکومت فرانس کے حکم سے قرآن کریم کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کیا تھا۔ اپنے ایک مضمون میں جو "لاہارول فرانس رومان" میں شائع ہوا تھا۔ ایک دوسرے فرانسیسی مترجم قرآن موسیو سالمان ریناش کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"قرآن کیا ہے؟ قرآن کی اگر کوئی ایسی منقبت ہو سکتی ہے جس میں کسی طرح کا نقص نہ نکل سکتا ہو، تو وہ اس کی فصاحت و بلاغت ہے وہ عظیم الشان فضیلت جس پر چالیس کروڑ انسان فخر کر رہے ہیں وہ یہی ہے کہ مقاصد کی خوبی اور مطالب کی خوش اسلوبی کے اعتبار سے یہ کتاب تمام آسمانی کتابوں پر فائق ہے۔ قدرت کی ازلی عنایت نے انسان کے لئے جو کتابیں تیار کی ہیں۔ ان سب میں یہ بہترین کتاب ہے۔ اس کے نغمے انسان کی خیر و صلاح کے متعلق فلاسفر یونان کے نغموں سے کہیں اچھے ہیں۔ اس میں آسمان و زمین کے بنانے والے کی حمد و ثنا بھری ہوئی ہے۔ خدا کی عظمت سے اس کا ایک ایک حرف لبریز ہے۔ جس نے یہ چیزیں پیدا کی ہیں اور ہر ایک چیز کی اس کی

(۱) باطل شکن ص ۳۱، تاریخ الفقہ ص ۱۴۸۔

استعداد کے مطابق رہنمائی کی ہے۔"

''قرآن کریم علماء کے لئے ایک علمی کتاب، شائقین لغت کے لئے ذخیرۂ لغات شعراء کے لئے عروض کا مجموعہ اور شرائع و قوانین کا ایک عام انسائیکلوپیڈیا ہے، تمام آسمانی کتابوں میں سے جو حضرت داؤد کے زمانے سے جان تالموس کے عہد تک نازل ہوئیں، کسی ایک نے اس کی ایک ادنیٰ سورۃ کا بھی مقابلہ نہیں کیا، یہی سبب ہے کہ مسلمانوں کے اعلیٰ طبقہ کے لوگوں میں جس قدر علم بڑھتا جاتا ہے، حقائق پر عبور ہوتا ہے۔ اسی قدر کتاب قرآن کے ساتھ ان کا تعلق بڑھتا جاتا ہے۔ اس کی تعظیم میں زیادتی ہوتی ہے۔ اس کے عجائبات کے ساتھ ان کی دل چسپی ترقی کر جاتی ہے وہ آیات کا اقتباس کرتے ہیں۔ کلام کی آرائش ان آیتوں سے بڑھاتے ہیں۔ جس قدر ان کا رفیع و بلند ہوتا ہے اور خیالات میں شستگی اور شگفتگی ہوتی ہے۔ اسی قدر اپنی رائے اور خیال کا دارومدار آیات قرآنی کو ٹھہرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے سینے قرآن کی محبت سے معمور ہیں۔ دل سے اسی کو مقدس مانتے ہیں۔ دوسری قوموں کو جو کتابیں شریعتیں ملی ہیں۔ ان کی نسبت نہ انہیں کوئی خیال پیدا ہوتا ہے اور نہ رشک آتا ہے۔ اس لئے کہ وہ دیکھ چکے ہیں کہ ان کی کتاب کے ہوتے ہوئے کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہیں۔ اس کی فصاحت و بلاغت انہیں سارے جہاں کی فصاحت و بلاغت سے بے نیاز کئے ہوئے ہے یہ ایک واقعی بات ہے اس واقعیت کی ایک دلیل یہ ہے کہ بڑے بڑے انشاء پردازوں اور شاعروں کے سر اس کتاب کے آگے جھک جاتے ہیں۔ اس کے عجائبات جو روز بروز نئے نئے نکلتے ہیں اور

اس کے اسرار جو کبھی ختم نہیں ہوتے، مسلمان ادباء و شعراء ان کو دیکھ کر سجدہ کرنے لگتے ہیں، قیامت تک کے لئے اس کو سرمایہ ناز جانتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ فصیح کلام اور دقیق معنی کا یہ ایک مواج دریا ہے۔"

آگے مزید لکھتے ہیں۔

"موسیو ریناش کو اگر اسلامی دنیا کے ساتھ کافی واقفیت کا موقعہ ملا تو انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ مسلمانوں کا روشن خیال طبقہ مذہب کی بڑی عزت کرتا ہے۔ مذہبی آداب کا نہایت پابند ہے، اس کے احکام سے وہ بے تعلق نہیں ہوا چاہتا۔ نئی نسل کا ہر فرد اور درس گاہوں کے تمام لڑکے اس صحیفۂ مقدس قرآن کی شان میں توہین کا ایک لفظ بھی سننا گوارا نہیں کر سکتے، اور سچ تو یہ ہے کہ ان کو گوارا کرنا بھی نہیں چاہئے (یہاں ہماری نسل کو ڈاکٹر موریس کے یہ الفاظ غور سے پڑھنے چاہئیں اور دیکھنا چاہئے کہ دنیا کو ہمارے ساتھ جو حسن ظن ہے کیا وہ اس کے اہل بھی ہیں؟ کاش ایسا ہی ہو تا کاش اب بھی وہ اپنے کو اس کا اہل ثابت کرنے کی کوشش کریں ناقل)۔"

"اس لئے کہ قرآن مجید میں دو نمایاں حیثیتیں ہیں، اور ان دونوں حیثیتوں سے وہ تمام آسمانی کتابوں پر مرجع ہے۔ پہلی حیثیت یہ ہے کہ اس کے انتساب کی صحت میں کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔ اور یہ کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ پیغمبر عرب ﷺ سے اس کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ (حالانکہ توارات وانجیل وغیرہ میں اس شبہ کی بڑی گنجائش موجود ہے) دوسری حیثیت یہ ہے کہ قرآن کو مسلمان عربی زبان کی حفاظت کا مرجع سمجھتے ہیں اور اپنے مذہبی اصول کی تطبیق کا

ماخذ جانتے ہیں، ایناش نے اگر اپنی غلطیوں کی صحت کر دی تو خیالات کو روشن کرنے اور تاریکی کے مٹانے میں اس کتاب کے ذریعہ سے بڑی مدد مل سکتی ہے۔"(۱)

ڈاکٹر موریس ایک مقام پر فرماتے ہیں۔:

"کوئی چیز عیسائیان روم کو اسی ضلالت و غوایت کی خندق سے جس میں وہ گر پڑے تھے نہیں نکال سکتی تھی، بجز اس آواز کے جو سرزمین عرب میں غار حراء سے بلند ہوئی۔ اعلاء کلمۃ اللہ جس سے یونانی انکار کرتے جاتے تھے۔ اسی آواز نے دنیا میں کیا اور ایسے عملی پیرایہ میں کیا کہ جس سے بہتر ممکن نہ تھا۔ اور ایک سیدھا سادھا اور پاک وصاف مذہب دنیا کو سکھایا کہ جس میں بقول فاضل محقق گاڈفری ہگنس، نہ پاک پانی ہے نہ تبرک، نہ مورت، نہ تقریر نہ سینٹ اور نہ خدا کی ماں سے اس پر داغ لگتا ہے اور نہ ایسے مسائل ہیں کہ ایمان بدون عمل کے مؤثر ہو۔ اور نزع کے وقت کی توبہ کام آئے اور غایت درجہ کے عنایات اور مغفرت اور خفیہ اقرار بکار آمد ہو جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس دین کے پیروؤں کو بگاڑ دیں اور پھر مقتداؤں کے حوالے کر دیں، جو واقعتاً میں ان مسائل سے بھی بدتر اور ناچیز بات ہے۔(۲)

۱۔ پیام امن ص ۳۳،

☆۔ ڈاکٹر موریس بوکائیے Bible Quran and the Science نامی کتاب کے مصنف ہیں اور اسلام قبول کر چکے ہیں۔

۲۔ تنقید الکلام مصنفہ سید امیر علی باب ۱۷،

قرآن مجید کا مسحور کن اعجاز:

ریونڈ جی۔ ایم راڈویل جنہوں نے قرآن کریم کا ترجمہ بہ ترتیب نزولِ سور سے شروع کیا ہے۔ اور بڑے متعصب پادری ہیں۔ آخر اس قدر تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ قرآن کی تعلیم سے عرب کے سیدھے سادے خانہ بدوش بدو ایسے بدل گئے جیسے کسی نے سحر کر دیا ہو۔ بُت پرستی کے مٹانے، جنات اور مادیات کے شرک کے عوض اللہ کی عبادت قائم کرنے۔ اطفال کشی کی رسم کو نیست و نابود کرنے، بہت سے توہمات کو دور کرنے اور ازواج کی تعداد گھٹا کر اس کی ایک حد معین کرنے میں قرآن بے شک عربوں کے لئے برکت اور قدوم حق تھا، گو عیسائی مزاج کے مطابق وحی نہ ہو۔ (۱)

قرآن مجید کے بغیر دنیا کا امن و امان قائم نہیں رہ سکتا:

نامور فرنچ مستشرق موسیو گاستن کار نے فرانس کے مشہور اخبار "فگارو" میں ایک نہایت دلچسپ سلسلہ مضامین ۱۳۳۰ھ میں شائع کیا۔ جس کا عنوان تھا "کیا اسلام زمانہ سے معدوم ہو گیا۔ تو امن و امان قائم رہ سکے گا" جس کا ترجمہ اسی زمانہ میں بیروت کے مشہور اخبار "البلاغ" (مطبوعہ ۱۳ صفر ۱۳۳۰ھ) نے شائع کیا۔ اس کا اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"یہ ایک کھلی ہوئی صاف اور واضح بات ہے کہ اسلام حقیقت میں ایک طرح کا اجتماعی مذہب Social Religion ہے جس کو دنیا کی ۲/۳ حصہ آبادی دین حق تسلیم کرتی ہے اور گویا دنیا کی ہستی اس مذہب کی بقاء ہستی پر منحصر ہے ہمیں معلوم ہے کہ اس عاقلانہ مذہب کے قانون

۱۔ پیام امین ص ۳۷،

قرآن کریم میں وہ تمام فوائد و مصالح موجود ہیں، جس سے زمانہ حال کا تمدن بنا ہے اور جو گویا اسلام ہی کے امتزاج عناصر کا نتیجہ ہے۔ اس حیرت انگیز سائنٹیفک مذہب اسلام نے دنیا کی عمرانی ترقی کے لئے ہر قسم کے بنیادی وسائل اور ذرائع یورپ کو بہم پہنچائے ہیں۔ گو ہم میں کوئی شخص بھی اس کی فضیلت کا اعتراف نہ کرے اور اس کے احسان کا رہین منت نہ ہو مگر امر واقعی یہی ہے۔" اپنے اس مضمون میں مستشرق موصوف سوال کرتا ہے کہ "روئے زمین سے اگر اسلام مٹ گیا مسلمان نیست و نابود ہو گئے قرآن کی حکومت جاتی رہی تو کیا یہ سب ہو کر دنیا میں امن و امان قائم رہ سکے گا؟" اور پھر جواب دیتا ہے کہ "نہیں ہر گز نہیں"(۱)

قرآن مجید زندہ و پُر جوش ایمان پیدا کرتا ہے:

فرانس کا نامور مستشرق ڈاکٹر گستاؤلی بان یوں رقم طراز ہے کہ:

"قرآن جو مسلمانوں کی مقدس مذہبی کتاب ہے نہ صرف یہ ان کا مذہبی دستور العمل ہے بلکہ ان کا ملکی و معاشرتی دستور العمل بھی یہی کتاب ہے، تمام مذاہب عالم میں یہ فخر اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے قرآن مجید کے ذریعہ سے پہلے پہل وحدانیت خالص و محض کی اشاعت دنیا میں کی، جس نے ان تمام قوموں کو جو مصریوں کے سلاطین قسطنطنیہ کے وقت سے عیسائی چلی آتی تھیں۔ دعوت نبوتؐ دینے کے ساتھ ہی مسلمان ہو جانے پر آمادہ کر دیا۔ حالانکہ ایسی کوئی مثال کسی قوم کی خواہ وہ فاتح یا مفتوح موجود نہیں ہے جس

۱۔ البلاغ مطبوعہ ۱۳ صفر ۱۳۳۰ھ بیروت،

نے کبھی دین عیسوی کو قبول کیا ہو، کسی مذہبی کتاب کے فوائد عامہ کا اندازہ کرتے ہوئے یہ نہیں دیکھنا چاہئے کہ اس میں فلسفی خیالات کیسے ہیں (کیونکہ وہ عموماً بہت کمزور ہوا کرتے ہیں) بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ جن اعتقادات دینی کی تعلیم اس کتاب میں دی گئی ہے انہوں نے دنیا میں کیا اثر پیدا کیا؟ جس وقت اسلام کو اس نظر سے دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام قلوب میں اس قسم کا زندہ و پرجوش ایمان پیدا کر دیتا ہے کہ پھر اس میں مطلق شک و شبہ اور تذبذب کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔"

قرآن مجید کی تعلیم تمام دینی و دنیوی ترقیوں کا سرچشمہ ہے:

مسٹر ایچ ایس لیڈر نے اپنے لیکچر کے دوران میں جو "عربوں کا احساس تمدن پر" کے عنوان سے اورینٹل لٹریری سرکل لندن میں دیا فرمایا:

"ذرا ایک نظر ان اصولوں کو دیکھیں جو عربوں کے اس وقت پیش نظر تھے جب کہ وہ ایک فاتح قوم کی حیثیت سے گزر کر ایک امن اور ترقی خش قوم کی شان اختیار کرنے لگے تھے، تو اس کے لئے ہمیں قرآن وحدیث کی جانب رجوع کرنا ہوگا۔"

ان مسلمانوں کے بچوں کی تعلیم قرآن مجید کی تعلیم سے شروع ہوتی ہے جو ان کے نزدیک تمام دینی و دنیوی ترقیوں کا سرچشمہ ہے، تعلیم قرآن سے ان کے یہاں فلسفہ و حکمت کے مدارس پیدا ہوئے۔ اور ان مدارس نے بڑھ کر یونیورسٹی کی شکل اختیار کی، اس کا نتیجہ تھا کہ وسط افریقہ جو اس برّاعظم کا دور افتادہ ترین حصہ ہے جس کو اس بیسویں صدی کی روشنی کے زمانہ میں تاریک برّاعظم کہا جاتا ہے۔ وہ ترقی کے اعتبار سے اپنے عہد کی بڑی سے بڑی یورپین

سلطنت سے بہتر تھا۔ موسیو سید لو جو فرانس کا ایک محقق اور مشہور دانشور ہے لکھتا ہے:

"قرآن ایک واجب التعظیم کتاب ہے جس نے بتایا ہے کہ خدا کے حقوق بندوں پر کیا ہیں اور بندوں کے حقوق اور تعلقات خدا سے کس قسم کے ہونے چاہئیں۔ اس میں فلسفہ اور اخلاق کی ہر قسم کی باتیں مذکور ہیں۔ فضل و کمال عیب و نقصان، حقیقت اشیاء عبادات و اطاعات، گناہ و معصیت غرض کہ کوئی بات ایسی نہیں جس کا جامع قرآن نہ ہو۔ واقعات کے اعتبار سے اس کی آیتیں رسول اللہ ﷺ پر اترتی رہیں اور یہی ایک چیز تھی جس نے سارے عرب میں قومیت پیدا کی۔ جنگجو قبائل میں اتحاد و اتفاق کی بنیاد ڈالی، اور دنیا میں ایک عالم گیر رابطہ پیدا کیا۔ وہ آداب و اصول جو فلسفہ و حکمت پر قائم ہیں جن کی بنیاد عدل و انصاف پر ہے جو دنیا کو بھلائی اور احسان کی تعلیم دیتے ہیں ان میں سے ایک جزئیہ بھی ایسا نہیں جو قرآن میں نہ ہو وہ اعتدال و میانہ روی کا سیدھا راستہ دکھاتا ہے، گمراہی سے بچاتا ہے۔ اخلاقی کمزوریوں کی تاریکیوں سے باہر نکال کر فضائل کی روشنی میں لاتا ہے اور انسانی زندگی کے نقائص کو کمالات میں بدل دیتا ہے۔ اسلام کو جو لوگ وحشیانہ مذہب کہتے ہیں ان کے تاریک ضمیر کی بڑی دلیل یہ ہے کہ قرآن کی ان صریح آیتوں کو بالکل نہیں دیکھتے جن کے اثر سے عرب کی تمام بری اور معیوب عادتیں جو مدت ہائے دراز سے سارے ملک میں رائج تھیں، مٹ گئیں، مثلاً بدلہ لینا، خاندانی عداوت کی پابندی و کینہ پروری جور و جفا کا اظہار، جس کا رواج یورپ میں پہلے بھی تھا، اب بھی ہے جو ڈوئل کی صورت اختیار کئے

ہوئے ہے۔ دختر کشی وغیرہ یہ سب رسومات مذموم قرآن نے مٹا دیں۔"(۱)

قرآن مجید فی الواقع عجوبۂ روزگار ہے:

مسٹر مارماڈیوک پکتھال نے "مسلمانان لندن کے روبرو خدا کی بادشاہی" کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"قرآن مجید جس کے اعجاز کو خود محمد ﷺ نے اکثر اپنے الٰہی مقصد کے ثبوت کے طور پر پیش کیا۔ حقیقت میں ایک معجزہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ محمد ﷺ اگرچہ تہذیب یافتہ تھے مگر اُمّی تھے۔ اور اس امر میں شک کی کوئی معقول وجہ موجود نہیں ہے کہ اس عجیب وغریب فصاحت کا ایک بڑا حصہ آنحضرت ﷺ کے عالم بے ہوشی میں نازل ہوا، (نزول وحی کی کیفیت کو "عالم بیہوشی" کہنا عجیب و غریب دریافت ہے (ناقل) اس کتاب کی سی کوئی کتاب صفحۂ عالم پر موجود نہیں ہے یہ کتاب فی الواقع عجوبۂ روزگار ہے۔(۲)

قرآن مجید غائت درجہ کی مؤثر اخلاقی نصائح کا مجموعہ ہے:

چیمبرس "انسانیت" میں "محمڈن ازم" کے زیر عنوان مرقوم ہے۔

"مذہب اسلام کا وہ حصہ بھی جس سے اس کے بانی کی طبیعت صاف صاف معلوم ہوتی ہے۔ نہایت کامل اور غایت درجہ کا مؤثر ہے۔ اس سے ہماری مراد اس کی اخلاقی نصیحتیں ہیں، یہ نصیحتیں کسی ایک دو

۱۔ لیکچر عربوں کا احساس تمدن،

۲۔ پیام امن ص ۴۷،

تین سورتوں میں مجتمع نہیں ہیں، بلکہ اسلام کی عالیشان عمارت قرآن مجید میں سلسلۃ الذہب کی مانند ملی جلی ہیں، ناانصاف، دروغ گوئی، غرور، انتقام، غیبت، استہزاء، طمع، فضول خرچی، حرام کاری، خیانت، بدعہدی، اور بدگمانی کی سخت مذمت کی گئی ہے اور ان کو قبیح اور خلاف مذہب بتاتا ہے اور بمقابلہ ان کے خیر اندیشی، فیض رسانی پاکدامنی، حیا، بردباری، صبر و تحمل، کفایت شعاری، سچائی، ایفاعہد راست بازی، عالی ہمتی، صلح پسندی، حق دوستی، اور سب سے بڑھ کر توکل بر خدا اور انقیاد امر الٰہی کو سچی ایمان داری کی اصل بنیاد اور مومن صادق کا اصلی نشان قرار دیا ہے۔"

قرآن مجید میں ایک وسیع جمہوریہ کے تمام آئین موجود ہیں :

مسٹر لڈلیف کربل اپنی کتاب "دی لیمن دی محمد ﷺ" جو بمقام لیپہ ۱۸۸۴ء میں شائع ہوئی لکھتے ہیں۔

"قرآن عقائد واخلاق اور نیزان پر مبنی قانون کا ایک مکمل ضابطہ پیش کرتا ہے اس میں ایک وسیع جمہوریہ کے تمام آئین واصول کے لئے رشد وہدایت کے لئے انصاف وعدالت کے لئے فوجی تنظیم وتربیت کے لئے مالیات کے لئے غرباء کے متعلق نہایت محتاط قانون سازی کے لئے بنیاد رکھی گئی ہیں۔ لیکن ان تمام کا سنگ بنیاد ذات باری تعالیٰ کا اعتقاد ہے جس کے قبضہ قدرت میں انسانوں کی قسمتوں کی باگ ڈور ہے۔"(۱)

۱۔ دی لیمن دی محمد ﷺ ،

قرآن مجید الہامی کتاب ہے :

ریورنڈ آر میتھویل کنگ اپنی تقریر "دین اسلام" میں جو ۷ا جنوری ۱۹۱۵ء کو قدیم پریلباسٹرین چرچ نیو نارڈز میں کی گئی فرماتے ہیں :

"اسلام کی آسمانی کتاب قرآن ہے جو حضرت محمد ﷺ کے زمانہ نبوت کے الہامات کا مجموعہ ہے اس میں نہ صرف مذہب اسلام کے اصول و قوانین درج ہیں بلکہ اخلاق کی تعلیم روزمرہ کے کاروبار کے متعلق ہدایات اور قانون بھی ہے اس لحاظ سے مسلمانوں کو عیسائیوں پر فوقیت ہے کہ اسلام کی مذہبی تعلیم اور قانون دو علیحدہ چیزیں نہیں ہیں۔"

قرآن نے یہودیوں، عیسائیوں، اور زرتشتیوں کے مذاہب پر پوری پوری روشنی ڈالی ہے۔ جس طرح خدا نے یہودیوں کو تورات سے عیسائیوں کی انجیل سے رہنمائی کی۔ اس طرح مسلمانوں کو قرآن سے صراط مستقیم دکھائی۔

موصوف اس تقریر میں آگے بیان فرماتے ہیں کہ :

"پیروان اسلام کا حسن اخلاق قابل تعریف ہے۔ ان کا طرز عمل خدا کے احکام کے تابع ہے تسلیم و رضا یعنی اپنے تمام امور خدا کے سپرد کر دینا مسلمانوں کی مذہبی زندگی کی ایک لازمی شرط ہے۔ جو مذہب رضائے الٰہی پر راضی رہنے کی ایسی عمدہ تعلیم دے۔ اس کے پیرو یقیناً صداقت دوست اور انصاف پسند نیز عہد کے پکے ہوں گے، نیز یہ قرآن سے ثابت ہو سکتا ہے کہ اگر ہم اس کے برخلاف ثابت کرنا چاہیں تو ہماری اپنی عقل ہی انکار کر دے گی۔"

اکثر کہا جاتا ہے کہ قرآن محمد ﷺ کی تصنیف ہے اور اس میں جو کچھ ہے وہ سب توریت اور انجیل سے لیا گیا ہے مگر میرا ایمان ہے اگر الہامی دنیا میں

الہام کوئی شئے ہے اور الہام کا وجود مکمل ہے تو قرآن شریف ضرور الہامی کتاب ہے۔ (۱)

قرآن مجید ایک نا قابل تشریح طلسم ہے :

ای ڈبلیو بلائڈن ایل۔ ایل ڈی جو خود ایک عیسائی حبشی ہے۔ اپنی تالیف میں یوں رقم طراز ہے۔

"جہاں خیالات ان حبشیوں کی سمجھ میں نہیں آتے وہاں قرآن مجید کے الفاظ بھی ان کے لئے ایسی نا قابل بیان خوبصورتی اور موسیقی اور ایک ایسا نا قابل تشریح طلسم بن جاتے ہیں جو محض السنہ مغربیہ کے جاننے والوں کے لئے قطعاً نا قابل فہم ہے" (۲)

قرآن مجید فرحت آمیز تحیر میں ڈالنے والی کتاب ہے :

مشہور جرمن فاضل گوئٹے لکھتا ہے :

"جس قدر ہم اس کتاب کے قریب پہنچتے ہیں یعنی اس پر غور کرتے ہیں وہ اسی قدر دور کھینچتی چلی جاتی ہے۔ یعنی زیادہ اعلیٰ معلوم ہوتی ہے۔ وہ بتدریج فریفتہ کرتی ہے۔ پھر متعجب کرتی ہے فرحت آمیز تحیر میں ڈالتی ہے اور آخر کار اپنا احترام کرا کے چھوڑتی ہے اس طرح یہ کتاب تمام نظروں میں ہمیشہ زبردست اثر ڈالتی ہے۔"

۱۔ پیام امن ص ۴۵،

☆۔ لیکچر دی اسلام،

۲۔ عیسائیت اسلام اور حبشی نسل،

قرآن مجید کا قانون بائبل سے زیادہ مؤثر ہے:

مشہور مسیحی پادری مسٹر ڈین سٹینلی لکھتا ہے:

”قرآن کا قانون بلا شبہ بائبل کے قانون سے زیادہ مؤثر ثابت ہوا ہے“ (۱)

قرآن مجید ایک مصلح اور بنا کُن قوت ہے:

ڈاکٹر جانسن جس فضل و کمال کا انسان تھا وہ کسی تعلیم یافتہ شخص سے مخفی و پوشیدہ نہیں ہے۔ قرآن کریم کے متعلق اس کی رائے ہے کہ:

”اگر وہ قرآن شعر نہیں ہے اور یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ وہ شعر ہے یا نہیں تو وہ شعر سے بھی کچھ زیادہ ہے۔ نہ وہ تاریخ ہے اور نہ وہ سوانح عمری ہے، وہ پہاڑی وعظ (انجیل کا ایک حصہ) کی طرح مجموعۂ اشعار بھی ہیں ہے۔ نہ وہ بدھ کی کتاب کی مانند منطقیات مابعد الطبیعیات ہیں۔ نہ افلاطون کی مجلس عقلاء و حکماء کی مثل پند و مواعظت ہے۔ وہ ایک پیغمبر ﷺ کی آواز ہے جو گو اول سے آخر تک سامی ہے تاہم اس کے مطالب ایسے عام اور ایسے مناسب وقت ہیں کہ زمانہ کی تمام آوازیں طوعاً و کرہاً ان کی متحمل ہو جاتی ہیں۔ اس کی آواز بازگشت محلوں اور ریگستانوں، شہروں اور سلطنتوں پر یکساں گونجتی ہے۔ جو اول تو اپنے انتخاب کردہ قلوب کو فتح عالم پر آمادہ و مستعد کرتی ہے اور اس کے بعد اپنے کو ایک مصلح اور بنا کُن قوت کی شکل میں یوں مجتمع کرتی ہے کہ یونان اور ایشیا کی ساری

۱۔ مشرقی کلیساص ۲۹،

موجد روشنی عیسائی یورپ کی گراں بار تاریکی میں اس وقت سے نفوذ کرتی ہے۔ جبکہ عیسائیت محض شب ہائے تاریک کی ملکہ تھی۔''

قرآن مجید کو سن کر انسان بے اختیار سجدہ میں گر پڑتا ہے:

جان جاک ریک مشہور جرمن فلاسفر جس نے مقامات حریری تاریخ ابوالفدا اور معلقہ وغیرہ عربی تصنیفات کا لاطینی زبان میں ترجمہ کیا اور ان پر حواشی لکھے ہیں لکھتا ہے کہ:

''بعض لوگ تھوڑی سی عربی سیکھ کر قرآن کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ اگر انہیں اپنی خوش نصیبی سے کبھی یہ موقع حاصل ہوتا کہ آنحضرت ﷺ اپنی فصیح زبان اور مؤثر لہجہ میں قرآن کی کوئی سورۃ پڑھ رہے ہیں، جس کا دلوں پر بجلی کا سا اثر ہوتا ہے اور جب کسی آیت کے متعلق یہ احتمال ہوتا ہے کہ سامعین اس کے حقیقی مفہوم تک رسائی حاصل نہیں کرسکیں گے تو اپنی معجزہ نما قوت بیان سے اس کی توضیح فرماتے ہیں تو یقیناً یہ شخص بے ساختہ سجدہ میں گر پڑتا۔ اور سب سے پہلی آواز اس کے منہ سے یہ نکلتی کہ پیارے نبی ﷺ پیارے رسول خدا علیک الصلوۃ والسلام، میرا ہاتھ پکڑ لیجئے اور مجھے اپنے پیروؤں میں شامل کرنے کی عزت اور افتخار سے مشرف کرنے میں دریغ نہ فرمایئے۔''

قرآن مجید میں شریفانہ احساسات کی تعلیم دی گئی ہے:

پاور اینڈ پریجو دس جو انگریزی کی ایک مشہور کتاب ہے'' میں مذکور ہے:

''قرآن کی عزت اور اس کے ارکان اساسیہ کی سب سے بڑی

خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں سچے اور شریفانہ احساسات اور کریمانہ اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے۔"(۱)

قرآن مجید سے زیادہ کسی کتاب کا احترام نہیں کیا جاتا:

'چیمبر زانفار میشن فاردی پیپل میں مذکور ہے کہ:

"قرآن مجید کی زبان انتادرجہ کی خوبصورت اور خالص ہے کسی اور کتاب کا اتنا احترام نہیں کیا جاسکتا جتنا کہ مسلمان قرآن کا کرتے ہیں، حتیٰ کہ اس کو بغیر طہارت کے ہاتھ بھی نہیں لگایا جاتا، ہر ایک مشکل میں اس سے فیصلہ چاہا جاتا ہے اور اس کو حکم مانا جاتا ہے اور ہر ایک مقام پر اس کی آیات نمایاں کی جاتی ہیں۔"(۲)

قرآن مجید ایک قانونِ فطرت ہے:

سر ولیم میور موصوف نے عمر بھر میں اپنی ساری قوت حمایت تثلیث اور مخالفتِ اسلام میں صرف کر دی تھی اور اگرچہ تعصب نے اسے پیغمبر اسلامؐ کی رسالت اور قرآن کریم کے اعجاز کا اعتراف نہیں کرنے دیا لیکن صداقت کی طاقت دیکھئے کہ انجام کار اس کی خوبیوں کا کم و بیش اقرار طوعاً کرہاً اسے بھی کرنا پڑا۔ وہ لکھتا ہے کہ:

"قرآن مجید میں فطرت اور کائنات سے بہت سے دلائل اخذ کئے گئے ہیں جن سے مقصود خدا کو اعلیٰ ترین ہستی ثابت کرنا اور بنی نوع انسان کو اس کی اطاعت و شکر گزاری پر متوجہ کرنا ہے۔ اس میں

۱۔ پاور اینڈ پریجوڈس۔

۲۔ چیمبر زانفار میشن فاردی پیپل صفحہ ۴۲۱۔

عالم آخرت و حسنات و سیئات کا اجر نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کی ضرورت مخلوق پر عبادت خالق کی فرضیت اور اس کے خوشگوار نتائج وغیرہ نہایت فصیح و مؤثر زبان میں مسطور ہیں۔

اس طرح قیامت کے اعتقاد کی معقولیت بڑے پرزور دلائل سے ثابت کی گئی ہے۔ اور بالخصوص اس کی مثال میں اس زمین کی نظیر پیش کی ہے جو مدت مدید سے ویران اور خشک پڑی ہو۔ مگر یک بیک کثرت سے بارش برسنے اور اس میں زندگی و سرسبزی کے خوشگوار آثار پیدا ہو جائیں"(۱)

قرآن مجید معبود باطل کی طرف سے پھیر کر خدائے واحد کی طرف لاتا ہے:

تھیوڈور نولڈیکی اپنی مشہور تالیف "جشیش دیس قرآنس (۲)" کے پر لکھتا ہے:

"محمد ﷺ کا مقصد اولی صرف یہ ہے کہ لوگوں کو ترغیب و تحریک کے ذریعہ معبودان باطل سے پھیر کر ایک خدا کی طرف لایا جائے، گفتگو کا مطمع نظر خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو اس کی حقیقتاً یہی خیال مخفی ہوتا ہے لیکن اپنے سامعین کو منطقی دلائل

۱۔ لائف آف دی محمد ﷺ۔

۲۔ جشیش دیس قرآنس صفحہ ۵۶۔

☆۔ جس کا پہلا ایڈیشن گوٹنجن کی طرف سے ۱۸۶۰ء میں اور دوسرا فریڈرک شوالی (پروفیسر سمک فلالوجی یونیورسٹی گیسن کی طرف سے ۱۹۰۸ء میں شائع ہوا)۔

سے قائل کرنے کی جائے ان کے دلوں پر قوت تخیل کے واسطہ سے اثر ڈالنے کے لئے ہمیشہ فصاحت و بلاغت کا استعمال کرتا ہے۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر وہ خدا کی تقدیس کرتا قلم روئے قدرت اور دنیائے تاریخ میں اس کی مرصع کاریوں کے تذکار سے کام لیتا اور دوسری طرف اصنام کی کمزوری کا مضحکہ اڑاتا ہے، دین داروں کی ہمیشہ رہنے والی مسرتوں اور گنہگاروں کی تکلیفوں کے حالات خصوصیت سے اہم ہیں، یہی باتیں بالخصوص مؤخر الذکر تبلیغ اسلام کے زبردست ترین اسباب سمجھنے چاہئیں۔"

آگے چل کر صفحہ ۵۸ میں لکھتا ہے۔

"قرآن کی سب سے شاندار سورتیں وہ ہیں جن میں روز حشر کی آمد کی خبر سن کر مادر قدرت کا لرزہ بر اندام ہونا بیان کیا گیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ہم زمین کو ابھرتے اور پھولتے ہوئے پہاڑوں کو گرد و غبار میں تبدیلی اور ستاروں کو انتادر جہ کی بے ترتیبی کے ساتھ منتشر و پراگندہ ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔"(۱)

قرآن مجید کے حسن و خوبی سے بے عقلوں کو ہی انکار ہے:

لنڈن کا مشہور ہفتہ وار "اخبار نیر ایسٹ" اپنی ۱۳ اپریل ۱۹۲۲ء کی اشاعت میں لکھتا ہے:۔

"ہم محمد ﷺ کی تعلیم وارشاد کے متعلق خواہ کچھ ہی خیال کریں مگر یہ ہمیں ضرور تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ نزول و ترتیب کے لحاظ سے قرآن ایک محیّر العقول و معجزہ نما صحیفہ ہے۔ اور اگرچہ اس کی زبان اور

---

(۱) جشن دلیس قرآن ص ۵۶۔

خیالات جو اس میں درج ہیں۔ ہماری اپنی زبان اور خیالات سے بہت مختلف ہیں۔ لیکن اگر ہم ان کی قدر و قیمت اور عظمت و فضیلت اور اکثر حالات میں ان کی حسن و خوبی خواہ یہ خیالات ترجمے کی صورت میں ہمارے سامنے پیش کئے جائیں کو تسلیم نہ کریں۔ تو ہم فی الحقیقت عقل، دانش سے بیگانہ ہیں۔"(۱)

قرآن مجید امن و سلامتی کا مذہب پیش کرتا ہے:

پادری والر میسن ڈی ڈی نے پٹس برگ کے گرجا میں "امن عالم کا صحیح راستہ" کے موضوع پر لیکچر دیتے ہوئے عیسائیوں کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ وہ ایسے ممالک میں بھی امن قائم کرنے سے قاصر ہے جن میں صرف عیسائی ہی آباد ہیں اور اسلام کی ان الفاظ میں تعریف کی ان مسلمانوں کا مذہب جو قرآن کا مذہب ہے ایک امن و سلامتی کا مذہب ہے اور اس کا نام اسلام ہے جو شخص اسلام کی پیروی کرتا ہے وہ مسلم کہلاتا ہے، یعنی وہ شخص جو خدا کے ساتھ صلح کرتا اور خلق خدا میں امن قائم رکھتا ہے مسلمان ایک دوسرے کو اسلام کرتے ہوئے کہتے ہیں السلام علیکم یعنی تم امن و عافیت سے رہو۔(۲)

قرآن مجید اپنا ادب آپ کراتا ہے:

ڈاکٹر جے ڈبلیو لائٹز بانی پنجاب یونیورسٹی جو عربی کے ماہر تھے اور

۱۔ اخبار نیر ایسٹ ۱۳ اپریل ۱۹۲۲ء

۲۔ اسلامک ریویو دسمبر ۱۹۷۸ء

جنہوں نے قرآن کریم کے کئی حصے حفظ کئے تھے۔ اپنے ایک خط میں رقم طراز ہیں :

”وہ عیسائی جو در حقیقت علم عربی پڑھے ہوئے ہیں۔ قرآن کے معانی اور تفسیر کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور مسائل مفتی و غیر مفتی بہ میں تمیز کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ منصف مزاج اور غیر متعصب ہوں اور ہمیشہ مذہب اسلام اور قرآن مجید کا ادب کرتے رہے ہیں۔“

قرآن مجید غریب آدمی کا دوست اور غم خوار ہے :

گاڈفری ہگنس لکھتا ہے :

”مسیح کی انجیل کی طرح قرآن غریب آدمی کا دوست اور غم خوار ہے، بڑے آدمیوں کی نا انصافی کی ہر جگہ مذمت کرتا ہے وہ آدمیوں کی باعتبار مدارج کے توقیر نہیں کرتا۔ یہ امر اس کے مصنف کی (بقول مستشرق موصوف(۱)) خواں وہ عرب کے نامی پیغمبر محمدؐ ہوں یا ان کے خلیفہ عثمانؓ لازوال نیک نامی کا باعث ہے۔ اس میں ایسا بھی حکم نہیں پایا جاتا جس میں اور رواداری کی طرف ذرا سا بھی میل ہو جیسا کہ ”ویسٹ منسٹر ریویو“ میں منصفانہ رائے دی گئی ہے کہ اگر خود مختار و جابر ایشیائی فرماں رواؤں کو ان کے ارادہ سے کوئی چیز کبھی روک سکتی ہو تو وہ غالباً قرآن کی ایک بے تکلیف آیت کسی ذی جرأت واعظ کی زبانی ہو گی۔“

ا۔ اسلامک ریویو دسمبر ۱۹۷۸ء،

قرآن مجید نے ایک مخصوص نظام تہذیب و تمدن پیدا کیا:

مسٹر ای ڈی مار بل نے ۱۹۱۲ء میں "رائل سوسائٹی آف آرٹس" میں ایک لیکچر "شمالی نائجیریا" پر دیا تھا اس میں مسٹر موصوف نے کہا:

"اس قوت و طاقت سے اغماض کرنا بے سود ہے جس نے حیثیت مجموعی ان قوموں کے معیار کو بہت ارفع واعلیٰ بنادیا ہے جن میں کہ اسلام جڑ پکڑ کر نشو و نما پا رہا ہے۔ وہ افریقہ کے حبشیوں کے دلوں میں تہذیب و شائستگی کی روح پھونکنے اور سول گورنمنٹ کا نظام اور حدود و عدالت کے قائم کرنے میں بڑا معاون ثابت ہوا ہے اس نے ان میں ایک ایسا نظام تہذیب و تمدن پیدا کیا ہے جو ان میں مفقود ہے۔ جہاں ابھی تک اسلام کی روشنی نہیں پہنچی۔ لوگوں کے فوائد و اغراض کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ حکومت برطانیہ اس کو قائم رکھ کر اس کو مضبوط و طاقتور بنانے کی کوشش کرے اسلام کی قوت اور طاقت کی بنا قرآن ہے قرآن ہی پیروان ملت بیضا کا قانون اساسی ہے وہی ان کا دستور العمل ہے۔ اور وہی ان کے حقوق کی دستاویز ہے۔" (۱)

قرآن مجید کے کلام پر عقل حیرت زدہ ہے:

کونٹ ہنری دی کاسٹری اپنی کتاب "الاسلام" میں جو کونٹ موصوف نے فرنچ میں لکھی اور جس کا ترجمہ مصر کے مشہور مصنف احمد فتحی

۱۔ گاڈفری ہگنس اگر قرآن کا زیادہ عمیق نگاہوں سے تعصب کی عینک اتار کر مطالعہ کرتے تو یقیناً اسی غلطی میں ہرگز مبتلا نہ ہوتے۔

بک زاغلول نے ۱۸۹۸ء میں شائع کیا لکھتے ہیں :

”قرآن کی وحی کا مسئلہ اور بھی زیادہ مشکل اور پیچیدہ مسئلہ ہے کیونکہ ارباب حث اس کو معقول طور پر حل نہیں کر سکے۔ عقل بالکل حیرت زدہ ہے کہ اس قسم کا کلام اس شخص کی زبان سے کیونکر ادا ہوا۔ جو بالکل اُمّی تھا۔ تمام مشرق نے اقرار کیا ہے کہ یہ کلام ہے کہ نوع انسانی لفظ ومعنا ہر لحاظ سے اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔ وہی کلام ہے جس کی بلند انشاپردازی نے عمر بن خطاب کو مطمئن کر دیا اور وہ خدا کے معترف ہوگئے۔ یہ وہی کلام ہے کہ جب یحییٰ کی ولادت کے متعلق اس کے جملے جعفر بن ابی طالب نے نجاشی کے سامنے پڑھے تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور بشپ چلّا اٹھا کہ یہ کلام اس سرچشمہ سے نکلا ہے جس سے عیسیٰ علیہ السلام کا کلام نکلا تھا۔“

”محمد ﷺ قرآن کو اپنی رسالت کی دلیل کے طور پر لائے اور وہ اس وقت سے تا ایں دم ایک ایسا مہتمم بالشان راز چلا آتا ہے کہ جس کے طلسم کا توڑنا انسان کی طاقت میں نہیں ہے۔“(۱)

قرآن مجید قابل تعریف اصول پر مشتمل ہے :

”ہربرٹ لیکچرز“ میں یہ فقرات موجود ہیں :

”اسلامی قانون قابل تعریف اصول پر مشتمل ہے۔ اور زیادہ قابل تعریف یہ امر ہے کہ اسے ان اصول کی تعمیل و انجام دہی کی زبردست حمایت میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ ”شریعت اسلامی نہایت اعلیٰ درجہ کے عقلی احکام کا مجموعہ ہے۔ جن فضائل و اعمال کی

۱۔ الاسلام، ۱۸۹۸ء

اس میں ہدایت کی گئی ہے وہ ایسے برگزیدہ اور شائستہ ہیں کہ کسی مشہور مسیحی قیس کی ہدایتیں بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔"(۱)

قرآن مجید کا مقصد توحید الٰہی ہے:

ڈاکٹر جارئن اپنی مشہور تصنیف "ورلڈ پراگرس" میں رقم طراز ہیں کہ:

"قرآن کا مقصد عظیم بعض قوانین و رسوم کے تحت بت پرستوں، یہودیوں، عیسائیوں کو ایک خدا کی جس کی وحدانیت اس کا نقطۂ کمال تھا، پرستش پر مائل و متفق کرنا ہے وہ قریش کی عربی زبان میں لکھا گیا تھا۔ اور یہ زبان جو سچ مچ ہر ایک وصف حسنہ رکھتی ہے، بیان کیا جاتا ہے کہ یہ جنت الفردوس کی زبان ہے۔ قرآن کریم کا طرز تحریر دل آویز رواں، اور جہاں کہیں خدا کے جاہ و جلال اور اوصاف کا ذکر آیا ہے شاندار اور بلند ہے۔ محمد ﷺ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی نبوت کے قائل تھے۔(۲)

قرآن مجید نے ظلم، جھوٹ، غرور، انتقام، غیبت، طمع، فضول خرچی، حرام کاری، خیانت اور بدگمانی کی بہت سخت برائی کی ہے۔ اور یہ اس کی بڑی خوبی ہے۔

﴿مرتبین چیمبر زانسائیکلوپیڈیا﴾

قرآن کی زبان لحاظ لغت عرب نہایت فصیح ہے، اس کی انشائی

۱۔ ہربرٹ لیکچرز،

۲۔ حوالہ پیام امن ص ۶۶،

☆۔ حوالہ ہو ورلڈ پراگس (ترقی عالم) ص ۳۸۷،

خوبیوں نے اسے اب تک بے مثل اور بے نظیر ثابت کیا ہے۔ علاوہ ازیں اس کے احکام اس قدر مطابق عقل و حکمت و فطرت ہیں کہ اگر انسان انہیں چشم بصیرت سے دیکھے تو وہ ایک پاکیزہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔

﴿مرتبین پاپولر انسائیکلو پیڈیا﴾

قرآن دلوں میں ایسا زندہ اور پُر زور ایمانی جوش پیدا کر دیتا ہے کہ پھر کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

﴿ڈاکٹر گستاؤلی﴾

قرآن نے فطرت اور کائنات کی دلیلوں سے خدا کو سب سے اعلیٰ ہستی ثابت کیا ہے اور انسانوں کو خدا کی اطاعت اور شکر گزاری پر جھکا دیا ہے۔

﴿سر ولیم میور﴾

جیسے جیسے میں قرآن پر غور اور اس کے مفہوم و معانی کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں، میرے دل میں اس کی قدر و منزلت اور بڑھتی جاتی ہے۔ اس کے مقابل زند و اوستا کا مطالعہ بجز ایسی حالتوں کے کہ علم الادیان یا تحقیق لسانی یا اسی قسم کی دیگر اغراض کے لئے کیا جائے طبیعت میں تکان پیدا کرتا ہے اور مطالعہ بار خاطر بن جاتا ہے۔

﴿پروفیسر ایڈورڈ براؤن﴾

قرآن کے مطالب ایسے مناسب وقت اور عام فہم ہیں کہ دنیا ان کو آسانی سے قبول کر سکتی ہے

﴿ڈاکٹر جانسن﴾

قرآن کے اثر سے عربی زبان تمام اسلامی دنیا کی متبرک زبان بن گئی ہے اور قرآن نے دختر کشی کا خاتمہ کر دیا ہے۔

﴿پروفیسر اے نکلسن﴾

قرآن میں وہ سب کچھ موجود ہے جو ایک بڑے مذہب میں ہونا چاہئے۔ اور جو ایک بزرگ انسان (محمد ﷺ) میں موجود تھا۔

﴿اسٹینلے لین پول﴾

قرآن نے مسلمانوں کو ایسی مواخات کے بندھن میں باندھ رکھا ہے کہ جو نسل اور زبانوں کے فرق کا پابند نہیں ہے

﴿ایچ جی ویلز﴾

محمد ﷺ کا دعویٰ ہے کہ قرآن ان کا مستقل اور دائمی معجزہ ہے اور میں مانتا ہوں کہ یہ واقعی ایک معجزہ ہے۔

﴿مسٹر بوسور تھ اسمتھ﴾

قرآن غریب آدمی کا دوست اور غم خوار ہے۔ بڑے آدمیوں کی ناانصافی کی ہر جگہ مذمت کرتا ہے۔

﴿گاڈفرے﴾

غلامی کی مکروہ رسم ختم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہندو شاستر قرآن سے بدل دیا جائے۔

﴿رچرڈسن﴾

قرآن مجید کی تعلیم بہترین ہے اور انسانی دماغوں پر نقش ہو جاتی ہے۔

﴿میجر لیونارڈ﴾

قرآن شریف اس بات کا مستحق ہے کہ یورپ کے گوشے گوشے میں پڑھا جائے۔

﴿سر ڈی سن راس﴾

قرآن کریم بے شبہ عربی زبان کی سب سے بہتر اور سب سے مستند کتاب ہے۔ کسی انسان کا قلم ایسی معجزانہ کتاب نہیں لکھ سکتا اور یہ مردوں کو

زندہ کرنے سے بڑھ کر معجزہ ہے۔

﴿جارج سیل﴾

قرآن نے مسلمانوں کو جنگ آرائی بھی سکھائی اور ہمدردی و خیرات و فیاضی بھی۔ قرآن نے وہ اصولِ فطرت پیش کئے کہ سائنس کی بڑھتی ہوئی ترقیاں اس کو شکست نہیں دے سکتیں۔

﴿مسٹر آرنلڈ وہائٹ﴾

اس میں فلسفیانہ خیالات کیسے ہیں (کیونکہ یہ عموماً بہت ہی کمزور ہوا کرتے ہیں) بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ جن معتقدات دینی کی تعلیم اس کتاب میں دی گئی ہے، انہوں نے دنیا پر کیا اثر ڈالا؟...... اور جس وقت ہم اسلام کو اس نظر سے دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے ان مذاہب میں جنہوں نے دلوں پر حکومت کی ہے، یہ بھی ایک نہایت عالی شان مذہب ہے۔ اسلام میں بھی نیکی، انصاف اور عبادت وغیرہ کی ویسی ہی تعلیم ہے جیسے کل ادیان میں لیکن یہ تعلیم ایسی سادگی اور وضاحت کے ساتھ دی گئی ہے کہ ہر شخص کی سمجھ میں آجاتی ہے۔ اسلام دلوں میں اس طرح کا زندہ اور پُرزور جوش ایمان پیدا کر دیتا ہے کہ پھر اس میں شک وشبہ کی مطلقاً کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

﴿ڈاکٹر لیبان﴾

مذکورہ بالا اقتباسات یورپ کے محققین وفضلا کے پیش کئے گئے۔ ان پر نظر ڈالنے کے بعد آج ہمارے ہاں کا وہ طبقہ جو شبانہ روز اسلامی قوانین کا مذاق اڑانے کو اپنا سب سے بڑا کارنامہ سمجھتا ہے، اور جس نے غالباً حقیقتاً قرآنی مطالب ومعانی کے مطالعہ پر غور وفکر کے ادنیٰ لمحات صرف نہیں کئے اور یا جس کا در اصل عیش پرستی خواہشات نفسانی وذاتی کے کوئی مشرب ہی نہیں۔ استاد اول انگریز نے اسکولوں کالجوں میں جو نصاب پڑھا دیا وہی دماغ پر مستولی ہے۔

لیکن یورپ میں جہاں مذہب اسلام کا مذاق اڑانے والے بستے تھے وہیں ایسے محققین بھی موجود تھے جنہوں نے باوجود اپنی عصبیت کے کتاب و سنت کے قوانین اور شریعتِ اسلامیہ کی جامعیت اور قوانین مذہب اسلام کو سر چشمۂ ہدایت مانا اور اس کا اقرار کیا کہ قرآن بلاشبہ ایک کامل و اکمل دستور حیات ہے جو ہر عصر کے لئے اپنے ہدایات جاری کر سکتا ہے۔

کاش! ہمارے ہاں کا یہ عصر یورپ کے فضلا و محققین کے مذکورۂ بالا اقتباسات پر غور و فکر کرے۔

مفکرین یورپ کے اقوال و بیانات آپ نے پڑھے۔ غور کیجئے یہ اسی یورپ کے محققین ہیں، جن کے بعض متعصب افراد قرآن حکیم کی مخالفت میں ایڑھی چوٹی کا زور لگا کر تعلیمات قرآنی سے منحرف کیا کرتے تھے۔ مگر تھوڑے عرصہ کے بعد یورپ کے اندر ایسے ارباب فکر پیدا ہوئے جنہوں نے بجائے مخالفت کے قرآنی مضامین کے اندر ایسے ارباب فکر پیدا ہوئے جنہوں نے بجائے مخالفت کے قرآنی مضامین میں غور و خوض کرنا شروع کیا، پھر کیسے ممکن تھا کہ تفحص کے بعد ان پر فرقانِ حمید کے تاثرات پیدا نہ ہوتے۔

پس آج ہمارے یہاں کا وہ طبقہ جو شبانہ روز مذہب بیزاری کا نام لے کر اسلامی تعلیمات ہی کو جاری نہیں ہونے دینا چاہتا۔ ہم اس طبقہ کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ قرآن کریم کے مطالعہ کا شوق پیدا کرے۔ جن علوم کی قرآن مجید کی فہم و بصیرت کے لئے ضرورت ہے، اسے حاصل کرے۔ پھر ممکن نہیں ہے کہ اس پر قرآن کریم کا رنگ نہ چڑھے اگر یہ بھی نہیں تو آج جس یورپ کو وہ اپنا کعبۂ مقصود بنا چکا ہے وہیں کے ارباب تحقیق کے اقوال و بیانات سے سبق لے۔

پروفیسر باسورتھ اسمتھ...... ٹرینٹی کالج آکسفورڈ فرماتے ہیں :

''یہ امر حقیقتاً نہایت حیرت ناک ہے اور ذہنی و عقلی زندگی کے ایک جدید باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب یہ بات سامنے آتی ہے۔ کہ انگریز قوم کے عظیم ترین مفکر سر تھامس کارلائیل نے اپنا ہیرو بہ حیثیت پیغبر عیسیٰ''مسیح یا موسیٰ''کو نہیں بلکہ اس پیغبر کو منتخب کیا جس پر نزولِ قرآن ہوا تھا۔''

سر تھامس کارلائیل کا قرآن کی تفاسیر اور اعتقادی فلسفہ کے بارے میں ضخیم اور جامع تنقیدی مطالعہ :

''قرآن میں اولی وصف سے بالکل ہٹ کر ایک اور خوبی ہے۔ وہ یہ کہ اگر کوئی کتاب دل کی گہرائی سے نکلتی ہے تو وہ دوسرے قلوب میں بھی جگہ پالیتی ہے۔ تمام فنون اور انسانی فن تصنیف و تالیف اس کے سامنے ہیچ ہے۔ قرآن کا بنیادی وصف یہ حقیقت ہے کہ وہ کلام برحق ہے۔ وہ جملہ قوانین و رسومات کا معیاری پیمانہ ہے۔ جو پیغام آسمان سے زمین پر انسان کی ہدایت اور عمل کی کسوٹی بنا کر بھیجا گیا ہے اس میں یہ اعلیٰ ترین حکمت کا حامل ہے۔''

''اس کو جھوٹا نہ کہو۔ اس میں جھوٹ کو تلاش نہ کرو بلکہ اس کی صداقت پر غور کرو۔''

برٹش ریسرچ : از عظیم مفکر برنارڈ شا کا کہنا ہے :

''جن نصب العینوں نے''فرانسیسی انقلاب''اور لاطینی امریکہ میں ''اعلانِ حقوق''کی تحریکوں کو برپا کیا۔ وہ مغرب کی ایجاد قرار نہیں

دی جاسکتیں بلکہ ان کا سرچشمہ انہیں قرآن میں ملا۔"

جرمن ریسرچر:

جدید فکر و ذہن کا جرمن لیڈر، جملہ ادوار کا عظیم ترین مفکر و فلسفی، مسلمہ طور پر صفِ اول کا دانشور فان گوئٹے کا ارشاد ہے:

"ہم جب قرآن کی جانب رجوع کرتے ہیں تو شروع میں ہمیں کچھ بد دلی سی محسوس ہوتی ہے۔ لیکن بعد میں ہر مرتبہ تازگی کا احساس ہو جاتا ہے۔ پھر یہ نوبت آتی ہے کہ نہایت قوت سے یہ ہمیں اپنی جانب کھینچ لیتا ہے۔ اور تحیّر میں مبتلا کر دیتا ہے۔ آخر میں ہمارے دل میں اس کے لئے احترام کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ قرآن کا اسلوب اپنے مشمولات اور مقصد کے لحاظ سے ہیبت ناک، عظیم الشان، غیر منتشر اور رفیع ہے۔ یہ کتاب تمام زمانوں میں اپنا قوی اثر ڈالتی رہے گی۔"

گوئٹے کی مذکورہ بالا تحریروں کا حوالہ دیتے ہوئے اسٹین گاس رقم طراز ہے:

"مذکورہ بالا الفاظ انتہائی وزنی اور قابل توجہ ہیں۔ اس لئے کہ وہ ایسے شخص کے بیان کردہ ہیں جو بالاتفاق جملہ ادوار کی زبانوں کا سب سے زیادہ ماہر سمجھا جاتا ہے اور فخرِ جدید اور دورِ حاضر کی ذہنی کلچر کا سب سے زیادہ نمایاں لیڈر ہے۔"

اسٹین گاس مزید بیان کرتا ہے:

"ایک ایسا کام جو اتنے قوی اور متبائن قسم کے جذبات کو ایسے بعید فاصلوں تک برانگیختہ کرتا ہے۔ جہاں قارئین کے لحاظ سے بعد ہے۔ وقت کے لحاظ سے بعد ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ذہنی ترقی و ارتقا کے لحاظ سے بعد ہے۔"

وہ کام لازمی طور پر ایک محیر العقول تخلیق اور مقدر انسانی کے ہر صاحب فکر انسان کے لئے سب سے زیادہ اہمیت اور دلچسپی کا حامل ہوگا۔ قرآن کی ادبی فضیلت و برتری کی وضاحت کا اعتراف کرنے اور اس کو تسلیم کرنے کے سلسلہ میں بہت کچھ کہا جا چکا ہے اور بعض کے بہت زیادہ دہرائے جانے والے مقولہ پر کافی اظہار خیال کیا جا چکا ہے۔

"اسلوب ہی کا نام شرف و امتیاز ہے۔"

"سچائی" مارلائیل لکھتا ہے:

"سچائی ہر مفہوم کے اعتبار سے مجھے قرآن کی خاص صفت معلوم ہوتی ہے۔"

ہارورڈ یونیورسٹی۔ یو۔ ایس۔ اے پروفیسر مائیکل بیکر:

"موجودہ سائنسی دنیا میں یہ امر نہایت اہم ہے کہ جیسے جیسے قرآن اپنے امتیازی خاصے اور حقیقت واصلیت کے ساتھ ظاہر ہو رہا ہے۔ ماضی کے بہت سے غلط تصورات، تعصب اور غلط بیانیوں کی دھند چھٹتی جا رہی ہے۔"

امریکی ریسرچ:

"یونانی، رومی، بازنطینی قوموں نے ایک ہزار سال میں بھی اتنی ذہنی ترقی نہیں کی تھی جتنی حامل قرآن لوگوں نے ایک صدی کے اندر اندر کر ڈالی۔ تحریک کی نمایاں خصوصیت اس کی سرعت رفتار ہے جس سے یہ اپنے سلسلہ وار مدارج سے ہو کر گزری۔"

پروفیسر گستاؤلی بان کا کہنا ہے:

''ہندوستان کی تاریخی صورت گری کا آغاز حاملِ قرآن لوگوں کے اس ملک میں داخلہ سے ہوا۔ حاملِ قرآن لوگوں نے تاریخ ہند کی تکمیل کے لئے زبردست کوششیں کیں۔ وہ ہندوستان کے اولین مؤرخ تھے۔ اس سے پہلے کسی تاریخ کا وجود نہیں تھا۔''

مزید ملاحظہ ہو:

''قرآن ہندوستان میں ایک شمع فروزاں لے کر آیا۔ جس نے بنی نوع انسان کو اس وقت تاریکی سے نکالا جب قدیم تہذیب کا زوال ہو رہا تھا۔ بدقسمتی سے اس ملک میں حاملِ قرآن لوگوں اور اسلام کی تاریخ غیر حکومت کی وجہ سے صدیوں تک مدپڑی رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صحیح روح اور تصویر پر پردہ پڑا رہا اور اس کی برکتیں عام نگاہوں سے پوشیدہ رہیں۔''

مزید ملاحظہ ہو:

''قرآن نے ہندوستان کو اتنے بہت سے تحفے دیئے ہیں'' جیسے:

(۱) ہندوستانی بحریہ کی تشکیل،

(۲) بحری تجارت،

(۳) سیاسی اتحاد اور کلچر اور باس کی یکسانیت،

(۴) زندگی کے تمام شعبوں میں فرد کو ترقی کے لئے مساوی مواقع،

(۵) علمی ترقی اور ہر شخص کے لئے زندگی کے تمام شعبوں میں بڑھنے اور ترقی کرنے کی پوری آزادی۔

یورپ میں اسلامی علوم و فنون کی ایک جھلک

مشرق میں بنوامیہ کی خلافت و حکومت کے زوال کے نتیجہ میں مغرب کی سرزمین نے ان کے لئے اپنی آغوش کھولی، اور عبدالرحمٰن الداخل نے اندلس کے شہر قرطبہ میں ۱۳۸ھ میں ایک تازہ دم خلافت و حکومت کی بنیاد ڈالی، جس میں ۲۸۴ سال کی مدت میں یکے بعد دیگرے ۱۹ خلفاء و سلاطین تخت نشین ہوئے، اس کے بعد یہاں طوائف الملوکی پھیل گئی، اور مختلف خاندانوں نے اندلس کے مختلف علاقوں پر اپنی اپنی حکومت و ریاست قائم کرلی، ادھر مشرق میں بنو عباس نے اپنی خلافت کی بنیاد رکھی، اور بیک وقت مشرق و مغرب دونوں سمتوں میں اسلامی حکومتیں اپنے اپنے انداز میں کام کرتی رہیں، بنوامیہ نے دین اسلام، عربی تہذیب و تمدن اور اپنے علوم و فنون کو اغیار کے اثرات سے ہر طرح محفوظ رکھا، ساتھ ہی مغرب کی مختلف غیر مسلم قوموں سے میل جول قائم کرکے ان کے ساتھ دینی اور علمی ربط و تعلق پیدا کیا، مگر مشرق کی طرح مغرب میں بھی انہوں نے دوسروں کے اثرات سے اپنے کو چار ان کو اپنے اثرات سے متاثر کیا، یہ اموی حکومت کا طغرائے امتیاز ہے، جو مشرق و مغرب میں نظر آتا ہے۔ خلاف اس کے مشرق میں عباسیوں نے اپنی خلافت قائم کرکے عجمی اقوام سے یوں تعلق پیدا کیا کہ خود ان کے اثرات سے بہت زیادہ متاثر ہوگئے، اور بڑی حد تک اسلامی افکار و نظریات عربی تہذیب و تمدن علوم و فنون پر عجمیت حملہ آور ہوگئی، مشرق و مغرب کی دونوں مسلم حکومتوں میں یہ فرق نمایاں طور پر ظاہر ہے، اس کی وجہ سے

اندلس اور اس سے ملحقہ مغربی ممالک اٹلی اور فرانس وغیرہ کے باشندوں نے اسلامی اور عربی علوم وفنون حاصل کئے، اور مغربی اقوام کو پہلی بار مشرقی علوم سے روشناس ہونے کا موقع ملا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے اس تیزی سے عربی زبان نے ترقی کی کہ یورپ کے مسیحی پادریوں کو مجبوراً اپنی مذہبی کتابیں عربی زبان میں منتقل کرنی پڑیں۔

یورپ میں اسلامی علوم وفنون کا آغاز:-

اندلس میں خلیفہ عبدالرحمن ثانی (۲۰۶ھ تا ۲۳۸ھ) سے لے کر خلیفہ عبدالرحمن ثالث (۳۰۰ھ تا ۳۵۰ھ) اور اس کے بیٹے خلیفہ حکم بن عبدالرحمن تک کا زمانہ عربی اور اسلامی علوم وفنون کی ترقی کے اعتبار سے نہایت زریں دور گزرا ہے، اس دور میں وہاں مشرقی علوم وفنون نے خوب ترقی کی اور اسلامی تہذیب و ثقافت نے مغربی اقوام کو اپنے اندر گویا جذب کر لیا، اس زمانہ میں یورپ کی قومیں جہالت کے اندھیرے میں تھیں، اور کلیسائی سیاست نے مسیحی عالموں اور مسیحی حکمرانوں کی عظمت و سطوت کا تخت عوام کے فکر و ذہن کی سطح پر بچھا رکھا تھا، اسی درمیان میں اندلس کی اسلامی درس گاہوں سے یورپ کو علم کی روشنی ملی، شہر طلیطلہ میں ایک درس گاہ جاری ہوئی، جس میں عربی علوم وفنون کا لاطینی زبان میں ترجمہ کا شعبہ قائم ہوا، جس کا نگراں ریمونڈ نامی ایک پادری تھا، اندلس کے یہودیوں نے بھی اس اکیڈمی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اس ادارہ میں نہایت تیزی سے عربی کی بڑی بڑی کتابوں کے تراجم لاطینی زبان میں ہوئے۔ جنہوں نے مغربی اقوام میں علم و فن کی روشنی بخشی، اور یورپ میں مشرقی علوم سے دلچسپی نئے رنگ اور نئی امنگ کے ساتھ بڑھنے لگی اور بارھویں صدی عیسوی سے لے کر تیرھویں اور چودھویں صدی عیسوی تک عربی کتابوں کے تراجم کا عظیم الشان ذخیرہ

مغرب کو مل گیا، ڈاکٹر نکلارک نے شمار کر کے بتایا ہے کہ اس مدت میں تین سو بڑی بڑی کتابوں کا لاطینی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔

یورپ میں عقلی اور فکری دور کا آغاز وارتقاء :

اس دور میں جن کتابوں کے تراجم ہوئے ان میں زیادہ حصہ فلسفہ اور طبعی و عقلی علوم کا تھا، خاص طور سے زکریا رازی، ابو القاسم زہراوی، ابن رشد، بو علی ابن سینا، جیسے فلاسفہ اور علوم عقلیہ وطبعیہ کے ماہرین کی کتابوں کے ترجمے ہوئے، نیز اہل یورپ نے مسلمانوں کے واسطہ سے اسی زمانہ میں جالینوس، بقراط، افلاطون، ارسطو، اور اقلیدس کی کتابوں سے استفادہ کیا جو یونانی زبان سے عربی زبان میں منتقل کی گئی تھیں اور پھر ان کا ترجمہ لاطینی زبان میں کیا گیا تھا، بارھویں صدی عیسوی کے بعد سے ان کتابوں میں سے اکثر یورپ کی درسگاہوں میں عقلی اور طبعی علوم کے نصاب میں داخل رہیں، اور پانچ چھ صدیوں تک یورپ کا تمام تر عقلی وطبعی علوم کا سرمایہ یہی کتابیں رہیں، بلکہ ان میں سے بعض کتابیں انیسویں صدی تک وہاں کی یونیورسٹیوں میں داخل درس رہیں، اس طرح اہل مغرب نے اندلس کے اسلامی علوم وفنون کی شمع سے روشنی پاکر کلیسائی جہالت سے نجات پائی اور مسلمانوں کے توسط سے قدیم یونانیوں کی کتابیں اور خود مسلمان عقلاء وفلاسفہ کی کتابیں پڑھی پڑھائیں، اگر اہل یورپ کو اندلس سے علم وفن کی روشنی نہ ملی ہوتی تو یقیناً وہ آج بھی دنیا کی جاہل ترین قوموں میں شمار کئے جاتے۔

ایک انگریز مؤرخ مسٹر طرنے اپنی کتاب "تاریخ فلسفہ" میں بالکل صحیح لکھا ہے کہ "مغربی علوم کے اصلی ماخذ عربوں کے وہ مدارس ہیں جو ہسپانیہ میں قائم تھے، اور یورپ کے ہر ملک کے طلبہ ان مدرسوں کی طرف دوڑتے تھے، اور ان میں جاکر علوم طبعی، علوم ریاضی، اور علوم ماوراء الطبیعہ حاصل

کرتے تھے، اسی طرح جب عربوں نے جنوبی اٹلی پر قبضہ کیا تو وہ بھی یورپ میں اسلامی علوم کے داخلہ کا سبب ثابت ہوا۔“

یورپ کا اسلامی عہد سے استفادہ:

ہسپانیہ کی مسلم درسگاہ سے جو پہلا مغربی عالم نکلا، وہ جربرٹ نامی ایک فرانسیسی پادری تھا، اس نے فرانس میں لاہوتی علم حاصل کر کے اشبیلہ کی راہ لی اور وہاں تحصیل علم کر کے قرطبہ گیا اور تین سال تک ریاضی اور فلکیات وغیرہ کی تعلیم حاصل کی، پھر فرانس واپس آ کر لوگوں کو ان عربی علوم سے واقف کرایا، جس پر اسے جادوگر اور کافر کا خطاب دیا گیا۔ مگر ۹۹۹ء میں اس کو نادانوں سے نجات ملی اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوا، اسی زمانہ میں قرطبہ کی یونیورسٹی سے شانجہ نامی ایک مغربی حکمران نے علوم مروجہ کی تکمیل کی، نیز اٹلی کے بعض لوگوں سے عربی زبان سیکھی اور اسے دنیا کی بہترین علمی و ادبی زبان کے نقطہ نظر سے حاصل کر کے مہارت حاصل کی، اس کے بعد یورپ میں کھُل کر اسلامی علوم وفنون سے دل جسپی لی جانے لگی، چنانچہ ایک پادری نے مسیحی قوموں کو عربی زبان کی ترغیب دیتے ہوئے کہا کہ ”اللہ جسے چاہتا ہے اسی کو حکمت ودانائی سے نوازتا ہے، اس نے لاطینی زبان کو حکمت نہیں دینا چاہا بلکہ عربی زبان بولنے والے عربوں کو دیا ہے۔ اس لئے تم لوگ عربی زبان سیکھ کر حکمت حاصل کرو۔“

ان ابتدائی ادوار کے بعد یورپ والوں نے عربی زبان اور اسلامی علوم اور قرآن مجید کو بلا جھجک پڑھا پڑھایا اور ان میں علمی اور فنی شعور کی جڑیں مضبوط ہوئیں، ساتھ ہی وہاں کے جس ملک میں علم کا شوق پیدا ہوا وہاں کے طلبہ نے اندلس کی درسگاہوں کا رخ کیا اور واپس آ کر اپنے ملک میں علم و حکمت کی بساط بچھائی۔

استشراق میں مذہبی اور سیاسی رجحان :

ابتداء میں اہل یورپ کو اسلامیات اور مشرقیات سے دل چسپی خالص علمی اور فکری انداز میں تھی اور انہوں نے اسی انداز سے ان کو سیکھا یا اور ان سے استفادہ کیا، مگر بعد میں مذہبی طبقہ نے اسلام، پیغمبر اسلام ﷺ اور مسلمانوں کی عداوت میں ان علوم سے کام لینا شروع کیا اور مسلمانوں کی کتابوں سے اپنے بنے بنائے ذہن کے مطابق اقتباسات لے کر اعتراضات کا سلسلہ شروع کیا، اس سلسلہ میں پادریوں نے نہایت مکروہ کارنامہ چھوڑا ہے، جسے خود یورپ کا باخبر طبقہ حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے، اور اپنے تنگ نظر اور جاہل مذہبی پیشواؤں کے ایسے علمی کارناموں پر شرم محسوس کرتا ہے، اس دور میں اسلامیات اور مشرقیات سے متعلق جو کتاب بھی مذہبی حلقہ سے سامنے آئی، اس میں کھلے طور سے یہ خرابی پائی جاتی ہے، اس کے بعد یورپ میں وطنیت و قومیت کی ہوا چلی اور ملک گیری کی ہوس نے ان کو مشرقی ممالک خاص طور سے مسلم ممالک کی طرف متوجہ کیا، اس دور میں یورپ کی علمی و فکری سرگرمی نے دوسرا رنگ اختیار کیا اور مغربی علماء نے مشرقی علوم وفنون کے علاوہ مشرقی ممالک کے دوسرے ملکی اور قومی معاملات میں بھی دل چسپی لینی شروع کی، ان کے استعمار پسند حکمران اور ارباب سیاست ان ممالک میں تجارت، استعماریت اور ملک گیری کے حق میں سرگرمی دکھانے لگے اور مذہبی طبقہ کے لوگ جو پہلے ہی سے اسلام اور مسلمانوں کو اپنی مسیحیت کا مدمقابل سمجھتے تھے۔ مسیحیت کی تبلیغ واشاعت میں مشغول ہوئے، ان ہی گوناگوں نظریات کے پیش نظر مغرب نے مشرق سے خصوصی تعلق پیدا کیا، یہاں کے ملکی و جغرافیائی حالات دریافت کیے، یہاں کی قوموں کے مذہبی، دینی، تہذیبی، تمدنی، فکری اور معاشرتی، رجحانات کا پتہ چلایا، اس

سلسلہ میں یہاں کے ہمہ اقسام کے علوم وفنون حاصل کئے، اپنے یہاں مشرقی علوم وفنون کو زندہ کیا، کتابیں شائع کیں، ان کے ترجمے کئے، اور عربی زبان کے علاوہ وہ فارسی، اردو، ہندی سنسکرت اور مشرقی دنیا کی دوسری زبانیں حاصل کیں۔ اس طرح یورپ کے مستشرقین نے استشراق کو ایک مستقل فن کی حیثیت دے دی اور اس کے ماتحت انہوں نے مشرق کی زندہ اور مُردہ زبانوں کو حاصل کیا اور ان کے اسلوب وادب کی نزاکتوں کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کی۔

یورپ میں عربی کتابوں کی طباعت واشاعت :

اس مقصد کے لئے اہلِ مغرب نے اپنے یہاں عربی کے پریس جاری کئے، اور عربی زبان کی بہت سی نادر ونایاب کتابیں شائع کیں، اس سلسلہ میں سب سے پہلے انہوں نے المجموع المبارک، ابن العمید مسکین کی تاریخ، ابن العبری کی تاریخ الاول، سعید بن بطریق کی نظم الجواہر، اور اس کے بعد تاریخ ابوالفداء اور مقامات حریری چھاپ کر شائع کیں، ساتھ ہی اسلامی اور مشرقی علوم وفنون کے لئے خاص خاص کتب خانے قائم کئے اور دنیا بھر سے نادر و نایاب قلمی کتابیں بڑی بڑی قیمت دے کر حاصل کیں، انیسویں صدی کی ابتداء میں یورپ کے مختلف کتب خانوں میں عربی کی ڈھائی لاکھ سے زیادہ مطبوعہ اور مخطوطہ کتابیں لینن گراڈ، پیرس، برلن، لندن، آکسفورڈ، اٹلی اور اسکوریال (اسپین) وغیرہ میں موجود تھیں، نیز اہلِ مغرب نے اس مقصد کے لئے بہت سی علمی اکاڈمیاں قائم کیں اور علمی مجلسیں بنائیں، جن میں عربی کتابوں کی نشر واشاعت کا کام ہوتا تھا، اس سلسلہ کی سب سے قدیم اکیڈمی ۱۷۸۱ء میں جاوا کے دارالسلطنت میں قائم ہوئی، پھر ۱۷۸۴ء میں سرولیم جونس نے کلکتہ میں ایشیاٹک سوسائٹی قائم کی اور ۱۷۸۸ء سے ۱۸۳۶ء تک اس کے سلسلہ

کی بیس جلدوں میں کتابیں شائع ہوئیں۔ نیز اس سوسائٹی کی طرف سے ا
رسالہ ۱۸۳۲ء میں جاری ہوا، اسی زمانہ میں لندن میں شاہ انگلستان کی
سرپرستی میں مستشرقیات کے لئے ایک سوسائٹی قائم کی گئی، جس میں بڑے بڑے
فضلاء شامل تھے۔ ۱۸۲۰ء میں فرانس کے مستشرقین نے اپنے یہاں عربی
کتابوں کی طباعت و اشاعت کے لئے ایک سوسائٹی قائم کی، اور اس کی طرف
سے ایک رسالہ بھی جاری کیا اسی طرح امریکہ، روس، اٹلی، بیلجیم، ہالینڈ،
ڈنمارک وغیرہ کے مستشرقین نے انگریزوں اور فرانسیسیوں کے نقش قدم پر
چل کر عربی علوم کی اکیڈمیاں اور سوسائٹیاں قائم کیں اور رسالے جاری کئے
اور کتابیں شائع کیں۔

طبقۂ جدید کے خوش آئند رجحانات :

یورپ کے مستشرقین نے بڑی بڑی کانفرنسیں کیں، اور اسلامیات و
مستشرقیات کے مختلف موضوعات پر داد تحقیق دی، مستشرقین کی پہلی عالمی
کانفرنس ۱۸۷۲ء میں پیرس میں منعقد ہوئی، پھر ۱۹۰۸ء میں بھی وہیں ہوئی،
اور اس کا سلسلہ جاری ہے۔ چنانچہ تیسرے سال اس کی سالانہ کانفرنس دہلی
میں ہوئی تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ اہلِ یورپ نے دنیا بھر سے مخطوطات اور قلمی کتابوں
کے ذخیرے جمع کئے اور نادر و نایاب کتابوں کو بہترین تعلیق و تحقیق کے ساتھ
شائع کیا۔ ان میں مضامین، اسماء، مقامات وغیرہ کی الگ الگ فہرست مرتب
کر کے لگائی۔ ان تمام حقائق کے اعتراف کے باوجود اس حقیقت کا بھی برملا
اعتراف کرنا چاہئے کہ یورپ کا کوئی مستشرق کتنا ہی صاف ذہن اور کھلے دل کا
نظر آئے، اس کے اندر اسلام دشمنی کا جرثومہ ضرور موجود ہوگا۔ اور وہ اپنی
بظاہر غیر جانبدارانہ و غیر متعصبانہ تحقیق میں کہیں نہ کہیں اسلام کے خلاف

بات ضرور کرے گا۔ اور یہ مرض جوان کے پادریوں سے ورثہ میں ملا ہے اب تک ختم نہیں ہوا ہے، ان کی مخفی سے مخفی ترو سیسہ کاریوں کو معلوم کرنے کے لئے مرحوم ڈاکٹر مصطفیٰ سباعیؒ کی کتاب "السنة و مكانتها فی التشریع الاسلامی" کا مطالعہ کافی ہے، اسی لئے اب خود یورپ اور امریکہ کا سنجیدہ طبقہ اپنے پادریوں، مؤرخوں اور محققوں کی کتابوں سے اسلام کو نہیں سمجھنا چاہتا ہے، بلکہ مسلمان فضلاء اور عربی زبان سے براہ راست اسلام فہمی کی کوشش کر رہا ہے، حتیٰ کہ اسپین کی یونیورسٹیوں میں دراسات اسلامیہ کے مستقل شعبے قائم کئے ہیں، جن میں عرب علماء و فضلاء، درس دیتے ہیں، حالانکہ اسلام دشمنی میں شاید کوئی ملک مجموعی حیثیت سے آج کے اندلس سے آگے ہو، مگر اب وہاں وطنیت وقومیت کے نام ہی سے سہی اندلسی علماء کی عربی کتابوں کی اشاعت اور ان کی یادگار قائم کرنے کا سلسلہ جاری ہو گیا ہے۔ اس سلسلہ میں یورپ وغیرہ میں یہ رجحان بھی کام کر رہا ہے کہ اسلام کو اس کے قدیم ترین ماخذوں سے سمجھنا چاہئے اور ان قدیم اسلامی مدونات کا مطالعہ کرنا چاہئے، جو احوال و ظروف کے اثرات سے پاک تھیں اور جن کے مصنفین اسلامی روح کے سمجھنے میں زیادہ کامیاب تھے، شاید یہی وجہ ہے کہ ادھر پچھلے پچاس سالوں میں حدیث وفقہ پر قدماء کی جس قدر کتابیں شائع ہوئی ہیں اس سے پہلے شائع نہیں ہوئی تھیں، اور یورپ وامریکہ کے دانشوروں میں ان کی کھپت بھی زیادہ ہو رہی ہے۔ پھر مسلمانوں کا علمی طبقہ بھی علم و تحقیق کی راہ میں اپنے طور پر یہ کام کر رہا ہے، اور اپنے قدیم ترین دینی و علمی سرمایوں کو اچھے انداز میں پیش کرنے لگا ہے۔

اسلامی علوم کے فروغ میں عربی پریس کا کردار:

ہم مختصر طور سے اس کا تذکرہ بھی کرتے ہیں، ٹائپ کے ذریعہ طباعت کی ایجاد ایک جرمن نے ۱۴۴۰ء میں کی تھی، اس کو عربی تلفظ میں "جناجو تمبرج" کہتے ہیں۔ اس کے بعد ایک مدت تک یورپ میں پریس کی مدد سے علوم وفنون کو ترقی ہوتی رہی، اور عربی زبان کی سب سے پہلی کتاب ۱۵۱۴ء میں چھاپی گئی۔ اس کے بعد نزہۃ المشتاق ادریسی، قانون بو علی ابن سینا، تحریر اصول اقلیدس، وغیرہ یورپ کے عربی مطابع سے چھپ کر شائع ہوئیں، اس کے بعد مشرقی دنیا میں طباعت کا فن سلطنت ترکیہ عثمانیہ کی راہ سے ۱۴۹۰ء میں داخل ہوا، اور آستانہ میں ایک یہودی عالم نے اس سال پریس قائم کرکے کئی علمی اور مذہبی کتابیں چھاپیں، مگر یہاں اب تک چھپائی کا کام رومن رسم الخط میں ہوتا تھا، اور ۱۷۲۸ء میں عربی حروف کی ابتداء ہوئی اور عربی طباعت کا پریس جاری ہوا۔ اس زمانہ میں عربی حروف کا سب سے مشہور پریس آستانہ کے پریسوں میں مطبعۂ جوائب تھا، جو احمد فارس شدیاق مرحوم کی ملکیت میں تھا، اس مطبع میں مختلف علوم وفنون کی اُمہات کتب چھاپی گئیں اور یہ ترکی کا مشہور مطبع تھا۔

عربی ممالک میں عربی حروف میں طباعت کی ابتداء، لبنان میں ہوئی، اور مسیحی پادریوں نے سترھویں صدی کے شروع میں بیروت میں پہلا پریس قائم کیا، اس کے بعد ہی ان کی طرف سے ۱۸۴۸ء میں مطبع کاثولیکہ جاری ہوا، جو کیتھولک پادریوں کے قبضہ میں تھا، اس پریس نے عربی کی بہت سی قدیم اور نادر کتابوں کو شائع کیا۔ جن کا تعلق عیسائی شعراء وادباء اور مصنفین سے تھا، اس کے علاوہ بھی بعض علمی وادبی اور لغوی کتابیں یہاں سے چھپ کر شائع ہوئیں، اس کے بعد مصر میں ۱۷۹۸ء میں نپولین کے ہاتھوں چھپائی کا کام جاری ہوا۔ اس نے سرکاری فرامین واحکام کو عربی زبان میں چھاپنے کے

اہلیہ کی جگہ مطبع بولاق جاری کر کے اس کا نگراں ایک شامی ماہر طباعت نقولا مسابکی کو بنایا، مطبع بولاق کے لئے خاص طور سے مختلف سائز کے بہترین حروف ڈھالے گئے، دوسری بار عربی حروف کی ڈھلائی مصر کے مشہور خطاط جعفر بیگ کی کتابت سے ہوئی اور مصر میں اب تک ان ہی کے اصول پر حروف ڈھال کر استعمال کئے جاتے ہیں، عربی ٹائپ کے جوڑان ہی کے قائم کردہ ہیں، مطبع بولاق سے مختلف علوم وفنون کی تقریباً تین سو کتابیں طبع ہوئیں اور اس کے شعبہ القسم الادبی سے ادب عربی کی اُمہات کتب چھاپی گئیں، بعد میں اس مطبع میں سرکاری کاغذات اور درسی کتابیں چھپنے لگیں، اس کے بعد مصر میں بہت سے مطابع قائم ہوئے۔

ہندوستان میں سب سے پہلے پرتگیزیوں نے جنوبی ہند میں ٹائپ پریس جاری کیا اور تامل اور ملیالم زبانوں میں اپنی مذہبی کتابیں چھاپیں، کلکتہ میں ۱۸۰۷ء میں ٹائپ پریس کا اجراء ہوا، جس میں بہت سی عربی کتابیں چھاپی گئیں، ممبئی میں ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۲ء میں ایک ٹائپ پریس تھا۔ جس میں شیخ عبدالجلیل بن یاسین بصری متوفی ۱۲۷۰ء کا دیوان ۲۸۰ صفحات میں چھاپا گیا۔ اس کے بعد ممبئی میں کئی پریس جاری ہوئے۔ مگر وہ بہت معمولی قسم کے تھے اور زیادہ دنوں تک نہیں چل سکے، اس سلسلہ میں عجیب بات ہے کہ گزشتہ صدی میں ایک ہندوستانی منشی ممتاز علی صاحب میرٹھی ہجرت کر کے مکہ معظمہ تشریف لے گئے، تو وہ اپنے ساتھ اپنا مطبع مجتبائی لائے اور ۱۲۹۸ھ میں اس میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی کتاب جہاد اکبر چھاپی۔ اس کے بعد حجاز میں سب سے پہلا ٹائپ پریس مطبعہ حجازیہ کے نام سے ۱۳۰۱ھ میں حکومت ترکی نے قائم کیا۔ جو سرکاری مطبع تھا۔ (۱)

۱۔ تذکرہ شعراء حجاز اردو ص ۷۰، ۷۱،

دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد نے اپنے ابتدائی دور میں ٹائپ پریس جاری کر کے اسی میں اپنی کتابیں چھاپیں۔

ہنگری وسط یورپ میں چیکو سلاویہ، آسٹریا، یوگوسلاویہ، رومانیہ اور سوویت یونین کے مابین ایک آزاد ریاست ہے۔ جس کا رقبہ ۹۳۰۷۳ کلومیٹر اور آبادی ۱۰،۰۰۰،۰۰۰ کے لگ بھگ ہے۔ اس کا دارالسلطنت بوڈاپسٹ ہے۔ جس کی آبادی ۹۳۰،۰۰۰ ہے، یہ بہت بڑا تجارتی اور صنعتی مرکز ہے، پہلے اس کا دارالسلطنت صرف بوڑا نامی شہر تھا، مگر جب ۱۸۷۳ء میں ترکی سلطان سلیمان قانونی نے ہنگری پر قبضہ کیا تو پسٹ نامی شہر کو بھی بوڈا کے ساتھ ملا دیا، اس وقت سے بوڈاپسٹ ایک شہر بن کر دارالسلطنت بن گیا۔ ان دونوں شہروں کے درمیان دریائے طونہ Danude بہتا ہے۔ ہنگری بڑا سرسبز وشاداب اور زراعتی ملک ہے، صنعت وحرفت کے اعتبار سے بھی یہ ملک یورپ کے دوسرے ملکوں سے پیچھے نہیں ہے۔

ہنگری کے مستشرقین کا عربی علوم سے تعلق :

مغربی دنیا میں قرآنی علوم وفنون نے یہاں کے لوگوں کو حد درجہ متاثر کیا۔

ذیل ماضی قریب کے کچھ مستشرقین کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ جو اسلامی علوم وفنون سے حد درجہ متاثر ہوئے اور انہوں نے قرآنی اور اسلامی علوم وفنون پر تحقیق کا کام کیا۔

ان مستشرقین کا تعلق یورپ کے ایک خطے ہنگری سے تھا۔

ہنگری کو عرب مؤرخ وجغرافیہ نویس عام طور سے مجر کہتے ہیں اور یہاں کی زبان کو مجری کے نام سے یاد کرتے ہیں، یہاں کے باشندے نسلاً مشرقی ہیں، قدیم زمانہ میں ان کا مسکن ایران تھا، اور شاہان ایران کے دور میں

یہ لوگ بہت مہذب و متمدن تھے۔ بعد میں یہ مغربی ترکستان کی طرف گئے اور ان کا تعلق ترکوں سے ہو گیا، جس کی بناء پر ترکی کہلائے، ترکی کی حدود میں آنے کے بعد اس قوم کی شان و شوکت بہت بڑھ گئی۔ اور اس علاقہ کے لوگوں نے اس کے خلاف اقدام کیا، جس کے نتیجہ میں اس قوم کا ایک حصہ یورپ چلا گیا اور ایک حصہ مشرقی ایشیا کی طرف پسپا ہو گیا۔ جو لوگ یورپ چلے گئے، انہوں نے ہنگری کو اپنا مسکن بنایا اور ان میں سے اکثر نے نصرانی مذہب قبول کر کے ایک شاندار حکومت قائم کی۔ چونکہ یہ لوگ نسلاً و اصلاً مشرقی تھے۔ اس لئے مغرب میں آباد ہو جانے اور ان پر اپنی حکومت قائم کرنے کے باوجود ان کو اپنے قدیم مشرقی علوم و فنون سے تعلق باقی رہا اور وہ اس کی تلاش و جستجو میں رہا کئے۔ سولہویں صدی میں سلاطینِ ترکی کے قبضہ کے بعد خصوصاً اٹھارہویں صدی میں ان لوگوں میں اپنے قدیم علوم و فنون کی تلاش زیادہ بڑھ گئی۔

ہنگری میں آباد ہو جانے کے بعد اکثریت کا مذہب تو عیسائیت ہو گیا، لیکن جو لوگ اسلام سے وابستہ رہے، ان کو مجری مؤرخ اسماعیلی بتاتے ہیں، یہ لوگ عام طور سے تجارت اور صرافے کا کاروبار کرتے تھے اور تیرھویں صدی تک اپنی اولاد کو حلب کے حنفی مدارس میں دینی اور فقہی تعلیم کے لئے بھیجتے تھے، صلیبیہ کے پانچویں حملے (۱۲۱۹ء تا ۱۲۲۱ء) جنگی اخراجات کے لئے مسیحی بادشاہ اندریا ثانی نے ان مجری مسلمانوں کو سکّہ ڈھالنے کا حکم دیا، توانہوں نے اسلامی انداز پر سکّہ تیار کیا، جس پر "لاالہ الااللہ" لکھا تھا۔

ایک زمانہ میں یورپ کو عثمانیوں سے سخت خطرہ لاحق ہوا اور ان سے جنگ کرنے کے لئے ہنگری کے بادشاہ سنسمند کی قیادت میں ہنگری، بولونیا، فرانس اور جرمنی کے جوانوں کی فوج تیار کی گئی، جسے سلطان بازید عثمانی نے ۱۳۹۶ء میں نیقوپوسیس کی جنگ میں مغلوب کیا، اس کے بعد ۱۵۲۶ء میں

عثمانیوں نے واقعہ موجاج میں ہنگری فوج کو شکست دی اور ۱۵۴۱ء میں اس کے دارالسلطنت پر قبضہ کرلیا، تو وہاں کا حکمران خاندان ڈینیوب کے مغرب میں پناہ گزین ہوگیا، اس واقعہ کے بعد ہنگری کے باشندے عام طور سے سلاطین عثمانیہ کے طرف دار بن گئے، اور ٹرانسلوانیا کی حکومت نے عثمانیوں سے معاہدہ کرلیا، یہاں تک کہ عثمانیوں اور ہنگری کے مغلوب حکمران خاندان کے مابین جنگ ہوئی، جس کے نتیجہ میں بڑی تباہی آئی۔

ان تمام ادوار میں مجریوں (ہنگری والوں) نے اپنے نسلی ورثہ کو محفوظ رکھنے کی کوشش جاری رکھی اور جنگ و پیکار کے زمانہ میں بھی وہ اپنے آبائی علوم و فنون سے غافل نہیں ہوئے، ان کے گرجاؤں میں مشرقی علوم کے نادر مخطوطات محفوظ رہے، خاص طور سے باکونی بیل Bakony Bel کا گرجا ان کا ثقافتی و علمی مرکز رہا، جہاں ان کے لاطینی مخطوطات نوّے جلدوں میں موجود تھے، نیز مجریوں نے ان ایام میں مشرقی غنا، عروض اور قصص وروایات کو مجری ادب میں منتقل کیا، اس زمانہ میں مشرقی علوم سے زیادہ متاثر ہونے والوں میں بالینٹ صف اول کا عالم تھا۔

عثمانی سلاطین نے مجر پر ڈیڑھ سو سال تک حکومت کی اور بوڈا کے ساتھ پسٹ کو بھی اس کا دارالسلطنت بنایا، چنانچہ ۱۸۷۳ء سے آج تک بوڈاپسٹ ہنگری کا دارالسلطنت ہے، اس درمیان میں مجریوں نے خاص طور سے اپنے آبائی ذہن و فکر والوں کی حکمرانی سے فائدہ اٹھاکر ترکی اور عربی زبانیں سیکھیں، اور ترکی حکومت میں کام کیا، اس وقت مجریوں میں استشراق اور مشرقی علوم سے نیا ذوق و شوق پیدا ہوا، اور ترکی حکومت کے سرکاری آفسوں کے کارندوں اور منشیوں میں مستشرقین پیدا ہونے شروع ہوگئے، ان ہی میں فیض روشنیای نامی ایک سرکاری عہدیدار نے مجری زبان میں کلیلہ دمنہ

کا ترجمہ کیا، ہنگری پر ترکی حکومت کی خیر و برکت کا یہ پہلا علمی و فکری ظہور تھا، جو اس زمان ہمیں ترجمہ کی شکل میں ظاہر ہوا، ترکی حکومت کا یہ علمی و فکری پودا ہنگری کے اہل علم میں بڑھتا رہا اور مشرقیات سے دلچسپی لینے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی رہی، یہاں تک کہ وہاں آزادی کی لہر آئی اور ساتھ ہی عام طور سے دنیا میں استشراق کا ذوق پیدا ہوا، جس سے وہاں کے باشندوں میں علم و تحقیق کا ذوق بڑھا، چنانچہ وہاں کے طلبہ ہالینڈ، جرمنی، آسٹریا کی یونیورسٹیوں میں مشرقی زبانوں کی خاص طور سے عبرانی زبان کی تعلیم کے لئے جانے لگے، ان میں مذہبی طلبہ بھی تھے جنہوں نے ترکی اور عربی کو اپنا موضوع قرار دیا اور وہ ان زبانوں میں اس طرح کامیاب ہوئے کہ ان کی تعداد کم ہونے کے باوجود ان کو علمی شہرت ملی۔

درسگاہیں اور رسائل و جرائد :

ہنگری میں مشرقی علوم و فنون کے کئی مرکز ہیں، جن میں ٹرانسلوانیا کا پروٹسٹنٹ کالج بوڈاپسٹ یونیورسٹی اور اس کے معہد مشرقی، معہد وسط ایشیا اور معہد یہودی جن میں سامی زبانوں کی بھی تعلیم ہوتی ہے۔ بہت مشہور مراکز ہیں، مشرقی علوم کے کتب خانوں میں ہنگری کی علمی اکیڈمی کی لائبریری بہت مشہور ہے، اسی طرح وہاں پر مشرقیات کے میوزیم اور عجائب خانے بھی ہیں۔ ایشیائی فن کا میوزیم جسے بوڈاپسٹ میں ۱۹۱۹ء میں فرانسیس ہوپ .Fr Hopp نے قائم کیا تھا، اس کا پہلا محافظ و نگراں زولطان طاقاج Z. Tahacj تھا اس نے اس کی ترتیب دی اور اس کی فہرست تیار کی، اس کی پیدائش ۱۸۸۱ء میں ہوئی۔

نیز اس میوزیم سے اروِن بقلائی Baklay کا خصوصی تعلق ہے، یہ فاضل ہندی فن اور ہندوستان کی زبانوں کا متخصص ہے، اس کی پیدائش

۱۸۹۰ء میں ہوئی۔

مشرقیات پر بحث کرنے والے مجلات و رسائل میں ﴿۱﴾ مجلہ شرقیہ کلی سلسلہ Revue Orientale، ﴿۲﴾ کوروشی گوما Revue Koro-sigsona، ﴿۳﴾ اور مجری زبان کا سالنامہ Actaorientalia جو ہنگری کی علمی اکیڈمی کی طرف سے شائع ہوتا ہے، یہ رسالے مستشرقین کے مباحث کو شائع کرتے ہیں اور ان کا خصوصی موضوع استشراق ہے۔

ہنگری کے قدیم و جدید مستشرقین:

﴿۱﴾...... کانٹ کاروی یوتیسکی Cta. Reviczky .K.

(۱۷۳۶ء تا ۱۷۹۳ء) اس نے وائنا کی درسگاہ میں تعلیم پائی جسے ملکہ ماریہ تریزہ نے مشرقی ممالک میں اپنے سفراء اور مندوبین کی تعلیم کے لئے قائم کیا تھا۔ کاروی کو آسٹریا کے بادشاہ نے فارسودیہ میں اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تھا، پھر لندن بھیجا، جہاں کاروائی اور سرولیم جونس کے درمیان تعلقات نہایت خوشگوار ہوگئے، سرولیم جونس بہت مشہور انگریز مستشرق تھا۔ کاروی نے ۱۷۷۱ء میں حافظ شیرازی کے فارسی دیوان کا لاطینی ترجمہ شائع کیا، بعد میں اس ترجمہ کو بنیاد قرار دے کر ۱۷۷۴ء میں انگریز مستشرق انشاء سون نے دیوان حافظ کا ترجمہ کیا، نیز کاروی کے ترجمہ کی بنیاد پر ۱۷۸۲ء میں فریڈل نے اس کا ترجمہ جرمنی زبان میں شائع کیا۔

﴿۲﴾...... یانوش اوری Uri, Y (۱۷۲۴ء، ۱۷۹۶ء) یہ ناگو کوروش میں پیدا ہوا، ۱۷۵۳ء میں ہالینڈ کی ہاورویگ یونیورسٹی سے فراغت حاصل کی اور اپنے دور میں مشرقی علوم میں سب سے آگے گیا، ۱۷۵۶ء سے ۱۷۷۰ء تک لیڈن میں مقیم رہ۔ اور سی جگہ سے ۱۷۶۱ء میں

امام بوصیری کا قصیدہ بردہ شائع کیا، یورپ میں اس قصیدہ کو نہایت زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی، اور دس سال بعد ۱۷۷۱ء میں اس کا دوسرا اڈیشن شائع کرنا پڑا، نیز اوری نے قصیدہ نسخی کا لاطینی ترجمہ کیا، ۱۷۷۰ء میں اس کا تعلق آکسفورڈ یونیورسٹی سے ہوگیا، جہاں اس نے ۱۷۷۸ء میں کتب خانہ بودلیہ کے مشرقی مخطوطات کی فہرست مرتب کی۔ اس کتب خانہ میں عربی، عبرانی، کلدانی، سریانی، قبطی، ترکی اور فارسی زبانوں کے مخطوطات تھے، بعد میں اس فہرست کی تکمیل نیکول اور بوازی نے کی، نیز اوری آکسفورڈ یونیورسٹی میں مشرقی زبانوں کا لکچرار مقرر کیا گیا، اس کی علمی عظمت کا یہ حال تھا کہ جب وہ مرا تو قدیس میثیل کے جوار میں دفن کیا گیا۔

﴿۳﴾...... شاندور کوارش گوما Csoma, S.K

(۱۷۸۴ء، ۱۸۴۲ء) اس نے پروٹسٹنٹ کالج میں عربی، ترکی، فارسی اور عبرانی زبانوں کی تعلیم حاصل کی اور ان کی تکمیل انجورن سے کی، اس نے مجریوں کے قدیم اور اصل مسکن کی تحقیق و تلاش میں پیدل سفر شروع کیا، ترکی، ایران اور افغانستان ہوتا ہوا تبت پہونچا، جہاں سات سال رہ کر ایک بودھی درس گاہ میں تبتی زبان سیکھی اور ۱۸۳۴ء میں انگریزی زبان میں تبتی زبان کی نہایت مستند لغت تیار کی، جو بعد میں تبتی زبان کے لئے مرجع بنی، تبت کے بعد ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں مدتوں مقیم رہا۔ ۱۸۴۲ء میں پھر تبت کے سفر کے ارادہ سے نکلا، مگر راستہ میں موت واقع ہوگئی اور دارجلنگ میں انگریزوں کے قبرستان میں دفن ہوا۔

﴿۴﴾...... جاج کات یورسکی Hanyurszky. G

(۱۸۱۹ء) اس نے دانکا یونیورسٹی میں تعلیم پائی اور وہیں سے ۱۸۸۳ء میں عربی نحو کا مشہور متن اجرومیہ مجری زبان میں شرح کے ساتھ شائع کیا۔

﴿۵﴾...... کوفمان (Kaufmann, D. (۱۸۵۲ء،

۱۸۹۹ء) برسلاڈ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی اور بوڈاپسٹ کے معہد علمی یہودی میں مدرس بنایا گیا، کوفمان نے اپنا قیمتی کتب خانہ علمی اکیڈمی مجر پر وقف کیا، اس نے بوڈاپسٹ سے ۱۸۹۹ء میں سلموں بن جبرول کے علمی و تحقیقی کارناموں کو شائع کیا اور خود جو علمی اور تحقیقی کارنامے چھوڑے جن کی اشاعت بعد میں فرانیکفرٹ سے ۱۹۱۰ء میں تین جلدوں میں کی گئی۔

﴿۶﴾...... کاؤنٹ غیزاقوون Cte. Kuun, G

(۱۸۳۷ء، ۱۹۰۵ء) نوحتفن یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی اور مجر کی قدیم تاریخ کے عربی اور فارسی مآخذ و مصادر کا خصوصی طور سے پتہ چلایا۔ طبی تصنیفات و کتب پر ایک جامع کتاب لکھی، نیز ترکوں کے ادب و لغت پر متعدد مقالات لکھے۔

﴿۷﴾...... وجیف توری Thury, g (۱۸۶۱ء،

۱۹۰۶ء) بوڈاپسٹ اور لیزیگ یونیورٹیوں سے فراغت حاصل کی، اور وسطِ ایشیاء کی زبانوں اور ترکی لب و لہجہ پروامیری کے طرز پر کتاب لکھی۔

﴿۸﴾...... ولہلم باخر Bacher, w. (۱۸۵۰ء، ۱۹۱۳ء)

لبران یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی اور بوڈاپسٹ یونیورسٹی اور اس سے متعلق معہد علمی یہودی میں سامی زبانوں کے استاد کی حیثیت سے مقرر کیا گیا، باخر نے لیپزیگ سے ۱۹۰۸ء اور ۱۹۱۴ء کی درمیانی مدّت میں موسیٰ بن میمون پر ایک کتاب دو جلدوں میں شائع کی اور ۱۹۰۹ء میں "سامی زبانوں کے تاریخی ادوار" کے نام سے کتاب لکھی، نیز اس نے "تاریخِ یمن" اور بلادِ عرب میں یہودی مستعمرات" نامی کتابیں لکھیں۔

﴿۹﴾...... آمن وامبری Yambery. A (۱۹۳۲ء۔ ۱۹۱۳ء) اس نے بغیر استاد کے مشرقی زبانیں سیکھیں، ایک زمانہ تک ترکی میں رہ کر مجریوں کے اصل مسکن کے آثار و علامات پر بحث کی، پھر درویشانہ صورت اختیار کر کے ایران کے شہروں سے خیوا تک سفر کیا، نیز سمرقند اور بخارا گیا، واپسی پر بوڈاپسٹ یونیورسٹی کے معہد علمی میں ترکی اور فارسی زبانوں کا پروفیسر مقرر کیا گیا اور ایسی کتابیں لکھیں جن سے وسط ایشیا کی قدیم زبانوں پر نئی روشنی پڑتی ہے۔

﴿۱۰﴾...... کوشکو پادری Kamosko, M. (۱۸۷۶ء۔ ۱۹۱۳ء) مشہور مستشرق گولڈ صیہر سے بوڈاپسٹ کے معہد میں تعلیم حاصل کی اور استاذ کے بعد ان کی جگہ سنبھالی، کوشکو نے نصوص سریانیہ کے نام سے ایک کتاب لکھی جو اپنے موضوع پر نہایت قیمتی کتاب ہے اور اس کی کئی شرحیں ہیں۔

﴿۱۱﴾...... پیٹر ہاتالا Hatala, P. (م ۱۹۱۵ء لیپزیگ) یونیورسٹی میں تعلیم پائی اور مشرقی ممالک کا علمی سفر کیا، واپسی پر سامی زبانوں کے پروفیسر کی حیثیت سے تقرر ہوا، ہاتالا نے ۱۸۷۶ء میں عربی نحو کا مشہور متن اجرومیہ اپنے اہتمام سے شائع کیا۔ اور اس کے ساتھ سامی زبانوں کی باریکیوں کے مباحث بھی شامل کئے۔

﴿۱۲﴾...... سالمون اسزٹرن Osltern, S. (پیدائش ۱۸۷۸ء) بوڈاپسٹ یونیورسٹی میں تعلیم پائی، اسلامی تاریخ اور اسلامی فقہ کے مباحث میں خصوصی شہرت پائی، اسلامی تاریخ کے اجتماعی نظریات پر بہت کچھ لکھا، اسزٹرن نے مجری زبان کے علاوہ کئی اجنبی زبانوں میں کتابیں لکھیں،

قرآن حکیم میں اخلاق کی آواز اور قرآن حکیم میں جہاد اور شریعت کی ادائیگی کے موضوعات پر کتابیں اور مقالات لکھے۔

﴿۱۳﴾...... گولڈ زیہر Goldzier, Y. بوڈاپسٹ لیز بک اور برلن کی یونیورسٹیوں میں ان کے بڑے بڑے اساتذہ سے سامی زبانیں حاصل کیں، جب ان کی علمی شہرت زیادہ ہوئی تو ۱۸۷۳ء میں ہجری کی حکومت نے شام کے سفر کی دعوت دی، شام میں ایک زمانہ تک شیخ طاہر (۱)

ا۔ شیخ طاہر جزائری (۱۸۵۰ء۔ ۱۹۲۰ء) دمشق میں ۱۲۶۸ء میں پیدا ہوئے، ان کے والد شیخ محمد صالح سمعونی جزائری مالکی مسلک کے زبردست عالم و فقیہ تھے، الجزائر سے ہجرت کر کے دمشق آئے اور مالکیہ کے مفتی بنے۔

شیخ طاہر جزائری نے شیخ عبدالرحمن بوشائی اور شیخ عبدالغنی میدانی وغیرہ سے پڑھا، دینی علوم کے ساتھ لغت، وادب سے بڑا شغف تھا۔ سات سال کی عمر سے قلمی کتابوں کے پڑھنے اور جمع کرنے کا شوق تھا، ۱۲۹۵ھ میں مدحت پاشا کی گورنری کے زمانہ میں شام کے ابتدائی مدارس کے مفتی بنائے گئے۔ ۱۳۲۵ھ میں مصر چلے گئے اور وہیں سے حج یا زیارت سے مشرف ہوئے اور پیرس میں مستشرقین کی کانفرنس میں شرکت کی، ۱۳۳۸ھ میں دمشق واپس آئے، تو المجمع العلمی کے رکن اور دارالکتب الظاہریہ کے مدیر بنائے گئے، اس کتب خانہ کو آپ نے اپنے چند ہم ذوق کی مدد سے قائم کیا تھا، مگر مصر چلے جانے کی وجہ سے اس سے تعلق باقی نہیں رہا تھا، طاہر جزائری عربی، فارسی اور ترکی زبانوں کے عالم تھے، ساتھ ہی فرانسیسی، سریانی، حبشی اور زوادی زبانوں سے تھوڑے بہت واقف تھے۔ ۱۳۳۹ھ میں فوت ہوئے۔

بیسیوں کتابیں لکھیں جن میں الجواہر الکلامیہ فی العقائد الاسلامیہ، قصص الانبیاء تسہیل المجازالی فن المعمی والالغاظ، الارشاد، الباء الی طریق تعلیم الف باء، توجیہ النظر الی علم الاثر، التبیان لبعض مباحث القرآن، (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

جزائری سے علمی تعلقات رہے، پھر وہاں فلسطین اور پھر مصر جانا ہوا۔ مصر میں گولڈ زیہر نے جامع ازہر کے اساتذہ و شیوخ سے خصوصاً شیخ محمد عبدہٗ سے خوب استفادہ کیا اور سامی لغات کے اصول پر بیش بہا معلومات حاصل کیں۔ نیز اسلامی تاریخ مسلمانوں کے علوم و فنون اور ان کی فکری حرکات پر بے نظیر تحقیقات کیں، جس کی وجہ سے گولڈ زیہر کا مشاہیر مستشرقین میں شمار ہونے لگا، اور بڑے بڑے مستشرقین نے ان کی عظمت کا لوہا مانا اور وسعت علمی کے ساتھ ان کی بے تعصبی کا اقرار کیا، گولڈ زیہر بوڈاپسٹ یونیورسٹی میں سامی زبانوں کے پروفیسر بنائے گئے، اور بہت سی علمی اکیڈمیوں کے ممبر چنے گئے، چنانچہ مجمع علمی دمشق اور مجمع لغوی قاہرہ کے ممبر رہے، ابرڈین اور کیمبرج کی یونیورسٹیوں نے ان کو ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری دی، ۱۸۸۳ء میں لندن کی مستشرقین کانفرنس میں امام داؤد ظاہری کے مذہب پر علمی اور تحقیقی مقالہ پیش کیا، امام داؤد ظاہری اور امام ابن حزم کی کتابیں جمع کی تھیں، اور ابن حزم کی کتاب الابطال کا ایک حصہ شائع بھی کیا تھا۔ ۱۹۰۲ء میں ہمبرگ کی مستشرقین کانفرنس میں "عربوں کے نزدیک علم المرایا" پر ایک تحقیقی مقالہ پیش کیا، نیز اسلام سے متعلق بہت سے علمی مقالات ایشیا اور یورپ کے جرمنی، فرانسیسی، انگریزی، روسی، حجری، اور عربی زبانوں کے جرائد و مجلات میں شائع کئے، گولڈ زیہر نے اپنی مشہور کتابیں، جرمنی، فرانسیسی، اور انگریزی زبانوں میں لکھیں، ان کے ذاتی کتب خانہ میں چھ ہزار ایسی کتابیں تھیں جن کا تعلق فقہ، قرآن فلسفہ، فنون، لغت اور ادب سے تھا، ان کتابوں پر گولڈ زیہر

(گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ) التقریب الی اصول التہذیب وغیرہ زیادہ مشہور ہیں، مشہور سامی ادیب و محقق علامہ محمد کرد علی نے شیخ طاہر جزائری کی شاگردی سے بڑا فیض اٹھایا تھا، وہ ان کو ائمہ اصلاح میں شمار کرتے تھے اور شیخ المصلحین کہا کرتے تھے۔

نے نہایت قیمتی حواشی، استدراکات اور تحقیقات درج کی تھیں، ان کے علاوہ ہزاروں علمی و تحقیقی مجلات و کتب تھیں، جن کو دنیا کے مستشرقین نے ہدیہ میں پیش کر کے ان کے علم و فن کا اعتراف کیا تھا، ان کے مرنے کے بعد اس کتب خانہ کو ان کے خاندان نے قدس کے مکتبہ عربیہ کو فروخت کر دیا، اس طرح گولڈ زیہر کا یہ کتب خانہ اس کے لئے بنیاد بنا۔

گولڈ زیہر نے مختلف موضوعات پر علمی اور تحقیقی آثار و متروکات چھوڑے اور اسلام، اسلامی فقہ، اور عربی ادب پر فرانسیسی جرمنی اور انگریزی زبانوں میں کتابیں لکھیں، یہود انگریزی میں (لیزیگ ۱۸۷۰ء) ۱۸۷۷ء میں اس کتاب کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ اسلام جرمن زبان میں (بوڈاپسٹ ۱۸۸۱ء، نیز ہیڈبرگ ۱۹۱۰ء) آج تک مستشرقین میں کسی نے اس موضوع پر ایسی کتاب نہیں لکھی، گولڈ زیہر کی نگرانی میں ارن نے اس کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں اسلام میں عقیدہ اور شریعت کے نام سے کیا، (پیرس ۱۸۹۰ء) اس کے بعد عربی میں اس کا ترجمہ ہوا، درس اسلام دو ضخیم جلدوں میں لکھی۔ (ہالہ ۱۸۸۵ء و ۱۸۹۰ء) ''فقہ اسلامی پر فلسفیانہ بحث'' جرمنی زبان میں دو جلدوں میں (۱۸۸۹ء) نیز گولڈ زیہر نے اپنے دوست شیخ طاہر جزائری کی کتاب توجیہ النظر فی علم الاثر کو جرمن زبان میں منتقل کیا، اسی طرح سجستانی کی کتاب العمرین کا ترجمہ کیا۔ (لیڈن ۱۸۹۹ء) مرجیہ کے نزدیک عقائد و شرائع اور قدریہ و معتزلہ نامی کتابیں ۱۸۹۶ء میں شائع کیں، امام غزالی کی کتاب المستظہرین فی فضائح الباطنیہ و فضائل المستظہریہ کے ایک بڑے حصہ کو ۸۱ صفحے کے مقدمہ کے ساتھ شائع کیا (لیڈن ۱۹۰۶ء) پھر اس کتاب کے بارے میں ۱۱۲ صفحات کی ایک بحث لکھی۔

اسماء حسنیٰ کے بارے میں اسرائیلی تصریحات پر بحث کی، فرانسیسی زبان میں سامری اور اس کے سونے کے بچھڑے پر ایک رسالہ لکھا اور حسین بن منصور حلاج پر ایک رسالہ لکھا جس میں کتاب الطواسین پر اچھوتے انداز میں بحث کی، یہ رسالہ ۱۹۱۳ء میں شائع ہوا۔

﴿۱۴﴾...... شاندور کیجل Kegel, S بوڈاپسٹ کے معہد میں استاد گولڈ زیہر سے تعلیم حاصل کی اور ادب فارسی کے نوادر و عجائبات میں تخصص کیا، کیجل کے علمی کارناموں میں جدید ادب فارسی (بوڈاپسٹ ۱۸۹۲ء) جلال الدین رومی، فارسی کی قومی شعر و شاعری (۱۸۹۹ء) اور امیر خسرو اور ان کے اشعار (بوداپسٹ ۱۹۱۱ء) کتابیں ہیں۔

﴿۱۵﴾...... بونات مونقاچی (Munkacsi, B. ۱۸۶۰ء۔ ۱۸۳ء) بوڈاپسٹ یونیورسٹی میں مشرقی زبان کی تعلیم حاصل کی، پھر ہنگری کی علمی اکیڈمی کے مجلہ مشرقیہ کے مدیر تحریر ہوئے اور اس میں "فن لینڈ کی زبان کا تعلق ترکی اور تاتاری مصطلحات سے" کے موضوع پر نہایت کامیاب بحثیں لکھیں، اور مجری زبان میں قوقازی زبان کے مفردات کو جمع کیا۔

﴿۱۶﴾...... اوریل شٹین Slein, Au, M. (۱۸۶۲ء۔ ۱۹۴۳ء) یہ شخص وسط ایشیاء، چین، ایران اور عراق کے آثار کا سب سے بڑا عالم مانا جاتا ہے اور اس کی کتابیں اب تک نئی دہلی کے میوزیم میں محفوظ ہیں۔

﴿۱۷﴾...... ہلر Heller, B (۱۸۷۳ء۔ ۱۹۴۵ء) بوڈاپسٹ یونیورسٹی میں تعلیم پائی اور اسلامی اور یہودی علوم کو اپنا موضوع بنایا، اس نے گولڈ زیہر کے ان باقی ماندہ علمی کارناموں کو شائع کیا، جن کا تعلق اسلام اور یہودیت کے مباحث سے تھا اور وہ اب تک شائع نہ ہو سکے تھے، اس

کا مقدمہ ماسینیون نے لکھا، یہ کتاب مجری، جرمنی، فرانسیسی، انگریزی، روسی، سویڈی اور عربی زبانوں میں چھپی۔

﴿۱۸﴾ ...... ولہلوس پروھلی Prohle, V. (۱۸۷۱ء۔ ۱۹۴۶ء) اس نے ترکی، فارسی عبرانی اور عربی زبانوں کو حاصل کیا، اور ۱۹۲۳ء تک ڈیبرین یونیورسٹی میں پروفیسر رہا، پھر بوڈاپسٹ یونیورسٹی میں آ گیا، اس کی کتابوں میں ''تاریخ ادب عثمانی'' اور تاریخ ادب جاپانی زیادہ مشہور رہی، نیز اس نے ترکی زبان کے قواعد لکھے، جس میں قوقازیس ترکی لہجوں اور مشرقی ایشیا کی زبانوں کے قواعد میں ہم آہنگی پر بحث کی۔

﴿۱۹﴾ ...... ڈاکٹر عبدالکریم جرمانوس Germanus, g (پیدائش ۱۸۸۴ء) آپ بوڈاپسٹ میں پیدا ہوئے، شروع ہی سے سامی زبانوں کا شوق تھا، چنانچہ بوڈاپسٹ معہد کے دو بڑے اساتذہ وامبری اور گولڈ زیہر ہی سے یہ زبانیں حاصل کیں اور انہی دونوں اساتذہ کی تعلیم و تربیت سے اسلامی اور مشرقی علوم و فنون کا ذوق پایا بوڈاپسٹ سے نکلنے کے بعد ۱۹۰۵ء تک استنبول اور وائنا کی یونیورسٹیوں میں مشرقیات کی تعلیم حاصل کرتے رہے، ۱۹۰۶ء میں ادب عثمانی پر جرمنی زبان میں کتاب لکھی، نیز ترکی کی فتح کے بعد ہنگری کی یونیورسٹیوں کی تاریخ لکھی اور ایک مدت تک لندن کے برطانوی میوزیم میں رہ کر ترکی زبان کے قدیم نصوص کی تحقیق کی، ۱۹۱۲ء میں بوڈاپسٹ آئے اور اس کے معہد میں مشرقی زبانوں کے استاذ مقرر کئے گئے، جہاں انہوں نے اسلامی فکر اور عربی و ترکی زبانوں کی تعلیم دی اور اُمّم اسلامیہ کی تاریخ کو اپنا موضوع قرار دے کر ان کے قدیم نفسیات اور جدید اجتماعی نہضت کے مابین تعلقات پر بحث کی۔

ٹیگور نے آپ کو ہندوستان آنے کی دعوت دی، آپ نے دعوت

قبول کر کے ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۲ء تک دہلی، لاہور، اور حیدر آباد کی یونیورسٹیوں میں تعلیم دی، اسی زمانہ میں دہلی کی جامع مسجد میں اپنے اسلام کا اعلان کیا، اور ۱۹۳۰ء میں اسلام میں جدید تحریکات نامی کتاب شائع کی، نیز ۱۹۳۱ء میں جدید ادب ترکی اور ۱۹۳۳ء میں "اسلامی تاریخ میں ترکوں کا زمانہ" شائع کی۔

ڈاکٹر صاحب قاہرہ بھی گئے، جہاں جامع ازہر میں دقتِ نظر کے ساتھ اسلامی علوم کو حاصل کیا، پھر وہاں سے حرمین شریفین گئے اور حج و زیارت سے مشرف ہوئے اور اپنے حج کے احوال و کوائف "اللہ اکبر" نامی کتاب میں متعدد زبانوں میں شائع کئے۔

۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۱ء تک قاہرہ اور سعودی عرب میں رہ کر علمی تحقیقات کرتے رہے اور نتیجہ کے طور پر ادب عربی کی بلندیاں اور عربی زبان کی تراکیب نامی کتابیں شائع کیں۔ ۱۹۵۵ء میں حکومت مصر کی دعوت پر چند ماہ قاہرہ اور اسکندریہ میں گزارنے کے لئے آئے، نیز دمشق آئے تاکہ فکر عربی اور موجودہ ادب عربی اور ادب مجری پر لیکچر دیں، اس کے بعد ۱۹۵۷ء میں مشہور شاعر ابن الرومی اور اس کے افکار پر کتاب لکھی اور ۱۹۵۹ء میں ابن الرومی کے مجموعۂ اشعار کا جرمن زبان میں ترجمہ شائع کیا، ۱۹۵۸ء میں عرب کے مشرقی علاقوں کا سفر کیا تاکہ عروبت کی تحریک، جدید عربی ادب اور موجودہ ادباء کے بارے میں معلومات فراہم کریں، ۱۹۵۳ء میں اٹلی کی اکیڈمی کے اور ۱۹۵۶ء میں قاہرہ کی المجمع اللغوی کے ممبر منتخب کئے گئے۔

﴿۲۰﴾ ...... غیولا نیمت Nemeth, G. (پیدائش ۱۸۹۰ء) بوڈاپسٹ یونیورسٹی میں ترکی علوم کی تحصیل کی اور اسی میں ترکی تاریخ کے پروفیسر مقرر کئے گئے، موصوف کی تصنیفات میں "عثمانی دور حکومت

میں مجر کی تاریخ" ہے۔

﴿۲۱﴾...... دی شوموجی Somog Uji J.D.E. پیدائش

۱۸۹۹ء بوڈاپسٹ میں پیدا ہوئے اور گولڈ زیہر سے بوڈاپسٹ یونیورسٹی میں سامی زبانوں کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد ڈاکٹر عبدالکریم جرمانوس سے پڑھا اور اپنی علمی کاوش کو اسلامی تاریخ میں محدود کیا، اس میں اتنی ترقی کی کہ عرب مؤرخین کے ہم رنگ بن گئے، ۱۹۳۱ء میں امام ابن جوزی کی کتاب المنتظم کی تلاش و تحقیق میں لندن گئے۔ اس سے پہلے اس کی تکمیل کے لئے یورپ کے مختلف بلاد و امصار کا سفر کیا، اس کتاب کی بارہ جلدیں یورپ، قاہرہ اور قدس کے مختلف کتب خانوں میں بکھری پڑی ہیں۔ "دائرۃ المعارف العثمانیہ" حیدر آباد میں بڑی تلاش و جستجو کے بعد ۱۳۵۷ھ سے ۱۳۵۹ھ تک اس کی پانچویں جلد سے دسویں جلد تک چھپ سکی، نیز شوموجی نے اس سفر میں کمال الدین دمیری کی کتاب حیاۃ الحیوان کے ماخذ و مصادر کی تلاش کی، گولڈ زیہر نے اس کام کو شروع کیا تھا۔

﴿۲۲﴾...... لاسلور اشتونی .Rasonyi L (پیدائش

۱۸۹۹ء) بوڈاپسٹ یونیورسٹی میں تعلیم پائی، پھر ترکی کے علوم میں تخصص حاصل کیا اور انگورہ یونیورسٹی میں ۱۹۳۴ء سے ۱۹۴۱ء تک پروفیسر رہے، اس کے بعد ہنگری کے مجمع علمی کے مشرقی شعبہ کے ذمہ دار بنائے گئے، موصوف نے ترکی زبان کے اصول و قواعد پر متعدد مباحث لکھے ہیں۔

﴿۲۳﴾...... سیغوند تلغدی .Telegdi, Z (پیدائش.

۱۹۰۹ء) بوڈاپسٹ، برسلاؤ اور پیرس کی یونیورسٹیوں میں مشرقی زبانوں کی

تعلیم حاصل کی، اور بوڈاپسٹ یونیورسٹی میں فارسی زبان وادب کے پروفیسر مقرر کیے گئے، مجلۂ ایشیا میں "فارسی ادب کا تعلق مشرقی زبانوں سے" کے موضوع پر سلسلہ بحث شروع کیا۔

﴿۲۴﴾...... کاروی تسیولیدی .Tzivlidy, K (پیدائش ۱۹۱۴ء) لیڈن اور پلواسٹ کی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کی اور بوڈاپسٹ یونیورسٹی میں سامی زبانوں کے پروفیسر بنائے گئے، مجر کی قدیم تاریخ عربی زبان کی بحث پر ماہرین لغات کی تحقیقات میں حصہ لیا، موصوف نے ابن فضلان اور خوارزمی کے سفرناموں پر ایک رسالہ لکھا اور انگریزی زبان میں قدیم مجریوں کی تاریخ کے مباحث لکھے ہیں۔(۱)

ان مستشرقین مؤرخین اور محققین میں اسلامی علوم وفنون سے متعلق یہ ذوق وشوق قرآنی اثرات کے تحت ہی تھا۔

۱۔ مقالہ تاثرومعارف از قاضی اطہر مبارکپوری مطبوعہ دہلی۔

کتابیات

عربی

- استيعاب ابن عبدالبراندلسی، مصر، ۱۳۲۹ھ
- احسن التقاسيم فی معرفة الاقاليم بشاری مقدسی، لیڈن ۱۹۰۶ء
- غرائب القرآن ورغائب الفرقان، حاکم نیساپوری مکتبہ امیریہ ۱۳۲۳ھ
- المسالك و الممالك اصطخری، لیڈن، ۱۹۸۰ء
- مفردات القرآن، امام راغب اصفہانی، بیروت،
- نزهة المشتاق فی ذكور الامصار والا قطار والبلدان، عبدالعزیز الادریسی، روم ۱۵۹۳ء

اردو

- احادیث نبوی ﷺ پر ایک نظر، ایم عزیز اللہ، کراچی ۱۹۶۵ء،
- اسلام اور جدید سائنس، محمد شہاب الدین ندوی، مجلس نشریات اسلام، کراچی،
- اسلام اور عربی تمدن، ایچ جی ویلز، ترجمہ شاہ معین الدین ندوی، ندوۃ المصنفین، دہلی،

* اسلام اور مستشرقین، سید صباح الدین عبدالرحمن، مطبع معارف، اعظم گڑھ، ۱۹۸۵ء،
* اسلام دور جدید کا خالق، وحید الدین خان، فضلی سنز، کراچی ۱۹۹۰ء،
* اسلامیات اور مغربی مستشرقین و مسلمان مصنفین، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ ۱۹۸۲ء،
* انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، سید ابوالحسن علی ندوی، مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۷۴ء،
* بائبل قرآن اور سائنس، موریس بوکائیے، مترجم ثناء الحق صدیقی، ادارۃ القرآن، کراچی ۱۹۹۳ء،
* پیغمبر اسلام غیر مسلموں کی نظر میں، مدیر ظل عباسی، نئی راہ، ممبئی، ۱۹۵۴ء،
* تاریخ طب عربی، مترجم سید ہاشمی فرید آبادی، انجمن ترقی اردو، کراچی،
* تاریخ عرب، موسیو سیدیو، اردو ترجمہ مولوی عبدالغفار رامپوری، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۶ء
* تاریخ میں اسلامی تہذیب کا حصہ، الیس خدا بخش، جلد دوم، ۱۹۲۶ء
* تاریخ یورپ، اے جی گرانٹ،
* تجلیات سیرت، ڈاکٹر حافظ محمد ثانی، فضلی سنز، کراچی، ۱۹۹۷ء،
* تمدن عرب، ڈاکٹر گستاؤلی بان، اردو ترجمہ مولوی سید علی بلگرامی، مطبوعہ مفید عام، آگرہ، ۱۸۹۶ء،
* تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ،

* حکایاتِ اسلام، ایم۔ ای۔ خان، لاہور، ۱۹۶۶ء،
* خطبات مدراس، سید سلیمان ندوی، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور،
* دعوت اسلام، پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ اردو ترجمہ ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ، محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور، ۱۹۷۲ء،
* سید الانبیاء، تھامس کارلائل، اردو ترجمہ محمد اعظم خان، کاروانِ ادب، کراچی، ۱۹۹۰ء،
* طب العرب، ایڈورڈ جی براؤن، اردو ترجمہ حکیم سید علی احمد نیر واسطی، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور ۱۹۹۰ء،
* طب نبوی ﷺ اور جدید سائنس، ڈاکٹر خالد غزنوی، الفیصل، لاہور، ۱۹۸۹ء،
* ظہور اسلام، مولانا وحید الدین خان، مکتبہ الرسالہ، دہلی، ۱۹۸۴ء،
* علم جدید کا چیلنج، وحیدالدین خان، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، لکھنؤ،
* فکر اسلامی کی تشکیل جدید، ڈاکٹر مشیر الحق، مکتبہ رحمانیہ، لاہور،
* فکر اسلامی کی تشکیل نو، سر محمد اقبال، شیخ اشرف، لاہور، ۱۹۷۱ء،
* قرآن مجید اور دنیائے حیات، محمد شہاب الدین ندوی، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۸۸ء،
* قرآن ماضی حال اور مستقبل، سید مشتاق علی دیوانی، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور،
* قرآن سائنس اور مسلمان، محمد شہاب الدین ندوی، مجلس نشریات اسلام، کراچی،
* القرآن المبین، مترجم حافظ نعیم الدین احمد صدیقی میرٹھی، ادارۃ

القرآن المبین، کراچی، ۱۹۹۲ء،
❋ کتاب مقدس، پاکستان بائبل سوسائٹی، لاہور، ۱۹۷۵ء،
❋ محمد رسول اللہ ﷺ، آر۔وی۔سی۔ باڑلے اردو ترجمہ سید امین زیدی، مکتبہ عالیہ لاہور، ۱۹۷۸ء،
❋ محمد رسول اللہ ﷺ، جان بیگٹ، اردو ترجمہ حبیب حیدر آبادی، سیزن پبلشرز، کراچی،
❋ محمد رسول اللہ ﷺ، گونسٹن ورژیل گیورگیو، اردو ترجمہ عبدالصمد صارم الازہری، مکتبہ معین الادب، ۱۹۷۴ء،
❋ مختصر تاریخ خلافتِ اسلامیہ، مولانا عبدالقدوس ہاشمی، موتمر عالم اسلامی، کراچی،
❋ مسلم نشاۃ ثانیہ، ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن صدیقی، مطبوعات جاوید، کراچی، ۱۹۸۹ء،
❋ نقوش شخصیات نمبر، مکتبہ نقوش، لاہور،

انگریزی

❋ Arberry, A.J. Revelation and Reason in Islam, London,
❋ Arberry, A.J. Translation of Holy Quran. London
❋ Arnold Thomas. The Preaching of Islam. Oxford. University Press, London, 1935.

* Arnold, Thomas & Alfred Guellame. The Lagacy of Islam, Oxford University Press. London, 1949.
* Briffault, Robert. The Making of Humanity. London, 1919.
* Boulain, villiers, H.S. Historedes Arabes, Aved. Lavie De Mahomet. Amersterdam.
* Bucaille, Murice, Bible, Quran and the Science, Idaratul Quran, Karachi.
* Carlyle, Thomas, On Heroes and Hero Worship London, 1956.
* The Concise Oxford Dictionary, Edited By H.W. Fowler and F.G. Fowler. Clarendon, Oxford, 1995.
* Coulson, N.J. Islamic Surveys, A History of Islamic Law, Edinburg, 1971.
* Daveport, John. Apology for Mohammad and the Quran, London, 1869.
* Draper, John William, A History of The Intellectual Development of the Europe, London, 1875.

* Encyclopaedia Americana, 1961.
* Encyclopaedia Britanica, 1983,
* Encyclopaedia of Islam, Leieden, 1950,
* Encyclopaedia of Religion and Ethicks, New York, 1921,
* Finlay, James. History of the Byzantine Empire, London, 1920.
* Fisher, George. The Beginning of Christianity, New York. 1886,
* Gibbon, Edward. The History of the Decline and Fall of the Roman Empire.
* Gibb, H.A.R. Studies on the Civilization of Islam, London, 1922.
* Gibb, H.A.R. Islam, London, 1932.
* Gonebaum, Gustave E. Von. Medieval Islam, Chicago, 1947.
* Hart, Michael. H. The 100, Hart Puplishing co, New York, 1970.
* Hitti, P.K. History of the Arabes, London, 1970.
* Holt, P.M. the Combridge History of Islam.
* Lane Poole, Stanley. Studies in

Mosque, 1966.

* Lawrence, E. Brown. The Prospects of Islam, London. 1949.
* Margolioth, D.S. Mohammad and the Rise of Islam. New York. 1905.
* Marmaduke Pickthal, Holy Quran with Translation Islamabad.
* Muir, Sir William. Life of Mahomed London.
* Readers Digest, June, 1961.
* Reverend R. Bowsworth, Mohammad and Mohammadanism.
* Robert, S.J.M. the Religion History of the World. New York. 1984.
* Rodwell, J.M. the Quran, London, 1918.
* Rouledge, De Lacy O`Leary and Kegal Paul. Arabic Thought and its Place in History, London, 1958.
* Sale, George. the Koran or Alcoran of Mohammad. London.
* Wells, H.G. Mohammad the Holy Prophet, Lahore.

- Smith, Wilfred Cantwell. Islam in Modern History. New York. 1957.
- Time Magazine, Joly 15, [illegible].
- Time Magazine, Feb, 20, 1979.
- Toynbee, A.J. Civilization on Trial, New York, 1948.
- Wells, H.G. A Short History of the World London, 1924.